خُطباتِ احتشام

خطیبِ پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ نزد چوک فوارہ ملتان پاکستان

✆061-540513-541377

Mob: 0303-6662980

E-MAIL: Ishaq90@hotmail.com

Website

WWW.Taleefat-e-Ashrafia.Com

خطبات احتشام

جلد ششم

خطیب پاکستان

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

مرتب

مولانا محمد فیاض حیدر قاسمی

ادارہ تالیفات اشرفیہ

بیرون بوہڑ گیٹ ملتان۔ فون: 540513

باہتمام .... محمد اسحٰق عفی عنہ

نام کتاب .... خطبات احتشام

طباعت .... شرجیل شکیل پریس چوک شہیداں ملتان

ملنے کے پتے

☆ ادارہ تالیفات اشرفیہ۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ طیب اکیڈمی۔ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

☆ مکتبہ امدادیہ۔ بیت الاشرف باغ حیات سکھر

☆ مکتبہ العارفی۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ۔ فیصل آباد

☆ ادارہ اسلامیات۔ انارکلی لاہور

☆ مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار لاہور

☆ مولانا محمد اقبال نعمانی۔ مکی مسجد کراچی

﴿اجمالی فہرست﴾

بسم االرحمن الرحیم

فہرست مضامین

صبر و تقوی

فتح مبین

صبر کے اقسام

صبر کا صلہ

فضیلت جمعہ

پیری مریدی کی حقیقت

حقیقت شرک

اللّٰہ جل جلالہ

صبر و تقویٰ

یہی حال آج ہمارا بھی ہے۔ آج اگر مسلم قوم کے اندر وہ خصوصیتیں پیدا ہو جائیں جن کے لئے قرآن کریم نے یہ واقعہ ہمیں سنایا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلم قوم دنیا میں پھر اسی طریقہ سے اپنا نام پیدا کر لے گی جو آج سے تیرہ سو سال پہلے مسلم قوم کی دھاک دنیا میں بیٹھی تھی۔ علماء نے لکھا ہے (یہ جملہ یاد رکھئے) جس قوم کو دنیا میں اپنے قومی نصب العین کی خاطر مرنا نہیں آتا۔ اس قوم کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جینے کا حق صرف اسی قوم کو ہے جو اپنے قومی نصب العین کی خاطر جان و مال کی قربانی دینے پر تیار ہو۔ دنیا میں عزت، حیات صرف اسی قوم کیلئے ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صبر اور تقویٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا
وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی
عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؛

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٢٤٦﴾ سُوْرَةُ الْبَقَرَة

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

حضرات علماء کرام، بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج مجھے آپ کے اس مشہور شہر میں حاضر ہو کر اور آپ سب حضرات سے ملاقات کر کے بڑی خوشی ہوئی۔ میں آپ تمام حضرات کا خاص طور پر انجمن نقیب الاسلام کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے لئے یہ موقعہ فراہم کیا کہ میں آپ سے دین کی باتیں کر سکوں۔

دین کے ہر شعبہ میں کشش و جامعیت ہے

اس موقعہ پر آپ کی خدمت میں کون سی بات عرض کروں۔ ہر اس شخص کے لئے جس کو کبھی خطاب کرنے کا موقعہ ملتا ہے، جسکو کبھی تقریر اور بیان کا موقعہ ملتا ہے یہ فیصلہ کرنا مشکل اور دشوار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ شریعت اسلامیہ اور دین اسلام اس حسین مجسمہ کی طرح ہے کہ جس کی ہر ایک

ادا یہ دعوت دیتی ہے کہ میری طرف متوجہ ہو کر مجھے دیکھو۔ میرے اندر کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا کیا کمالات اور کیسے کیسے حسن ہیں؛ ظاہر ہے کہ ایک مجلس میں کسی ایک ہی عضو اور کسی ایک ہی پہلو کی طرف توجہ دی جا سکتی ہے۔ فارسی کے ایک شاعر نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے، مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعریف درحقیقت اسلام کی تعریف ہے۔ فرمایا کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

فرق کے معنی آتے ہیں مانگ۔ یعنی سر سے لیکر پاؤں تک ہر ادا مجھے یہ دعوت دے رہی ہے کہ تم میری طرف متوجہ ہو جاؤ، لیکن بعض اوقات انتخاب میں مشکلات اور دشواریاں بھی ہوتی ہیں۔

الف لیلہ کی ایک حکایت ایک کتاب ہے جسکا نام "الف لیلہ" ہے، الف کے معنی ہیں ہزار، اور لیلہ کے معنی ہیں رات، یعنی اس میں ایک ہزار راتوں کی ایک ہزار الگ الگ کہانیاں ہیں، اس کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ سندباد نامی ایک سیاح دنیا کی سیاحت کے لئے نکلا، اور دنیا بھر میں اس نے سیاحت کی، ملکوں کو دیکھا، اس کے عجائبات کو دیکھا اور ایک کافی مدت کے بعد جب وہ واپس ہونے لگا تو اسکو دور سے ہی جنگل میں ایک سفید سی چیز نظر آئی، اس نے سوچا کہ شاید یہ کسی بادشاہ، کسی حاکم کا محل ہے۔ اور جب اتنی مدت میں نے سیاحت میں خرچ کیا ہے تو چلو اس بادشاہ سے بھی ملاقات کرتا چلوں؛ وہ اس محل کی طرف چل پڑا، وہ کہتا ہے کہ میں جتنا جتنا قریب ہوتا جا رہا تھا وہ چیز بڑی ہو کر مجھے نظر آ رہی تھی۔ جب میں اس کے بالکل قریب پہنچا تو مجھے اس بات کی تلاش ہوئی کہ اس کا پھاٹک کہاں ہے؟ اسکا صدر دروازہ کہاں ہے؟ اس میں داخلے کی جگہ کونسی ہے؟ اسی تلاش و جستجو میں چکر کاٹتے کاٹتے میں تھک گیا لیکن مجھے کوئی دروازہ نہیں ملا

کوئی کھڑکی نہیں ملی، کوئی سوراخ نہیں ملا۔ میں پریشان تھا کہ یا اللہ! یہ اتنا بڑا محل ہے لیکن اس میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے؟ ایک راہ گیر ملا۔ اس سے پوچھا کہ میاں! یہ بتاؤ کہ اس محل میں داخل ہونے کا راستہ کونسا ہے؟ اس نے ہنس کر کہا، آپ یہاں اجنبی اور مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے کہا، کہ ہاں! میں مسافر ہوں! اس نے کہا، حضور والا! آپ کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ کسی بادشاہ کا محل نہیں ہے جو آپ اس میں دروازہ تلاش کر رہے ہیں، یہ تو سیمرغ کا انڈا ہے اس میں دروازہ اور کھڑکی کہاں؟ لہذا آپ کی کوشش بیکار ہے، سندباد کو بڑی مایوسی ہوئی اور وہ سمجھ گیا کہ میں نے جتنی کوشش کی تھی وہ سب غلط اور بیکار تھیں۔

آج ایک خطیب کیلئے، اور ایک عالم کے لئے سب سے پہلا مسئلہ یہی ہے کہ میں دین کی کونسی بات کہوں؟ کس طریقے سے اور کس دروازے سے اس کو لوگوں کے دل ودماغ میں اتاروں۔

اسوہ نبوی سے دوری باعث خسران ہے

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میں نے چالیس ۴۰ سال تک قبرستان میں اذان دی ہے لیکن کوئی مردہ نہیں اٹھا۔ یعنی ایک طویل تجربہ کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ساری کی ساری ملت اور ہماری پوری قوم سیمرغ کا انڈا بنی ہوئی ہے، اس میں داخل ہونے کا نہ تو کوئی پھاٹک ہے، نہ کوئی کھڑکی ہے اور نہ ہی کوئی دروازہ ہے۔ صرف ایک ہی راستہ کھلا ہوا ہے جس کہ ذریعہ اس میں داخل ہوسکتے ہیں۔ اور وہ وہی راستہ ہے جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ مولانا! دین و آخرت کی باتیں تو پھر کریں گے پہلے پیٹ کے متعلق کوئی بات بتائیے! کوئی ایسا نسخہ تجویز فرمائیے کہ جس سے ہمارے دولت و ثروت میں اضافہ ہو۔

لیکن یاد رکھئے! یہ راستہ سرکار دوعالم ﷺ نے ہمیں نہیں بتایا۔ اور جو لوگ تبلیغ دین کیلئے ایسا راستہ اختیار کرتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں انہیں بعد میں شرمندگی

اٹھانی پڑتی ہے۔

ایک دلچسپ حکایت ایک مولوی صاحب نے کسی بستی میں وعظ میں کہا کہ اگر تم لوگ چالیس دن تک پابندی کے ساتھ نماز پڑھوگے تو اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں بھینس عطا فرمائیں گے۔ یہ سن کر ایک دیہاتی نے سوچا کہ پانچ، سات سو روپے خرچ کرکے بھینس خریدوں، اس سے بہتر ہے کہ چالیس دن پابندی سے نماز پڑھ لوں، بھینس مل جائے گی۔ تو اس نے پابندی کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کردی۔ اور جب دن قریب آنے لگے تو اس نے بھینس باندھنے کیلئے جگہ بھی بنالی، کھونٹا بھی گاڑدیا اور رسی بھی لاکر رکھ لی۔ چالیس دن پورے ہوگئے۔ لیکن بھینس نہیں ملی۔ مولوی صاحب کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ صاحب! چالیس دن پورے ہوگئے۔ بھینس کہاں ہے؟۔ مولوی صاحب نے کہا! ارے بے وقوف! میں نے تو یہ اس لئے کہا تھا کہ اگر تو چالیس دن تک پابندی کے ساتھ نماز پڑھتا رہے گا تو تو نماز کا عادی ہوجائے گا۔ تجھے بھینس تھوڑی ہی ملنی تھی۔ اس دیہاتی نے کہا، میں تو جب ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ کا وعدہ سچا نہیں ہے اسی لئے میں نے بھی چالیس دنوں تک بلا وضو ہی نماز پڑھی ہے!

یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی بڑا اہم ہے کہ کونسی بات کہی جائے اور کس طرح کہی جائے! میں نے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کی ہیں، مجھے تو صرف ایک آیت ہی پڑھنی تھی لیکن ایک صاحب نے پرچہ لکھ کر بھیجا تھا کہ تلاوت کچھ لمبی کی جائے، میں نے پورے ایک رکوع کی تلاوت کی، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے، ایک قصہ بیان فرمایا ہے۔

مضامین قرآن کریم قرآن کریم تیس پاروں کی کتاب ہے، اسکو اگر آپ مضامین کے اعتبار سے تقسیم کریں تو یہ تین حصوں پر تقسیم ہوتا ہے۔ ایک حصہ وہ ہے کہ جس میں جائز و ناجائز، حلال و حرام کے احکام نہیں ہیں ہے، لمبی لمبی سورتیں ہیں مگر شریعت کا کوئی

حکم اس کے اندر بیان نہیں کیا گیا ہے، صرف جزا، و سزا، جنت و جہنم، آخرت قیامت و مناظر قیامت کا ذکر ہے۔ یہ دس پاروں کے برابر ہے۔ دراصل قرآن کریم نے جو طرز اور طریقہ تعلیم اختیار کیا ہے اس سے اس دین کا برحق ہونا واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔

ایک گھڑی ہوئی کہانی بمبئی سے ایک ہریجن اخبار نکلتا تھا، وہ گاندھی جی کا آرگن (ORGAN) کہلاتا تھا۔ اس میں ایک ہندو نے یہ مضمون لکھا کہ یہ بات مشہور ہے کہ ابتداء اسلام میں شراب مسلمانوں کے گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مگر جیسے ہی قرآن کا یہ حکم آیا کہ شراب حرام ہوگئی تو نہ کسی پولیس کی ضرورت پڑی، نہ کسی فوج کی ضرورت پڑی خود لوگوں نے شراب کو نالیوں میں بہادی، اس کے برتن بھی توڑ دیئے۔ اس نے لکھا کہ یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حکومتیں ہمیں احکام دیتی رہتی ہیں لیکن اس طرح پر تو اس پر کوئی بھی عمل نہیں کرتا، معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یہ کہانی گڑھ لی ہے۔

اسلامی اور ملکی قوانین میں فرق ہے اس مضمون نگار کو یقین نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسلامی قوانین کو حکومت کے قوانین پر قیاس کیا، جبکہ دونوں قوانین میں بہت بڑا فرق ہے، اس زمانے کی حکومتیں حکم تو دیتی ہیں لیکن اس حکم پر عمل کرنے کا ذہن پیدا نہیں کرتی ہیں۔ حالانکہ جب تک کسی قوم کا ذہن تعلیم و تربیت کے ذریعے ان احکام و قوانین کے مطابق نہ بنا دیا جائے اس وقت تک وہ قوم ان احکام و قوانین پر کبھی عمل نہیں کر سکتی۔ اور ذہن بنا دیا جاتا ہے تو پھر صرف حکم دینے کی دیر ہوتی ہے۔

اسلام کا نظام اصلاح اسلام نے اس سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کیا ہے۔ وہ نہایت حکیمانہ طریقہ ہے۔ پہلے نماز کا حکم نہیں دیا، روزے کا حکم نہیں دیا، زکوۃ کا حکم نہیں دیا، جہاد اور حج کا حکم نہیں دیا۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی جو آیتیں نازل ہوئیں وہ انسانوں کو

یہ بتا رہی ہیں کہ جو کچھ تم اس دنیا میں کر رہے ہو اسکا رد عمل اور اسکا نتیجہ آخرت میں نکلنے والا ہے۔ بڑی بڑی سورتیں نازل ہوئیں جن میں قیامت اور مناظر قیامت بیان کئے گئے۔ جن کے اندر جزا و سزا بیان کی گئی۔

شراب کی حرمت بتدریج ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شراب گھٹی میں پڑی ہوئی تھی مگر قرآن کریم نے سب سے پہلے ذہن بنایا۔ اور اس کی ممانعت کے کیلئے نہایت حکیمانہ طرز اور طریقہ اختیار کیا۔ اس کے لئے تین منزلیں اور تین درجے اختیار کئے۔ پہلی منزل پر کچھ ذہن بنایا۔ دوسری منزل پر کچھ اور زیادہ ذہن بنایا۔ پھر تیسری منزل پر ممانعت کا حکم آیا۔

پہلا مرحلہ سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

آپ سے لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ ان میں کچھ فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی ہیں۔ لیکن ان کے نقصانات فائدے سے زیادہ ہیں۔

دنیا میں کوئی چیز آپ کو ایسی نہیں ملے گی کہ جس کے اندر فائدہ اور نقصان دونوں پہلو موجود نہ ہو۔ لیکن شریعت یہ دیکھتی ہے کہ ان میں فائدہ کی مقدار زیادہ ہے یا نقصان کی مقدار۔ اگر فائدہ کا پہلو غالب ہے تو اسکو حلال اور جائز قرار دیتی ہے ورنہ حرام قرار دیتی ہے۔ شراب کے متعلق قرآن کریم نے کہا کہ اس میں کچھ فوائد بھی ہوں گے مگر نقصانات زیادہ ہیں۔ پہلے پہل صرف اتنی سی بات کی گئی جس سے مسلمانوں نے یہ اندازہ لگالیا کہ شراب اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں اور دین و مذہب کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ اتنا ذہن بن گیا۔

دوسرا مرحلہ دوسری مرتبہ قرآن کریم میں یہ حکم آیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔

اے مسلمانو! جب نماز کے لئے آنا ہو تو شراب مت پینا، کیونکہ نماز اللہ کے دربار میں حاضری کا نام ہے اور اس وقت یہ کیفیت اللہ کو پسند نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ نماز میں سجدہ کرتا ہے تو اس وقت اسکا سر اللہ کے قدموں میں ہوتا۔ تو ابھی شراب کے حرام ہونے کا حکم نہیں۔ آیا ہے اس دوسری منزل پر صرف یہ ذہن بنایا گیا کہ نماز کی حالت میں شراب پینا درست نہیں ہے۔

تیسرا مرحلہ جب دوسری منزل پر ذہن بن گیا پھر تیسری منزل پر یہ حکم آیا۔

اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔

یعنی شراب، جوا، بت اور پانسے یہ سب شیطان کے گندے کام ہیں اس سے بچتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ یہ قران کریم کی وہ آیت ہے کہ جس نے شراب کو صرف حرام نہیں قرار دیا ہے بلکہ اسکو بدترین قسم کا گناہ اور نہایت پلید اور ناپاک قسم کا عمل بتلایا ہے۔

روشن خیالوں کی روشن خیالی ہمارے بعض دوست فرمایا کرتے ہیں کہ مولانا! شراب کے بارے قرآن کریم میں کہیں لفظ حرام تو موجود نہیں ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ شراب کو حرام کہتے ہیں تو لفظ حرام قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اور جب قرآن میں لفظ حرام نہیں ہے تو آپ حرام کیوں کہتے ہیں؟ ہم میں جو لوگ بھولے بھالے ہیں اور واقف کار نہیں ہیں وہ یقیناً ان کے جھانسے میں آجائیں گے۔ وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ یقیناً یہ کوئی ایسی کمی اور کمزوری کی بات ہے جو رہ گئی ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں لیکن یاد رکھئے: یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اگر

ممانعت کی بنیاد یہی ہے کہ لفظ حرام سے منع کیا جائے تب تو حرام ہے ورنہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات آپ مجھے لکھ کر دیں، اور جب آپ مجھے لکھ کر دیدیں گے تو پھر میں آپ سے یہ پوچھوں گا کہ زنا حرام ہے یا نہیں؟ یقیناً آپ کہیں گے کہ زنا حرام ہے! لیکن میں آپ کو چیلنج کر کے بتاتا ہوں کہ پورے قرآن کریم کے تیس پاروں میں کہیں کوئی ایسی آیت آپ کو نہیں ملے گی کہ جس میں زنا کی ممانعت کو لفظ حرام کہ ساتھ بیان کیا گیا ہو۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ بنیاد بنالیں کہ اگر لفظ حرام ہو تو حرام ہے اور اگر حرام نہ ہو تو حرام نہیں ہے تو چلئے! آپ نے شراب کو حلال قرار دی، زنا کے بارے میں میں کہے دیتا ہوں کہ یہ بھی حلال ہے کیونکہ لفظ حرام سے منع نہیں کیا گیا ہے۔

ختنہ کیوں کراتے ہیں؟ بعض لوگ یہ کہدیا کرتے ہیں کہ مولانا! یہ داڑھی رکھنے کا جو حکم آپ دیتے ہیں یہ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ میں نے کہا، اچھا بھائی! یہ حکم قرآن میں موجود نہیں ہے اور جو حکم قرآن میں موجود نہیں ہے وہ قابل عمل نہیں ہے تو پھر آپ اپنی اولاد کا ختنہ کیوں کراتے ہیں؟ یہ حکم بھی تو قرآن میں کہیں موجود نہیں ہے؟

تاریخ تدوین فقہ میں یہ بات اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ اس سلسلہ میں لوگوں کے اندر بڑی غلط فہمی ہے، اصل بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے تقریباً ایک سو سال کے بعد اسلامی قانون بنایا گیا اور جب اسلامی فقہ کی تدوین کی گئی اس وقت لفظ حرام و مکروہ وغیرہ قانون کا اصطلاح مقرر ہوا۔ تو یہ الفاظ قرآن کریم کی زبان نہیں ہیں بلکہ جن چیزوں سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ اور منع کرنے کے لئے چاہے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہوں ان چیزوں کو قانون کی زبان میں حرام کہا جاتا ہے۔

اسباب تدوین فقہ ان اصطلاحات کو مقرر کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ ابتداء اسلام میں سب لوگ اسلام پر مکمل طور پر عمل کرتے تھے۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ کچھ کچھ چیزیں چھوٹنے لگیں۔

مثال کے طور پہلے لوگ تہبند باندھے تھے پھر اس کی جگہ پائجامہ پہننے لگے، اسی طرح سے بعض اور سنتیں بھی تھیں جنکو ترک کیا جانے لگا۔ تو سوال یہ پیدا ہوا کہ ایک مسلمان کی زندگی سے اسلام کی باتیں یہ جو کم ہوتی چلی جارہی ہیں، آیا یہ بنیادی باتیں ہیں یا بنیادی باتیں نہیں ہیں؟ اگر یہ باتیں بنیادی ہیں تو اس مسلمان کی شہادت اسلامی عدالت میں قابل قبول اور معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ وہ فاسق کہلائے گا۔ اور اگر باتیں بنیادی نہیں ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، اس کی شہادت اسلامی عدالت میں قابل قبول ہوگی وہ فاسق نہیں کہلائے گا۔ چنانچہ ان کے درجہ قائم کئے گئے، اسلام میں جتنے کام کرنے کے ہیں ان کے چار درجے اور جتنے کام نہیں کرنے کے ہیں ان کہ بھی چار درجے مقرر کئے گئے۔

محللات کے چار درجات چنانچہ جس کام کو اسلام نے کرنا ضروری قرار دیا ہے اور اسکا ثبوت قرآن کریم (نص قطعی) سے ہے تو قانون کی زبان میں اس کو فرض کہتے ہیں خواہ لفظ فرض کے ذریعہ سے حکم دیا گیا ہو یا کسی اور لفظ کے ذریعہ سے، جیسے روزہ فرض ہے لیکن قرآن کریم میں کہیں بھی اس کے لئے لفظ فرض موجود نہیں ہے، فرمایا کہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ

یعنی اے مؤمنو! تم پر روزے لکھ دئے گئے ہیں۔ فرض کا لفظ نہیں ہے۔

اور جن کاموں کا کرنا اسلام میں ضروری تو ہے مگر وہ قرآن سے ثابت نہیں ہیں، سنت رسول ﷺ سے ثابت ہیں، اور ان کی تاکید بھی وارد ہے اور اس کا چھوڑنے والا فاسق شمار ہوتا ہے تو اس کو قانون کی زبان میں واجب کہیں گے، اسی طریقہ سے اگر کوئی عمل حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے اور زیادہ تر آپ ﷺ نے اس کی پابندی کی ہے تو اسکو قانون کی اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ اور اگر آپ ﷺ نے کبھی اس پر عمل بھی کیا ہے اور کبھی چھوڑ بھی دیا ہے تو اسے مستحب کہتے ہیں۔ یہ چار کام تو کرنے کے ہوئے قانون کی زبان میں اس کو فرض، واجب، سنت اور مستحب کہتے ہیں۔

ممنوعات کے چار درجات اسی طریقہ سے جن باتوں سے اسلام نے منع کیا ہے ان کے بھی چار درجات ہیں۔ اگر ممانعت قرآن کریم سے ثابت ہے اگرچہ حرام کا لفظ نہ ہو تو قانون کی زبان میں اسکو حرام کہتے ہیں۔ جیسے ناحق قتل کرنا حرام ہے مگر لفظ حرام کے ساتھ قرآن کریم میں کہیں اسکا ذکر نہیں ہے۔ لَا تَقْتُلُوْا کا لفظ ہے۔ فرمایا کہ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ

اسی طرح زنا حرام ہے۔ اس کی ممانعت کے لئے بھی حرام کا لفظ ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی ممانعت کے الفاظ یہ ہیں۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِیْلًا

یعنی زنا میں مبتلا ہونے کا تو سوال ہی نہیں ہے یہ اتنی بری چیز ہے کہ تم اس کے قریب بھی مت جاؤ۔ شراب کی ممانعت بھی بجائے لفظ حرام کے ان الفاظ سے کی گئی ہے کہ یہ نجاست ہے، یہ گندگی ہے، یہ شیطانی عمل ہے، اس سے تم بچتے رہنا، اس سے تم الگ رہنا یعنی چار پانچ طریقوں سے اس کو منع کیا گیا ہے، لہذا قانون کی زبان میں یہ بھی حرام کہلائے گا۔ کیونکہ اسکی ممانعت بھی قرآن سے ثابت ہے اگرچہ ممانعت کے لئے حرام کا لفظ نہیں کہا گیا ہے۔

اور جو ممانعت قرآن سے ثابت نہیں ہے حدیث سے ثابت ہے اور حدیث میں اس پر تاکید بھی آئی ہے تو اس کو حرام نہیں کہتے اسکو مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔ اور جس کی ممانعت پر تاکید نہیں آئی بلکہ حضور نے کبھی کبھی اس سے منع کیا ہے تو قانون کی زبان میں اس کو مکروہ تنزیہی کہتے ہیں۔ اور جو چیز ایسی ہے کہ اگر آپ اسکو چھوڑ دیں تو بہتر ہے لیکن اگر کر لیا ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اصطلاح فقہ میں اسکو خلاف اولیٰ کہتے ہیں۔ یہ چار درجات ممانعت کے ہوئے۔ حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ دھوکہ دیا جاتا ہے کہ لفظ حرام قرآن کریم میں موجود نہیں ہے،

ارے! لفظ حرام کے معنی تو یہ ہیں کہ اسکی ممانعت قرآن سے ثابت ہے۔

آمدم بر سر مطلب تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ قرآن کریم نے پہلے دو مرحلوں پر شراب کی ممانعت کے لئے ذہن سازی کی، اور جب ذہن بن گیا تو جیسے ہی آخری آیت نازل ہوئی تو تمام کے تمام مسلمانوں نے شراب کو نالیوں میں بہادیا، اس کے برتن توڑ دیئے پھر کبھی اسکو اپنے قریب نہیں آنے دیا۔ اس ہندو مضمون نگار کو اس بات پر یقین اس لئے نہیں آتا کہ وہ اسلام کے احکام وقوانین کو دنیاوی حکومتوں کے احکام وقوانین کی طرح سمجھتا ہے، حالانکہ دنیاوی حکومتیں احکامات تو دیتی ہیں مگر اس کے مطابق قوم کا ذہن نہیں بناتی ہیں۔

قصص قرآن اور اسکی مقدار بہر حال اسلام نے سب سے پہلے جو آیتیں ہمیں دی ہیں، جن کی اندر انسانی ذہن بنایا گیا ہے، ان کے اندر جزا وسزا، جنت و جہنم، قیامت اور آخرت کا تذکرہ ہے اور یہ دس سیپاروں کے برابر ہے۔ دوسرا حصہ قرآن کریم کا وہ ہے کہ جس میں پیغمبروں کے حالات، پچھلی قوموں کے واقعات، قارون و فرعون جیسے نافرمانوں کے قصے اور اللہ کے نیک بندوں اور بندیوں کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ حصہ بھی دس پارے یعنی ایک ثلث اور ایک تہائی کے بقدر ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ الصلواۃ والسلام کی والدہ محترمہ حضرت مریم علیہا السلام اگرچہ نبیہ نہیں ہیں، صدیقہ ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے نام پر ایک سورۃ نازل فرمائی ہے۔ جس مین ان کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر بھی ایک سورۃ نازل فرمائی ہے۔ جس میں انکا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

قصص قرآن اور اسکا مقصود ہمارے بعضے دوست حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کو ایسے مزے لے لے کر پڑھتے ہیں کہ گویا وہ "ہیر رانجھا" یا "لیلیٰ مجنوں" کا قصہ پڑھ رہے ہیں، بڑے لہجہ سے پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ زلیخا کے عشق و محبت کا واقعہ اللہ

تعالیٰ نے ہمارا دل بہلانے کے لئے نازل کیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جتنے قصے اور واقعات بیان فرمائے ہیں انکا مقصد یہ ہے۔ فرمایا کہ

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ

آپ نے مقصد غلط سمجھا۔ قصے کا مقصد لوگوں کو سبق دینا ہے۔ آپ خلاقیات سے متعلق کتابیں اٹھا کر دیکھیں خواہ وہ دنیا کی کسی زبان میں لکھی گئی ہو۔ آپ کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اخلاق کی تعلیم قصوں سے دی جاتی ہے، کہانیوں سے دی جاتی ہے۔

علامہ اقبال کی کتابوں میں آپ نے پہاڑ اور گلہری کا قصہ پڑھا ہوگا۔ اتنا بڑا حکیم اور اتنا بڑا شاعر، لیکن پہاڑ اور گلہری کا قصہ سنا رہا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسانوں کو اخلاقیات کا سبق دینے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اس کے سامنے کوئی واقعہ بیان کر دو۔ اس واقعہ میں بھی علامہ اقبال نے کتنا اچھا سبق دیا ہے۔

پہاڑ اور گلہری کا سبق آموز قصہ انہوں نے لکھا ہے کہ ایک بڑے اونچے پہاڑ کے سامنے ایک گلہری بیٹھی اپنے دانتوں سے کچھ کتر رہی تھی اور پھدک پھدک کر ادھر سے ادھر جارہی تھی۔ پہاڑ نے یہ دیکھ کر کہا کہ اری گلہری! تجھے شرم نہیں آتی کہ میرے اتنے بڑے وجود کے سامنے تو اتنی شوخیاں کر رہی ہے؟ گلہری نے جواب دیا کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت بڑا وجود عطا فرمایا ہے اور اس اعتبار سے واقعی آپ قابل تعظیم ہیں لیکن آپ یہ بھی سمجھ لیں کہ ہنر اور کمال سے میں بھی خالی نہیں ہوں۔ یہ چھالیہ کا ٹکڑا ہے جسے میں آسانی سے کتر دیتی ہوں۔ آپ کا اتنا بڑا وجود ہے مگر آپ کتر نہیں سکتے۔ اس واقعہ کے آخر میں علامہ اقبال نے یہ سبق دیا فرمایا کہ

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

یعنی کسی کو حقارت کی نگاہ سے مت دیکھو، یہ سب اللہ کی مخلوقات ہیں اور ہر

مخلوق میں اللہ نے کوئی نہ کوئی کمال رکھا ہے۔ کسی کو وجود کا کمال دیا ہے تو کسی کو کترنے کا کمال عطا فرمایا ہے۔

اور جب علامہ اقبال نے انسان کو غیرت و خودداری کا سبق دینے کا ارادہ کیا تو شمع اور پروانہ کا قصہ بیان کیا اور اس کے آخر میں یہ سبق دیا۔ فرمایا کہ ؎

اللہ کا سو شکر، کہ پروانہ نہیں میں
دریوزہ گرِ آتشِ بیگانہ نہیں میں

اللہ نے مجھے خوددار بنایا ہے۔ میں کسی کے سامنے بھیک مانگنے کے لئے اپنا پیالہ نہیں پھیلاتا ہوں۔

دوسری مثال میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے قصے کیوں بیان کئے؟ اس لئے بیان کئے کہ انسان ان قصوں کو سن کر فوراً سبق حاصل کرلے۔ مثال کے طور پر میں نے آپ سے کہا کہ دیکھو بھائی! یہ زہر ہے، اسے مت کھاؤ ورنہ مرجاؤ گے۔ اگر تمہیں یقین نہیں آتا ہے تو چلو اسپتال کے اندر ہم تمہیں ایسے لوگوں کی لاشیں دکھا دیتے ہیں جنہوں نے زہر کھایا اور مرگئے۔ جب آپ لاشیں دیکھ لیں گے تو آپ کو یقین آجائے گا۔ اور اگر پہلے سے کچھ یقین تھا تو اس میں اضافہ ہوجائے گا۔ قرآن کریم میں قوموں کے واقعات اور قصے اللہ تعالیٰ نے اس لئے بیان فرمائے ہیں کہ ہمیں اور آپ کو یقین آجائے کہ جن قوموں نے خدا کی مخالفت کی، جنہوں نے نبیوں اور رسولوں کی مخالفت کی، جنہوں نے قیامت و آخرت کا انکار کیا، اس روئے زمین پر انکا کیا حشر ہوا؟ ان مری ہوئی قوموں کی لاشیں موجود ہیں، آؤ! تم انہیں دیکھو اور دیکھ کر سبق حاصل کرو۔

زبان میری ہے بات انکی جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم نے کوئی قصہ اس لئے بیان نہیں کیا کہ ہماری معلومات میں اضافہ ہو۔ ہمارے بعض نوجوان جو دوسرے کے ذہن سے سوچتے ہیں، جن کے پاس اپنا ذہن نہیں ہے دوسروں سے مانگا ہوا ذہن ہے عام

طور پر ان کے منھ سے وہ باتیں نکلتی ہیں جو دوسروں کی ہوتی ہیں البتہ زبان ان کی اپنی ہوتی ہے۔ علامہ اقبال نے کہا۔ فرمایا کہ ؎

انہیں کی مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی (کلیاتِ اکبر ج۱، ص۱۰۰)

یہ لوگ سوچتے ہیں کہ بائبل اتنی چھوٹی سی ہے کہ پاکٹ میں آجاتی ہے، تو قرآن کو اتنا چھوٹا کیوں نہ بنادیا جائے جو ہماری پاکٹ میں آجائے۔ اچھا! لیکن کیسے؟ کہنے لگے کہ یہ سینکڑوں جگہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بیان کیا گیا ہے، اس کی کیا ضرورت ہے؟ سب جگہ سے نکال دو اور ایک جگہ باقی رکھو، اسی طرح صبر سے متعلق قرآن کریم میں پچہتر (۷۵) آیتیں ہیں، چوہتر ۷۴ آیتیں نکال دو اور ایک باقی رکھو۔ جب آپ قرآن کریم کے تمام تکرارات کو نکال دیں گے تو قرآن خود بخود چھوٹا اور مختصر ہوجائے گا اور بائبل کی طرح پاکٹ میں رکھنے کے قابل ہوجائے گا۔

حضرت تھانویؒ کا مشورہ ایسے لوگوں کے بارے میں حضرت مولانا تھانویؒ نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرمایا کہ آپ کے سوچنے کا انداز تو بہت اچھا ہے لیکن کیا کبھی آپ نے اللہ میاں سے یہ دعا کیا ہے کہ اے اللہ! آپ نے دیکھنے کے لئے ہمیں دو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ اس فضول خرچی سے کیا فائدہ ہے؟ ایک آنکھ واپس لے لے ہم ایک ہی آنکھ سے دیکھ لیا کریں گے؟ اور جن لوگوں کے پاس ایک آنکھ ہے، آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا غضب ڈھاتے ہیں؟ مشہور ہے کہ جن کو ایک آنکھ سے نظر آئے وہ ضرور کوئی نہ کوئی فتنہ پیدا کرے گا۔

لطیفہ ہمارے یہاں پاکستان میں ایک وزیر تھے، نام لینے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی ایک آنکھ خراب تھی صرف ایک آنکھ سے نظر آتی تھی، ان کے پاس وزارت داخلہ کے ساتھ امور کشمیر کا بھی انچارج (INCHARGE) تھا۔ ایک مرتبہ ایک عوامی جلسہ میں

دوران تقریر کہہ رہے تھے کہ ہم اس وقت تک کشمیر حاصل نہیں کر سکتے جبتک کہ ہم قربانی نہیں دیں گے، ایک صاحب نے مجمع میں سے پکار کر وزیر صاحب کا نام لیکر کہا جناب والا! آپ بھی قربانی دیں گے یا نہیں؟ تو انھوں نے اپنے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ سب سے پہلی قربانی میں دوں گا! اس شخص نے کہا کہ علماء کا فتوی یہ ہے کہ آپ کی قربانی جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ آپ کی ایک آنکھ خراب ہے۔ ارے بھائی وہ آنکھ خراب نہ ہونے کی شرط تو بکروں اور جانوروں کی قربانی کے لئے تھی۔ تم نے کہاں وزیروں پر لگادیے؟

آنکھ کے بدلے انگلیاں تو بات یہ ہو رہی تھی کہ آپ نے کیوں نہیں کہا اللہ میاں سے کہ ایک آنکھ واپس لے لے۔ ایک سے ہی دیکھیں گے، ایک کان واپس لے لے ایک سے ہی سنیں گے بلکہ اس زمانے میں اگر آپ یہ دعا کریں تو زیادہ بہتر ہوگا کہ اے اللہ! آنکھ تو ایک بھی کام دے دے گی ایک آنکھ واپس لے لیجئے اور اس کے بدلے میں کچھ انگلیاں بڑھا دیجئے تاکہ ٹائپ (TIPE) کرنے میں ذرا آسانی ہو جائے۔

قرآن کریم کا ہر واقعہ اپنی حقیقت رکھتا ہے قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے اگر ایک ہزار جگہ موجود ہیں تو خدا کی قسم ایک ہزار الگ الگ سبق دئے گئے ہیں، صرف ایک ہی سبق نہیں دیا گیا ہے اگر ایک جگہ سے بھی آپ اس قصہ کو حذف کر دیں گے تو ایک سبق ختم ہو جائے گا۔ بعض اوقات بات ایک ہوتی ہے لیکن نتائج اس سے بہت نکلتے ہیں۔

ایک عام مثال مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے تاریخ کا ایک جملہ اور ایک واقعہ نقل کرتا ہوں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوتی تھی اور اعلان ہوتا تھا کہ جو مستحق زکوٰۃ ہیں وہ آکر زکوٰۃ لے جائیں لیکن کوئی زکوٰۃ لینے والا نہیں تھا، یہ واقعہ میں نے آپ کو سنایا۔ اس واقعہ سے کئی سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ

کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ زکوٰۃ کو انفرادی طور پر خرچ نہیں کرتے تھے بلکہ بیت المال میں جمع کرکے اجتماعی طور پر خرچ کرتے تھے۔

اسی جملہ سے دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی رعایا کی تربیت اتنی اعلیٰ اور عمدہ کی تھی کہ جو مستحق زکوٰۃ نہیں تھا اس نے اپنے آپ کو مستحق ثابت کرکے زکوٰۃ لینے کی کوشش نہیں کی۔ کتنی دیانت داری پیدا کی تھی آپ نے! آج اگر آپ یہ اعلان کردیں کہ نابیناؤں اور اندھوں میں لحاف تقسیم کیا جائے گا تو جو بینا ہوگا وہ بھی آنکھ بند کرکے لاٹھی لیکر چلا آئے گا تاکہ ایک لحاف مل جائے۔

تیسرا سبق اس جملہ سے یہ ملتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مالیات کا نظام، اقتصادی اور معاشی نظام ایسا عمدہ تھا کہ ان کے نظام میں کوئی لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی نہیں تھا اور کوئی فقیر، بھوکا اور ننگا بھی نہیں تھا۔ اتنا توازن پیدا کیا تھا انہوں نے! تو دیکھا آپ نے! ایک ہی جملہ سے تین سبق ملے۔ اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک ہی واقعہ کو کئی جگہ نقل فرمایا ہے لیکن ہر جگہ اس واقعہ سے ہمیں نیا سبق ملتا ہے۔

قوم بنی اسرائیل میں نے خطبہ میں جو آیتیں تلاوت کی ہیں اس پوری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ چونکہ یہ پوری قوم آرام طلب اور عافیت پسند تھی اس لئے جب اللہ کے نام پر، دین کے نام پر، قربانی دینے کا وقت آتا تھا یہ سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں گھس کر بیٹھ جاتے جس کی وجہ سے وہ ذلت وپستی کے آخری درجہ تک پہنچ گئے تھے۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی یہی حال آج ہمارا بھی ہے، آج اگر مسلم قوم کے اندر وہ خصوصیتیں پیدا ہوجائیں جن کے لئے قرآن کریم نے یہ واقعہ ہمیں سنایا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ مسلم قوم دنیا میں پھر اسی طریقہ سے اپنا نام پیدا کرلے گی

جو آج سے تیرہ سو سال پہلے مسلم قوم کی دھاک دنیا میں بیٹھی گئی۔ علماء نے لکھا ہے (یہ جملہ یاد رکھئے) جس قوم کو دنیا میں اپنے قومی نصب العین کی خاطر مرنا نہیں آتا۔ اس قوم کو دنیا میں جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ جینے کا حق صرف اسی قوم کو ہے۔ جو اپنے قومی نصب العین کی خاطر جان و مال کی قربانی دینے پر تیار ہو۔ دنیا میں عزت، حیات صرف اسی قوم کیلئے ہے۔

نبی کی نافرمانی کا انجام چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک زمانہ آیا، حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے نبی اور پیغمبر ہیں۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم گرتے گرتے اتنے گر گئے ہو اتنے گر گئے ہو کہ اب نیچے گرنے کی بھی کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ تمہاری ذلت اور پستی کی حد ہو گئی ہے۔ اور یہ ذلت و پستی اس وقت تک عروج میں تبدیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ مقصد کی خاطر اور اللہ کی رضا کے لئے جان دینے کا اپنے اندر حوصلہ نہ پیدا کرلو۔ قوم نے کہا، انہیں پکڑ کر جیل میں بند کردو! حضرت شمویل علیہ السلام کو جیل میں بند کردیا گیا۔ اللہ نے ان پر ایک ظالم بادشاہ (بخت نصر) کو مسلط کردیا۔ اس نے آکر بنی اسرائیل پر حملہ کردیا۔ اور ایسا ذلیل و رسوا کیا، ایسا تاخت و تاراج کیا کہ بیت المقدس خون سے بھر گیا۔ اور ان کے پاس جو تبرکات تھے جنکو وہ "تابوت سکینہ" کہتے تھے وہ بھی لے گیا، اس تابوت کے اندر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا تھا، انکا مصلیٰ تھا اور توریت کی وہ تختیاں تھیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر عطا فرمائی تھی، اس تابوت کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہمیں اب عمل کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی عذاب یا مصیبت آئی تو اس صندوق کو سر پر اٹھا کرلیجائیں گے اور اس کے ذریعہ سے تبرک حاصل کرلیں گے۔

نزول قرآن کا مقصد ایک بات جو قابلِ یادداشت ہے وہ یہ کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تبرک بھی حاصل کرسکتے ہیں، اگر قرآن کریم کی

آیت پڑھ کر کسی پر دم کیا جائے تو یہ کوئی شریعت کے خلاف نہیں ہے، اگر اسکا تعویذ لکھ کر کسی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو یہ دین کے خلاف نہیں ہے مگر ایمان داری سے بتائیے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اسی لئے نازل فرمایا ہے کہ اگر ہمارے گھر میں کوئی بیمار ہو جائے تو اس کے اوراق کی ہوا دیا کریں گے؟ اور اگر ضرورت پڑی تو تعویذ لکھ دیا کریں گے؟ دم کر دیا کریں گے؟ کیا قرآن کے نازل کرنے کا یہی مقصد ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں!

جن بھوت گھر تک نہیں آئے گا

ہاں! اگر قوم یہ سمجھتی ہے کہ قرآن کریم پر عمل کرنا ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا میں بھی کامیابی ہے، آخرت میں بھی نجات ہے، پھر عمل بھی کرتے ہیں تو اب اگر اوراق کی ہوا دیں، الحمد للہ باعث برکت ہے۔ تعویذ دیں باعث برکت ہے، پڑھ کر دم کریں باعث برکت ہے۔ لیکن اگر اس سے صرف تبرک کا کام لیا جائے تو یہ درست نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے یہاں جب لڑکیوں کی شادی کرتے ہیں تو اسکو قرآن شریف کا ایک نسخہ دیتے ہیں۔ میں نے ایک صاحب سے کہا، بھائی! لڑکی کو قرآن پڑھایا بھی تھا یا نہیں؟ انہوں نے کہا، جی! پڑھایا تو نہیں تھا لیکن اچھا ہے دے دیا، الماری میں رہے گا کوئی جن بھوت گھر تک نہیں آئے گا۔ کیا قرآن کو نازل کرنے کا یہی مقصد ہے؟

قوم بنی اسرائیل بخت نصر کے حملہ کے بعد

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ بخت نصر تابوت سکینہ کو اٹھا کر لے گیا جس میں تبرکات تھے، اب اس قوم کے پاس نہ توریت ہے، نہ عصائے موسیٰ ہے اور نہ مصلی ہے، فرمایا کہ

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ

اس میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات تھے۔ وہ سب اٹھا کر لے گئے۔ اب اس قوم کو احساس ہوا اور حضرت شموئیل علیہ السلام کے پاس گئی

اور جاکر کہا کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں اب ہمیں احساس ہو گیا، ہم نے یہ یقین کرلیا کہ جب تک ہم باہر نہیں نکلیں گے، اپنے اندر مجاہدانہ خصوصیات پیدا نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری ذلت ورسوائی کے دن ختم نہیں ہوں گے۔ آپ نبی اور پیغمبر ہیں، آپ اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کسی لیڈر اور بادشاہ کا انتظام کردے۔ ہم اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوکر جہاد کریں گے۔ فرمایا کہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

حضرت شموئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا

یعنی اس قوم کی تاریخ تو یہ بتارہی ہے کہ جب جب وقت آیا ہے یہ گھروں میں گھس کر بیٹھ گئی ہے اب ہم کیسے یقین کرلیں کہ یہ لوگ لڑیں گے۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا

انہوں نے کہا، آپ کی بات تو صحیح ہے لیکن اس سے زیادہ ذلت ورسوائی کا تو اب کوئی وقت نہیں آئے گا کہ ہم کو کان پکڑ کے ہمارے گھروں سے نکال دیا گیا۔ باپ کو بیٹے سے اور بیٹے کو باپ سے جدا کردیا گیا۔ اب ایسا نہیں ہوسکتا، اب ہم ضرور بضرور جہاد کریں گے ہمیں صرف ایک بادشاہ اور امیر چاہیے، حضرت شموئیلؑ نے اللہ سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! اب یہ قوم شرمندہ ہے اور تیری راہ میں جہاد کرنا چاہتی ہے، ان کے لئے ایک امیر اور بادشاہ مقرر فرما۔ اللہ تعالیٰ نے کی دعا قبول کی، فرمایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا

حضرت شمویل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوتؑ کو تمہارا لیڈر

مقرر کر دیا ہے بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔

جبل گردد جبلت نہ گردد جب حضرت طالوت کو لیڈر مقرر کر دیا گیا تو یہ قوم پھر نافرمانی پر اتر آئی اور کہنے لگی کہ ہم نے یہ تو ضرور کہا تھا کہ ہم جہاد کے لئے تیار ہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ حضرت طالوت کو ہمارا لیڈر بنا دیا گیا ہے۔ یہ تو ہماری قوم کے آدمی نہیں ہیں۔

قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

دو خرابیاں ہیں طالوت کے اندر، ایک تو خاندانی طور پر یہ ہمارا آدمی نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ یہ غریب آدمی ہے، اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے، ہم ایسے آدمی کی اطاعت نہیں کر سکتے کہ جو ہمارے خاندان کا بھی نہیں ہے اور غریب بھی ہے۔ حضرت شمویل علیہ السلام نے فرمایا۔

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

شرائط حکمرانی اب وہ بات آرہی ہے جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو دو جواب دیئے۔ ایک حکیمانہ اور دوسرا حاکمانہ۔ قرآن کا طرز اور اسلوب بیان حکیمانہ بھی ہے اور حاکمانہ بھی ہے۔ اللہ حکیم بھی اور احکم الحاکمین بھی ہے۔ حکیمانہ جواب یہ ہے کہ دیکھو میاں؛ جس بات میں تم اختلاف کر رہے ہیں وہ دراصل اختلاف کی بات ہے ہی نہیں۔ تم یہی تو کہہ رہے ہو کہ طالوت ہمارے خاندان کا نہیں ہے اور یہ غریب ہے۔ تو یہ بتاؤ کہ جس کو بادشاہ مقرر کیا جائے کیا اس میں خاندان کا ہونا بھی ضروری ہے؟ کیا اس میں یہ صفت ہونا بھی ضروری ہے کہ وہ دولت مند ہو؟ نہیں؛ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ تم یہ اعتراض چھوڑ دو۔ اور یہ سمجھ لو کہ جس کو امیر مقرر کیا جاتا ہے اس میں

دو صلاحیتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور طالوت میں دونوں صلاحیتیں موجود ہیں فرمایا کہ

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ

ایک تو یہ کہ اسکو حکمرانی کا طریقہ معلوم ہے۔ وہ سیاست سے واقف ہے، اس کے پاس علم ہے۔ دوسرا یہ کہ قوم کے اندر اسکا وقار ہے۔ قوم اسکی عزت کرتی ہے۔ تو حاکم بنانے کیلئے یہ دو کوالیفکیشن (QUALIFICATION) کی ضرورت تھی، یہ دونوں کوالیفکیشن اس کے اندر موجود ہے۔ علم بھی اس کے پاس موجود ہے، قوم اس کی عزت بھی کرتی ہے اور قوم کے اندر اسکا وقار بھی ہے۔ لہذا وہی مناسب تھے اس لئے ہم نے انہیں کو مقرر کیا۔

خدا جسے چاہتا ہے حکمرانی سے نوازتا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان لوگوں کو سمجھایا۔ آگے حاکمانہ جواب سنئے ! فرمایا کہ۔

وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اللہ نے طالوت کو جو سلطنت دی ہے، کیا وہ تمہاری ملکیت ہے؟ کیا تمہاری جیب سے چھین کردی ہے؟ اللہ کی حیثیت یہ ہے کہ وہ جسکو چاہتا ہے صاحب سلطنت بناتا ہے، جس کو چاہتا اقتدار دیتا ہے۔ تمہیں اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے !

طالوت بادشاہ مقرر ہوگئے، اب یہ قوم ان کے جھنڈے تلے جمع ہوکر کفار سے جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوئی، لڑنے کیلئے جارہی ہے جب کچھ آگے بڑھے تو طالوت نے کہا۔ آگے ایک نہر آرہی وہاں تمہارے دو امتحان ہونگے۔ فرمایا کہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّىْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ

دو آزمائشیں ہوں گی۔ ایک آزمائش تو تمہارے صبر کی ہوگی، تم سخت تیز دھوپ

میں چلو گے۔ نیچے انتہائی گرم اور تپتی ہوئی ریتیلی زمین ہوگی اور سخت پیاس کی حالت میں پانی کی صاف وشفاف نہر پر پہنچو گے۔ اس وقت اللہ کا حکم یہ ہے کہ تم پانی مت پیو، پیاس پر صبر کرو۔ دوسری آزمائش تمہارے تقویٰ کی ہوگی کہ اللہ کا خوف اور اس کے حکم کا احترام تمہارے دل میں ہے یا نہیں؟

کامیابی کا راز بس، میں آپ حضرات سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ اگر دنیا کی کسی قوم میں یہ دو جوہر موجود ہے چاہے وہ تعداد میں تھوڑی ہی ہو وہ قوم دنیا پر چھا کر رہے گی۔ اور اگر کسی قوم میں یہ جوہر موجود نہیں ہے تو سمجھنا کہ وہ قوم بیمار ہے۔

مجاہد اور سپاہی میں فرق جنرل اکبر جو لیاقت علی مرحوم کے زمانہ میں کمانڈران چیف (COMMANDER IN CHIEF) ہوا کرتے تھے، فوجوں کے معائنہ کے وقت اکثر وہ مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے، وہ زمانہ بڑا خیر کا زمانہ تھا۔ معائنہ کے وقت وہ فوجیوں سے کہا کرتے تھے کہ اگر تم نے شراب نہیں چھوڑی تو تم سپاہی اور فوجی تو ہو سکتے ہو لیکن مجاہد نہیں ہو سکتے! کیونکہ شراب پینے والا کبھی مجاہد نہیں ہو سکتا تو حضرت طالوتؑ نے فرمایا کہ آج تمہاری دو چیزوں کی آزمائش ہوگی، ایک صبر کی دوسرے تقویٰ کی۔ بس یہ ہے کہ کامیابی کا گُر، اللہ تعالیٰ تمہارا یہ امتحان لینا چاہتے ہیں کہ تم تکلیفوں پر صبر کرنے کے عادی ہو یا نہیں، اور اگر نازک مزاجی ہے تو غور سے سن لو! اللہ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں اور بزدلوں کبھی حکومت و سلطنت نہیں دیتا۔

سید اسماعیل شہیدؒ کی مردم سازی حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جب جہاد کرنے کے لئے نکلے تو لکھنو کے ایک نواب صاحب نے بھی ساتھ ہونے کی درخواست کی، انہوں نے کہا، اجی، میں بھی جہاد کو نکلوں گا۔ مولانا نے فرمایا۔ اچھا بھائی، آؤ ہمارے ساتھ آجاؤ، وہ جانتے تھے کہ یہ لکھنو کے نواب صاحب ہیں، بڑے نازک مزاج ہیں۔ ساتھیوں سے کہدیا کہ یہ نواب صاحب میرے ہی ساتھ کھانا کھائیں گے، تم نہیں کھلانا۔

چنانچہ جب کھانے کا وقت ہوا تو وہ مولانا کے ساتھ کھانا کھانے کیلئے بیٹھے۔ مولانا نے زور سے اپنی ناک صاف کی۔ نواب صاحب نے تو زندگی میں کبھی یہ منظر نہیں دیکھا تھا فوراً لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کر کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ مولانا اپنا سر جھکائے کھاتے رہے۔ کھانے سے فراغت کے بعد ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو یہ نواب صاحب بھوکے ہیں۔ انہیں کھانا نہیں کھلانا۔ میرے ہی ساتھ کھائینگے دوسرے وقت جب کھانے پر بیٹھے تو مولانا نے زور سے کھنکھار کر ادھر تھوک دیا۔ نواب صاحب پھر چنک کر کھڑے ہوگئے۔ کہنے لگے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ یہ آپ کیا کرتے ہیں؟ مجھ سے تو کھایا نہیں جارہا ہے، مولانا پھر سر جھکائے ہوئے کھاتے رہے۔ دو وقت کے بھوکے نواب صاحب تیسرے وقت جب کھانے پر بیٹھے تو مولانا نے پھر کھنکھارا۔ نواب صاحب فرمانے لگے۔ مولانا! اب اگر آپ پاخانہ بھی کردیں گے تو بھی میں کھانا کھائے بغیر نہیں اٹھوں گا۔ میں دو وقت کا بھوکا ہوں۔

عشق نہیں آساں مولانا نے کہا۔ نواب صاحب: معاف کیجئے گا۔ میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا، مجھے تو صرف یہ بتانا تھا کہ آپ جہاد کرنے کے لئے آئے ہیں۔ پھولوں کی سیج پر لیٹنے نہیں آئے ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اسے نزاکتیں چھوڑنی پڑتی ہیں۔ آپ کی یہ نزاکتیں چل نہیں سکتی تھیں اس لئے میں نے آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ ؎

ناز پرورد تنعم نہ برد راہ بعشق
عاشقی شیوہ رندانِ بلاکش باشد

جو مصیبتوں پر صبر کرنا نہیں جانتا اسکو یہ لفظ زبان سے نکالنا نہیں چاہئے کہ "میں عاشق ہوں" یہ عشق کی توہین ہے۔ فارسی کا ایک بڑا اچھا شعر ہے۔ فرمایا کہ ؎

دکان عاشقی را بسیار مایہ باید

دلہائے ہمچوں آتش چشماں چوں رود بارے

عاشقی کی دکان چھوٹی موٹی پونجی سے نہیں لگتی، اس کے لئے بڑے سرمایہ کی ضرورت ہے اور وہ "آگ کی بھٹی کی طرح سلگتا ہوا دل اور برسات کے نالوں کی طرح بہتی ہوئی آنکھیں" ہیں۔

صبر اور تقویٰ خشتِ اول ہے

میں عرض کر رہا تھا کہ قوم کی کامیابی اور کامرانی کی ضمانت دو جوہروں پر ہے۔ حضرت طالوتؑ نے فرمایا کہ آج تم نہر کے اوپر آئے ہو، ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں پیاس لگی ہوئی ہے مگر ایک تو تمہیں یہ دکھانا ہے کہ ہم پانی پر صبر کر سکتے ہیں، دوسرے یہ دکھانا ہے کہ ہم خدا کے حکم کا احترام کرتے ہیں۔ اگر یہاں کامیاب ہوگئے تو یہ سمجھنا کہ ساری کامیابیاں تمہارے لئے ہیں۔

میرے دوستو! تاریخ کے اوراق ذرا الٹ کر دیکھئے، ہندوستان میں سینکڑوں سال ہماری حکومت رہی، مگر جب ہمارے اندر سے خدا کا خوف جاتا رہا اور اس کے احکامات سے ہم روگردانی کرنے لگے، بطن پرستی، شہوت رانی اور عیش کوشی ہمارا مقصد حیات بن گیا تو اللہ تعالیٰ نے ہم سے حکومت چھین کر ہمارے اوپر ظالموں کو مسلط کر دیا۔

رنگیلے شاہ کا رنگیلا دور

رنگیلے شاہ کا دور ہے اور ان کے رنگیلاپن کی یہ حالت تھی کہ وہ چلہ میں جاتے تھے جیسا کہ عورتیں چلہ میں جاتی ہیں اور باقاعدہ یہ ڈرامہ ہوتا تھا کہ ان کو بچہ پیدا ہوتا تھا پھر وہ چلہ میں جاتے تھے، گانے بجانے والے، طبلے اور سارنگی کے ساتھ ان کے ارد گرد رہتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے آکر کہا کہ حضور والا! ملک پر حملہ ہونے والا ہے۔ تو اس نے اپنے گانے بجانے والوں سے پوچھا کہ بھائی! سنا ہے کہ ہمارے ملک پر حملہ ہونے والا ہے تو انہوں نے کہا کہ حضور! یہ سب جھوٹ بولتے ہیں، کوئی حملہ نہیں ہونے والا ہے۔ ویسے اگر حملہ ہو بھی گیا تو حضور! یہ طبلے اور تو سارنگی کا میگزین

(MAGAZINE) کس دن کام آئے گا؟ اسی سے لڑتے لڑتے دشمنوں کو بھگادیں گے۔

چنانچہ نادر شاہ نے افغانستان سے آکر حملہ کردیا۔ دلی میں قتل عام ہورہا ہے۔ لوگوں نے بادشاہ رنگیلے شاہ سے آکر کہا کہ حضور! ملک تو ہاتھ سے گیا کم از کم قتل عام تو رکوائیے! انہوں نے کہا اچھا! اب نادر شاہ سے ملنے کیلئے رنگیلے شاہ کی سواری جارہی ہے لیکن کس طرح؟ پالکی سجائی جارہی ہے، خَس کے پردے ڈالے جارہے ہیں، سڑکیں صاف ہورہی ہیں اور دونوں طرف سقے چھڑکاؤ کررہے ہیں۔ نادر شاہ یہ سب دیکھ کر حیران ہورہا ہے کہ یا اللہ! تیری بڑی شان ہے، تو زنانوں اور عورتوں کو بھی حکومت دیتا ہے۔ اور یہ لکھا ہے کہ جب وہ نادر شاہ کے پاس پہنچے تو دونوں آپس میں گلے ملے۔

فاتح اور مفتوح قوم کی غذا نادر شاہ نے تمام عمر عطر کی خوشبو نہیں سونگھی تھی اور رنگیلے شاہ نے کبھی پسینہ کی بدبو نہیں سونگھی تھی۔ چنانچہ وہ پسینہ کی بدبو سے بے ہوش ہوگیا۔ نادر شاہ یہ تماشہ دیکھ رہا ہے۔ رنگیلے شاہ نے کہا حضور! آیئے قلعہ کے اندر تشریف لایئے۔ نادر شاہ گئے، دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے امراء دربار میں موجود ہیں، بہترین سے بہترین قسم کے کھانے کی ڈشیں رکھی ہوئی ہیں، ہر قسم کے الوان نعمت دستر خوان پر موجود ہیں اور نادر شاہ حیران بیٹھا ہوا یہ دیکھ رہا ہے کہ اے اللہ! تو ایسے عیش پرستوں کو بھی حکومت دیتا ہے۔ رنگیلے شاہ نے کہا حضور! بسم اللہ فرمایئے! نادر شاہ نے اپنے ملازم کو آواز دی۔ اور مضافی! نان من بیار! میری روٹی بھی لیکر آؤ۔ لوگ حیران ہیں کہ یا اللہ! اتنے الوان نعمت دستر خوان پر رکھے ہوئے ہیں اور یہ نادر شاہ کیا یاقوتیہ کھاتا ہے جو اپنے ملازم کو لانے کے لئے کہا ہے؟ کیا مذاق ہے یہ؟ ملازم ایک تھیلی لیکر آیا، نادر شاہ نے اس کے اندر سے سوکھی ہوئی روٹیوں کے ٹکڑے سب کے سامنے نکالے اور نکال کر ایک جملہ کہا کہ اے لوگو جو دستر خوان پر بیٹھے ہوئے ہو! یہ غذا جو میں کھا رہا ہوں یہ فاتح قوم کی غذا

ہے اور جو غذا تم کھا رہے ہو وہ غلام قوم کی غذا ہے ! میرے دوستو! اگر یہ روح مسلمان حاکموں کی ہوتی تو کبھی ہم سے ہندوستان کا اقتدار نہ چھنتا۔ علامہ اقبال نے صحیح کہا ہے فرمایا کہ ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر

جب قوم پر سر اقتدار آتی ہے تو وہ جنگجو ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں نیزے اور تلواریں ہوتی ہیں، بندوقیں ہوتی ہیں اور جب قوم کے تنزل کا وقت آتا ہے تو ہر ایک کے بغل میں طبلہ اور سارنگی نظر آتی ہے۔

بزدلی حکم عدولی کالازمہ ہے میرے دوستو! جب یہ قوم نہر پر پہنچی تو انہیں پانی پینے سے منع کیا گیا تھا، انہیں خدا کے حکم کا احترام کرنے کیلئے کہا گیا تھا لیکن کیا ہوا؟ قرآن کریم کی زبان سے سنئے! فرمایا کہ۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

لوگوں نے خوب جھک کر پانی پیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ مخلص نہیں تھے۔ حضرت طالوت کے قیادت پر ہی اعتراض کر چکے تھے وہ صحیح تربیت یافتہ نہیں تھے۔ انہوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ نہ ہم صبر کر کے دکھا سکتے ہیں، نہ خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھا سکتے ہیں۔ لیکن اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی تھے جنہوں نے کہا، نہیں! دم نکل جائے گا مگر ہم پانی نہیں پئیں گے ہم پانی پر صبر کر کے دکھائیں گے ہم خدا کے حکم کا احترام کر کے دکھائیں گے۔ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ تھوڑے تھے۔

فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

بات ہو گئی۔ اب یہ قوم آگے جا رہی ہے۔ فرمایا کہ۔ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ

میدان جنگ میں پہنچے ۔ دشمنوں کو دیکھا ۔ ان کے لمبے لمبے قد کو دیکھ کر مرعوب ہوگئے ۔ حضرت طالوت سے کہنے لگے ۔ بابا! ہم تو جہاد سے باز آئے ۔ ہمیں ہمارے گھر پہنچادو ۔ جالوت کی لشکر سے لڑنے کی تاب ہمارے اندر نہیں ہے ۔ چنانچہ بھاگ گئے ۔

ملک الموت کو مکان نمبر اور گلی کا پتہ معلوم ہے جب یہ لوگ میدان چھوڑ کر بھاگ رہے تھے تو وہی چند آدمی جنہوں نے نہر پر پانی نہیں پیا تھا انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا ۔ خبردار! ٹھہر جاؤ! بھاگنے والوں کو بھاگنے دو ۔ انہوں نے کہا کہ اگر بھاگنے میں کوئی حکمت اور مصلحت آگئی تو ہم بھی بھاگیں گے ۔ یہ کیوں بھاگ رہے ہیں ؟ یہ موت کے ڈر سے بھاگ رہے ہیں ۔ تو کیا ملک الموت کو ان کے شہر کا، ان کی گلی کا اور مکان کے نمبر کا پتہ معلوم نہیں ہے ؟ اگر کوئی آدمی یہ سوچتا ہے کہ اسے میدان میں موت آئے گی گھر پر موت نہیں آئے گی وہ کتنا بڑا بے وقوف ہے ؟

میں نے آدھی گنوائی آپ نے پوری گنوادی ایک بہت بڑا حکیم تھا ۔ وہ کشتی میں بیٹھ کر کہیں جارہا تھا ۔ اس نے ملاح سے پوچھا کہ میاں! تم نے کچھ حکمت پڑھی ہے ؟ اس نے کہا ۔ جی حضور! میں نے تو حکمت نہیں پڑھی ہے ۔ انہوں نے کہا ۔ ارے بے وقوف ۔ تو نے تو آدھی عمر اپنی ضائع کردی! اس نے کہا ۔ ہاں! کردی ہوگی! آگے چل کر دریا کے اندر طغیانی آگئی ۔ ملاح نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ حکیم جی! تیرنا آتا ہے ؟ انہوں نے کہا ۔ مجھے تیرنا تو نہیں آتا! تو اس ملاح نے کہا ۔ میں نے تو اپنی آدھی عمر گنوائی تم نے تو ساری عمر گنوادی ۔

ایک مولوی اور سائنسدان کا واقعہ اسی طرح ہمارے بعض تعلیم یافتہ حضرات کبھی علماء کو پریشان کیا کرتے ہیں ۔ ایک بڑے سائنس دان تھے ۔ انہوں نے ایک مولانا صاحب سے پوچھا کہ ذرا یہ تو بتائیے کہ آسمان پر کتنے ستارے ہیں ؟ انہوں نے کہا ۔ بھائی! ہمارے مولوی صاحب (استاذ) نے تو ہم کو یہ نہیں بتایا ۔ انہوں نے کہا ۔ آپ کیسے رہبر

قوم ہیں؟ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم ہے؟ مولانا نے کہا، بھائی! مجھے تو نہیں معلوم ہے۔ اچھا، ذرا مہربانی کر کے آپ مجھے یہ بتا دیجئے کہ سمندر میں کتنی مچھلیاں ہیں؟ انہوں نے کہا، یہ تو ہم کو بھی ہمارے پروفیسر نے نہیں بتایا ہے۔ مولانا نے کہا، ابھی تو فرش زمین کا ہی راستہ آپ سے طے نہیں ہوا تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں؟

آپ مجھ سے بھی زیادہ بے حیا ہیں

تو اس ملاح نے کہا، جناب والا! میں نے تو آدھی عمر ضائع کر دی آپ نے پوری عمر ختم کر دی۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ اے ملاح! تجھ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ اس سے پہلے بھی کبھی ایسا کوئی حادثہ پیش آیا ہے؟ اس نے کہا، جی روزانہ اس قسم کے حادثے ہوتے رہتے ہیں؛ میرا باپ مرا، میرا چچا مرا اور میرا بھائی مرا سب اسی حادثے میں مرے ہیں۔ حکیم صاحب کہنے لگے کہ پھر تو تو بڑا بے حیا ہے کہ تو نے اس پیشہ کو نہیں چھوڑا، اس نے کہا جی بالکل صحیح ہے۔ اچھا ذرا یہ بتائیے کہ کیا آپ کے والد بزرگوار باحیات ہیں؟ حکیم صاحب نے کہا، نہیں؛ انکا انتقال ہو گیا۔ پوچھا، کہاں پر انتقال ہوا؟ کہنے لگے، اپنے مکان پر ہی چارپائی پر لیٹ کر مرے۔ کہا، ماشاء اللہ! آپ کے دادا؟ انہوں نے کہا، وہ بھی اسی مکان میں انتقال ہوئے۔ اچھا؟ آپ کے فلاں؟ انہوں نے کہا، وہ بھی اسی مکان میں انتقال ہوئے۔ تو ملاح نے کہا، آپ مجھ سے بھی زیادہ بے حیا ہیں جو ابھی تک آپ نے اس مکان کو نہیں چھوڑا ہے۔

دراصل ملاح یہ بتانا چاہتا تھا کہ حضرت والا! موت کا تعلق کشتی اور مکان سے نہیں ہے، موت کا تعلق وقت سے ہے، جب کسی کا وقت آجاتا ہے تو کشتی میں ہو تو وہاں بھی موت آتی ہے، گھر پر ہو تو وہاں بھی موت آتی ہے اور میدان جہاد میں ہو تو وہاں بھی موت آتی ہے۔

مدد خداوندی حق پرستوں کے ساتھ ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سارے لوگ میدان جہاد چھوڑ کر بھاگ گئے، ایک چھوٹی سی جماعت رہ گئی، انہوں نے اپنے ساتھیوں

سے کہا بھاگنے والوں کو بھاگنے دو تم ان کا ساتھ مت دو۔ فرمایا کہ۔

قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوا اللّٰہِ کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً کَثِیْرَةً بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ

اس چھوٹی سی جماعت کا جنہوں نے نہر پر صبر اور تقویٰ اختیار کر کے دکھایا جب جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ ہوا تو اس چھوٹی سی لشکر نے جالوت کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا، مٹھی بھر ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔ لیکن کیوں؟ اس لئے کہ جس قوم کے اندر صبر اور تقویٰ موجود ہو وہ قوم اگرچہ تھوڑی ہو لیکن اللہ اس کو دنیا کے انسانوں پر غالب کر دیتا ہے۔

اقبال کی نظر میں قوم کو ڈبونے والے علامہ اقبال کا مشہور جملہ ہے ہمارے علماء حضرات ناراض نہ ہوں، ہم بھی انہیں میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قوم کو دو طبقوں نے خراب کیا ہے۔ ایک "بزدل متقی"۔ یعنی نماز، روزہ اور تہجد پڑھنے میں بہت آگے آگے۔ اور اگر پٹاخہ بھی چھوٹ جائے تو گھر میں گھس کر دروازہ بند کر لیں۔ تو ایک "بزدل متقی" اور دوسرا "بے دین بہادر" یعنی جان دینے کو تو ہمہ وقت تیار ہے لیکن اگر اس سے کہا جائے کہ خدا کا حکم مان لو تو اس کے لئے تیار نہیں۔ یاد رکھیں! وہ بہادری جو بے دینی کے ساتھ ہو اور وہ تقویٰ جو بزدلی کے ساتھ ہو یہ دونوں باتیں قوم کو کبھی پنپنے نہیں دیتی، قوم اس وقت پنپتی ہے جب اس میں تقویٰ بھی ہو اور بہادری بھی ہو۔

صبر کی حقیقت صبر کے کیا معنی ہیں؟ معاف کیجئے! آج عام طور سے صبر کے معنی یہ سمجھے جاتے ہیں کہ کوئی تمہیں مارے اور تم پٹتے رہو، مار کھاتے رہو تو کہو بھائی ہم کیا کریں ہمیں صبر کرنا ہے۔ یعنی مجبوری کا نام صبر ہے۔ یہ بڑا ذلیل معنی ہے۔ اسلام کبھی آپ کو ایسے معنی کی تلقین نہیں کرتا۔ صبر کا بڑا اونچا مفہوم ہے۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ اپنا ایک نصب العین مقرر کرلو، اور جب اپنا نصب العین مقرر ہو جائے تو چاہے بھوک کی

تکلیف ہو، چاہے جان کی تکلیف ہو یا مال کی تکلیف ہو۔ ساری تکلیفیں ہنسی خوشی سے برداشت کرنا مگر اپنے نصب العین سے قدم پیچھے نہ ہٹانا۔ صبر کے معنی ہیں اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بڑھتے چلے جاؤ تکلیفیں اٹھاتے چلے جاؤ۔ صبر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی مارے تو پٹتے رہو اور یوں کہو کہ بھائی کیا کریں، لے اور بھی مار لے، مجبوری کا نام صبر ہے۔ یہ معنی غلط ہے۔

کامیابی کی ضمانت اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں چیزیں (صبر اور تقوی) قوم کے عروج اور اس کی ترقی کی ضمانتیں ہیں۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں، خود قرآن کریم کہتا ہے۔

وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا

اگر تم صبر اور تقوی اختیار کروگے تو اللہ تعالی تمہیں ضمانت دیتا ہے، کہ اے مسلم قوم! ہم تمہارے ذمہ دار ہیں، دشمن تمہارا بال بھی بیکا (ٹیڑھا) نہیں کرسکے گا۔ دشمن کی چالیں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔ تو صبر کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نزاکتیں چھوڑ دیں، میں یہ نہیں کہتا کہ آپ آرام نہ اٹھائیں۔ بلکہ آپ ضرور آرام اٹھائیں۔

حضرت تھانویؒ کی نکتہ سنجی حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں سبحان اللہ! کیا طرز کی نصیحت ہوتی تھی؟ فرمایا کہ چار چیزیں ہیں۔ ایک ہے آسائش دوسری ہے زیبائش، تیسری ہے آرائش اور چوتھی ہے نمائش: ان چاروں میں سے دو کی اجازت ہے اور دو کی اجازت نہیں ہے۔ فرمایا کہ صرف دکھانے کیلئے نمائش اور دکھاوا اختیار کرنا، اسکی مسلمانوں کو اجازت نہیں ہے۔ آرائش کے معنی بھی یہی ہیں کے آپ ایک قسم کی بناوٹی خوبصورتی پیدا کریں، اسکی اجازت نہیں ہے۔ آسائش: جو آپ کے آرام اور راحت سے متعلق ہے، اور زیبائش: جس سے لطافت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے، کپڑے صاف ہوں مکان صاف ستھرا ہو، اس کے اندر کی ہر چیز صاف ستھری ہو، فرمایا کہ ان

دونوں کی اجازت ہے۔ آرائش و نمائش کی اجازت نہیں ہے۔

خلاصہ تو صبر کی زندگی اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نزاکت اختیار نہ کریں اور جب ہم یہ دو چیزیں اپنے اندر پیدا کر لیں گے۔ ایک جوہر صبر اور دوسری جوہر تقویٰ تو انشاءاللہ ہم اپنی عظمت رفتہ کو واپس لے آئیں گے۔

آخر میں ایک قطعہ پڑھکر ختم کر دیتا ہوں۔ فرمایا کہ ؎

رستم خفتہ ہے تو کس بل نہیں ہے کم ترا ‖ جاگنے کی دیر ہے پھر ہے وہی دم خم ترا
یہ اگر ہو جائے زائل نیند کا عالم ترا ‖ چار سو عالم میں لہرانے لگے پرچم ترا

اگر مسلم قوم یہ جو ہر دو خصوصیت اپنے اندر پیدا کر لے تو مسلمانوں کی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے۔ قرآن کریم کا یہ واقعہ ہم مسلمانوں کو یہی درس اور یہی سبق دیتا ہے۔ اور اسی میں کامیابی کا راز ہے۔ اسی میں ملتوں اور قوموں کے عروج کا راز ہے!

اب میں آپ حضرات سے معذرت چاہتا ہوں۔ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا کیجئے کہ اے اللہ! یہ اجتماع، عظیم اجتماع ہے اس تیرے نیک اور مخلص بندے بھی ہوں گے ان کی بدولت اے اللہ! تو ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرما۔ اے اللہ! ہمارے دلوں میں حضور اکرم ﷺ کی محبت پیدا فرما۔ اے اللہ! تو اپنے دین کو زندہ اور قائم کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ تمام مشکلات اور پریشانیوں سے نجات عطا فرما۔ اسلام کا بول و بالا ہو اور مسلم قوم کو عزت و سر بلندی عطا فرما۔ اے اللہ! ہماری دعاؤں کو قبول فرما۔ آمین

اللھم

ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

وصل اتعالی علی خیر خلقه محمد

واله واصحابه اجمعین برحمتک

یاارحم الراحمین

والحمد رب العلمین۔

یا اللہ

فتحِ مبین

اسلام نے جنگ کیلئے جو اصول و قوانین مرتب کئے ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے اسلام کا مقصد خون بہانا نہیں ہے، جانوں کو ضائع کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جنگ و جہاد سے اسلام کا ایک اہم ترین مقصد اور عظیم نصب العین وابستہ ہے۔ اور وہ روئے زمین پر امن و امان قائم کرکے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے قوانین کے مطابق چلانا ہے، ظلم و جور کی بیخ کنی کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے علی الاعلان یہ فرمادیا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کرنا، دوسرے مذاہب کے راہبین جو اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے عبادت کررہے ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ مخالف اسلام ہیں مگر ان کو بھی کچھ نہ کرنا۔ ہاں! اگر انھوں نے عبادت خانہ میں اسلحہ وغیرہ چھپا کر رکھا ہے تو وہ راہب قابل گردن زدنی ہے اس لئے کہ وہ بھی لڑنے والوں میں شمار ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا کہ کوئی شخص سایہ دار درختوں کو نہ کاٹے، کوئی شخص کھڑی ہوئی اور تیار فصلوں کو تباہ نہ کرے، اس لئے کہ اس سے انسانوں اور مویشیوں کا رزق وابستہ ہے۔ فرمایا کہ ان سب کی حفاظت کی جائے گی۔ اسی وجہ سے سبحان اللہ! سرکار دوعالم ﷺ جس علاقہ کی طرف قدم بڑھاتے تھے، جس علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی آگ آرہی ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کی رحمت آرہی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح مبین

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ
وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا
وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى
عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

گذشتہ سے پیوستہ بزرگان محترم اور برادران عزیز گذشتہ چند جمعوں سے تاریخ اسلام اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے وہ پہلو اور وہ واقعات بیان کئے جارہے تھے جو جہاد و غزوات سے متعلق ہیں، اور آپ ﷺ کی پوری مدنی زندگی جہاد و غزوات ہی سے متعلق ہیں، اور اس کے بیان سے میرا مقصد یہ تھا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد صرف احکام اور جائز و ناجائز کے قوانین ہی پیش کرنا نہیں ہوتا۔ یہ تو ان کی زندگی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے۔ بلکہ اس تعبیر کے بجائے یہ تعبیر اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کا ایک حصہ ان قوانین واحکام کا ہوتا ہے جو حلال وحرام، جائز وناجائز سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان کی زندگی کا ایک بڑا پہلو یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات، حشر ونشر، میزان عدل اور جنت و جہنم کے سلسلہ میں بتلائیں۔

چنانچہ قرآن کریم میں ایک بڑا طویل سلسلہ ان مضامین کا بھی ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے مستقبل کے بارے میں فرمایا ہے کہ کیا گذرے گی اور کیا ہوگا؟

کاربائے نبوت اسی طریقہ سے نبی اور پیغمبر کی تیسری ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ تاریخ اور عہد ماضی کے واقعات کو بیان کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا جہاں پر ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے انہیں نبی اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے وہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ جاکر لوگوں کو تاریخ کے واقعات، گذشتہ قوموں کے واقعات سنائیں فرمایا کہ

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۞

وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللَّهِ کا مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو تاریخ کے واقعات

بتائیں، گذشتہ قوموں کے واقعات سنائیں، اس سے ایک مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ جب نبی اور پیغمبر کی زبان سے عہد ماضی کے واقعات سنے جاتے ہیں تو دنیا یہ سمجھتی ہے کہ انہوں نے نہ تاریخ کی کوئی کتاب دیکھی ہے اور نہ کسی مؤرخ سے ان کی ملاقات ہوئی ہے پھر بھی یہ عہد ماضی کے واقعات بیان کر رہے ہیں تو یقیناً ان کو اللہ کی وحی کے ذریعہ یہ واقعات بتائے گئے ہیں، یہ اللہ کے نبی اور پیغمبر ہیں۔

فطرت انسانی

اور دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطری طور پر انسان جب عہد ماضی کے واقعات سنتا ہے تو اس کے اندر موعظت، پند و نصیحت حاصل کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے اور وہ اس سے سبق حاصل کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں حضور اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے نبیوں اور پیغمبر کی قوموں کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔

اندازہ لگائیے کہ جب دوسری قوموں کے واقعات سے ہمیں اور آپ کو سبق مل سکتا ہے تو کیا حضور اکرم ﷺ کے واقعات اور ان میں سے بھی خاص کر وہ واقعات جو آپ ﷺ کے غزوات و جہاد سے متعلق ہیں سے سبق نہیں مل سکتا ہے؟ یقیناً مل سکتا ہے! اسی لئے جمعہ کے بیان میں اس سلسلہ کو شروع کیا گیا ہے۔

غزوہ احزاب، منظر اور پس منظر

اور گذشتہ جمعہ میں نے غزوہ احزاب کے متعلق عرض کیا، احزاب کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کے خلاف کافروں کی تمام جماعتوں نے آپس میں گٹھ جوڑ کر لیا تھا اور سب مل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کیلئے آئے تھے، اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو فتح عطا فرمائی اور قرآن کریم میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسی ہوا بھیجی کہ کافروں کا سارا کا سارا لشکر تہ و بالا ہوگیا۔ اسی طریقہ سے ہم نے ایسے لشکر کو بھیج کر بھی تمہاری مدد کی جن کو تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے تھے۔ اللہ نے ملائکہ اور فرشتوں کو مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجا۔ یہ غزوہ احزاب تاریخ کے

اعتبار سے پانچویں ہجری کے اندر پیش آیا۔

صلح حدیبیہ ۶ھ میں ہوا اب چھٹی ہجری کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سنہ میں صرف ایک ہی واقعہ پیش آیا جس کو صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ آج مجھے اسی کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مکی زندگی میں تو کئی عمرے کئے لیکن جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور یہاں آکر تقریباً پانچ سال بھی گذر گئے مگر یہاں کی صورت حال ایسی تھی کہ کفار قریش سے برابر مقابلہ ہو رہا ہے اس لئے مکہ جاکر عمرہ کرنے کی یا طواف کرنے کی کوئی شکل پیش نہ آئی۔

حضور ﷺ جامع الکمالات ہیں ۶ھ میں حضور اکرم ﷺ نے ایک خواب دیکھا، اور اس میں یہ دیکھا کہ بالکل امن و عافیت کا زمانہ ہے اور میں اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے ساتھ امن و امان کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے اپنا یہ خواب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بیان کیا۔ لیکن یہاں یہ بات یاد رکھ لیں کہ آپؐ نے یہ خواب صحابہ سے تعبیر لینے کیلئے نہیں بیان کیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے علوم انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو الگ الگ عطا فرمایا ہے وہ سارے علوم مجموعی طور پر حضور اکرم ﷺ کو بدرجہ کمال عطا فرمایا ہے۔ تعبیر خواب کا فن حضرت یوسف علیہ السلام کو بطور معجزہ کے دیا گیا تھا؟ یہ علم حضور اکرم ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بدرجہ کمال عطا فرمایا۔ تو آپ ﷺ کا مقصد صحابہ سے تعبیر لینا نہیں تھا بلکہ واقعہ کا اظہار کرنا مقصود تھا کہ میں نے اس طریقہ سے خواب میں دیکھا ہے۔

نبی کا خواب سچا ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب ایسا ہوتا ہے جیسے کہ وحی، اور وحی اس اعتبار سے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خواب میں ایک فیصد بھی کسی غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، کذب کا کوئی احتمال نہیں ہوتا، نبی

کا خواب ہمیشہ سچا ہوتا ہے جیسا کہ وحی سچی ہوتی ہے۔ اور علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ جس شخص کی زندگی حضور کی زندگی سے قریب ہوگی اس مسلمان کا خواب اس کے تقوی کی مناسبت سے اتنا ہی سچا ہوگا۔ اگر اسکی زندگی حضور کی زندگی سے، اسکا عمل حضور کے عمل سے زیادہ قریب ہے تو اس شخص کا خواب بالکل سچا ہوگا۔ اور اگر وہ تھوڑا دور ہے تو اس کے خواب میں بھی تھوڑے سے کذب کا احتمال ہوگا، جو شخص اپنی زندگی کو حضور کی زندگی سے جتنا زیادہ قریب رکھے گا اس کا خواب اتنا ہی سچا ہوگا، اور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے خواب کے بارے میں لکھا ہے اور روایتوں میں بھی آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے، کسی روایت میں آتا ہے، چالیسواں حصہ ہے، کسی روایت میں تینتالیسواں کسی روایت میں سترواں اور کسی روایت میں پچھترواں حصہ بھی آتا ہے۔

تطبیق حدیث اور وہ لوگ جو حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کو سن کر نعوذ باللہ یہ پروپیگنڈہ (PROPOGANDA) کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب! نبی کے اقوال میں سے یا تو پہلا قول سچا ہوگا یا دوسرا سچا ہوگا یا تیسرا سچا ہوگا سب تو سچے نہیں ہوسکتے لیکن اسی قسم کے تمام اقوال کو جمع کر کے علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث رسول ہے۔ لیکن انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ سے جتنے اقوال بھی ثابت ہیں وہ سب صحیح ہیں اور آپ ﷺ نے اسے جو الگ الگ بیان فرمایا ہے اس سے آپ کا مقصود خواب دیکھنے والے کے تقویٰ کے درجہ کے طرف اشارہ کرنا ہے۔ فرمایا کہ اگر خواب دیکھنے والا کم درجہ کا متقی ہے تو اس کا خواب اتنا ہی سچا ہوگا جیسے سو میں چالیس اور اگر کسی کے تقویٰ کا درجہ اس سے اونچا اور بڑھا ہوا ہے تو اس کا خواب اتنا سچا ہوگا جیسے کہ سو میں ستر۔ اور اگر تقویٰ کا درجہ اور بڑھا ہوا ہے تو اتنا سچا ہوگا جیسے کہ سو میں پچھتر۔ لیکن یاد رکھئے کہ صالحین کا جو خواب ہے وہ اس بات کی ضمانت نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ

سچا اور صادق ہوتا ہے اور کبھی کبھی اس میں غلطی بھی ہوتی ہے۔ اس کے بالعکس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب ہمیشہ اس طرح سے سچا ہوتا ہے جیسے کہ وحی سچی ہوتی ہے۔ اس میں کذب کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں کبھی کوئی جھوٹ یا غلط بات نہیں ہوتی۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ جو حالت بیداری میں سب سے زیادہ سچا ہوگا سونے کی حالت میں اسکا خواب بھی سب سے زیادہ سچا ہوگا۔

صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ عمرہ کے لئے نکل پڑے

بہرحال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں حالت امن و امان میں اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے جارہا ہوں۔ صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین نے جب اس خواب کو سنا تو بے قرار ہوگئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! آپ عمرہ کا ارادہ فرمایئے! چنانچہ آپ ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمالیا۔ اور جب آپ نے اس کا اعلان فرمایا تو تقریباً چودہ سو صحابہ تیار ہوگئے۔ سب مل کر عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے چلے۔ کسی کے پاس ہتھیار نہیں تھا۔ بلکہ آگے چل کر تمام صحابہ نے احرام باندھا اس لئے کہ خانۂ کعبہ کے طواف کی نیت سے حدود حرم کے اندر داخل ہونے کا ارادہ تھا۔ لڑنے اور جہاد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احرام کی حالت خود یہ بتلارہی تھی کہ ان کا مقصد لڑنا نہیں ہے کیونکہ حالت احرام میں بہت سی وہ باتیں جائز نہیں جو بغیر احرام کے جائز ہیں۔ احرام باندھنے کے بعد محرم پر بہت سی ایسی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں جن سے یہ پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا مقصد عبادت کرنا ہے، لڑنا اور جہاد کرنا نہیں ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احرام بھی باندھ لیا اور قربانی کا جانور جس کو ہدی کہا جاتا ہے اس کو بھی ساتھ لے لیا۔ چودہ سو کی یہ جماعت روانہ ہوئی۔

آگے جاکر حضور اکرم ﷺ کی اونٹنی جس کا نام قصویٰ تھا ایک مقام پر بیٹھ گئی۔ اس کو ہر چند اٹھانے کی کوشش کی گئی مگر وہ اٹھی نہیں۔ بعض صحابہ نے کہا۔ یارسول اللہ! کیا بات ہے کہ آج آپ کی اونٹنی نافرمانی کررہی ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میری اونٹنی کی نہ یہ عادت ہے کہ وہ نافرمانی کرے اور نہ وہ نافرمانی کررہی ہے بلکہ اس کو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کے لشکر کو روک دیا تھا۔ اس کو اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے جسکی وجہ سے یہ آگے نہیں جاتی۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ جب تک ہم سب مل کر یہ عہد نہیں کرلیں گے کہ ہم وہ تمام پابندیوں کو اختیار کریں گے جو اس مقدس سرزمین کے اندر داخل ہونے کے بعد کرنی چاہئے یعنی حرم محترم کا احترام۔ آپ کا مطلب یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم براہ راست مکہ میں داخل ہوجائیں اور وہاں جاکر لڑائی ہوجائے جس کی وجہ سے حرم کا احترام باقی نہ رہے۔ فرمایا کہ "جب تک ہم سب مل کر یہ تہیہ نہ کرلیں کہ ہم اس ارض مقدس اور حرم محترم کا احترام اور اس کی تکریم کو باقی رکھیں گے اس وقت تک یہ اونٹنی یہاں سے آگے نہیں بڑھے گی"۔ اس لئے کہ جو علاقہ جتنا زیادہ محترم ہوتا ہے اس کیلئے اتنا ہی زیادہ ادب و تعظیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

مثلاً یہ کہ ہوسکتا ہے کہ گلی کوچوں کے اندر آپ سے کوئی ایسی بات ہوجائے جو تقویٰ کے خلاف ہو لیکن یاد رکھئے کہ گلی کوچے اور بازار مقدس نہیں ہیں، قابل احترام نہیں ہیں البتہ اگر وہی کوتاہی مسجد میں سرزد ہوجائے تو اللہ کی نظر میں زیادہ ناگواری کی بات ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ قبرستان کے اندر ہنسنا اور قہقہہ لگانا اللہ کی نظروں میں بہت زیادہ برا ہے۔

قہقہہ کی تحقیق اور اسکا حکم اندازہ لگایئے کہ قہقہہ جو زور سے منہ کھول کر ہنسنے کو کہتے ہیں، اس کو اردو میں بھی قہقہہ ہی کہتے ہیں۔ اور غالباً ہنسنے کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ

وہ ہے کہ جس میں ہنسنے اور خوش ہونے کا اظہار صرف آپ کے چہرہ سے ہوتا ہے۔ جسکو عربی میں تبسم اور اردو میں مسکراہٹ کہتے ہیں۔ اور دوسرا درجہ وہ ہے کہ جس کو ہنسنا کہتے ہیں۔ اس میں یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دانت نظر آتے ہیں۔ منہ کھل جاتا ہے مگر اس میں ہنسنے کی آواز نہیں ہوتی۔ اس کو اردو میں ہنسنا اور عربی میں ضحک کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان اس طریقہ پر ہنسے کہ اس کا منہ بھی کھل جائے۔ دانت بھی نظر آجائیں اور ساتھ ساتھ ہنسنے کی آواز بھی پیدا ہو۔ اس کو عربی اور اردو دونوں زبانوں میں قہقہہ کہتے ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر قہقہہ نہیں لگایا۔ معلوم ہوا کہ قہقہہ اسلام میں کوئی پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کسی نے قہقہہ لگایا تو اسلام کی نظر میں کوئی بڑا جرم اور عیب نہیں ہے مگر اللہ کے رسول نے فرمایا کہ اگر یہی قہقہہ کسی نے قبرستان کے اندر لگایا تو اللہ کی نظروں میں وہ سب سے زیادہ برا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ قبرستان کی فضا یہ ہے کہ وہاں کے قبروں کے نشانات کو دیکھ کر آنکھوں سے آنسو بہنا چاہئے۔ پھر بھی اگر کسی کو وہاں ہنسی آتی ہے تو تعجب کی بات ہے اور اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کا دل انتہائی سخت ہو گیا ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا کہ بعض اوقات کسی سرزمین اور کسی مقام اور جگہ کا تقاضہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض باتیں دوسری جگہوں کی بہ نسبت وہاں زیادہ بری ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر آپ اپنے گھر میں جھوٹ بولیں تو یہ بھی برا ہے لیکن وہی جھوٹ اگر خدا کے گھر میں بولیں تو اور زیادہ برا ہے۔ اسی طریقہ سے کسی کی غیبت کرنا، کسی سے لڑنا اور گالی گلوج کرنا یہ باتیں ایسی ہیں کہ بازاروں کے اندر بھی اسلام نے کبھی ان کو پسند نہیں کیا لیکن اگر یہی باتیں کسی نے مسجد کے اندر کیا تو اس نے دوسرا گناہ کیا۔ ایک تو یہ کہ اس نے خود فعل گناہ کا ارتکاب کیا اور دوسرا گناہ یہ کہ اس نے مسجد کے احترام کو پامال کیا۔

عظمت حرم سینے میں بٹھائے رکھنا تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ عمرہ کیلئے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستہ میں آپکی اونٹنی بیٹھ گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب تک اس اونٹنی کو یہ معلوم نہ ہو جائے کہ تم لوگوں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ ارض مقدس میں جاکر حرم کا احترام باقی رکھو گے اس وقت تک یہ اونٹنی چلنے کیلئے تیار نہیں ہوگی اس لئے کہ یہ اونٹنی بلاوجہ نہیں بیٹھی ہے، اس اونٹنی کو اسی خدا نے روکا ہے جس خدا نے ہاتھیوں کے لشکر کو روکا تھا۔ اور یہ فرماکر آپ ﷺ نے اس بات کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ہاتھیوں کا لشکر جو آیا تھا وہ بھی اسی ارض مقدس کی بے ادبی کرنے کیلئے آیا تھا، خدا کے گھر کو گرانے کیلئے آیا تھا جس کیوجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو اس طرح سے روک دیا کہ وہ لوگ اپنے اپنے ہاتھیوں کو آگے بڑھانا چاہتے تھے لیکن وہ ہاتھی آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تاکید فرمائی کہ خدا کی قسم، وہاں جاکر ہماری طرف سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہونی چاہئے جو احترام حرم کے خلاف ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں جاکر ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو حرم کے احترام کے خلاف ہو۔

مقام حدیبیہ کا جدید نام اس کے بعد جب حضور اکرم ﷺ نے اونٹنی کو اٹھایا تو وہ اونٹنی اٹھ کر خود بخود چلنے لگی، صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوئے اور ایک مقام پر جسکا نام حدیبیہ ہے اور میں نے سنا ہے کہ آجکل اس علاقہ اور اس جگہ کو "شمیسیہ" کہا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں حدیبیہ کہا جاتا تھا، حدیبیہ دراصل ایک کنواں کا نام ہے، اسی کنویں کے ذریعہ وہاں پر کچھ آبادی وغیرہ ہو گئی اس لئے اس علاقہ کو ہی حدیبیہ کہا جانے لگا اسی علاقہ سے مکہ مکرمہ کا حدود حرم شروع ہوتا ہے۔ حضور جب وہاں پہنچے تو وہیں ٹھہر گئے اور

آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اچانک مکہ کے اندر داخل ہوں جس کی وجہ سے وہاں خوں ریزی اور قتل وقتال کی نوبت آجائے اور خدا کے گھر کا احترام باقی نہ رہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ ہم یہیں پر ٹھہر جائیں اور کسی آدمی کو بھیج کر یہ معلوم کریں کہ مکہ والوں کے اندر ہماری طرف سے کوئی غلط فہمی وغیرہ تو نہیں ہے اور ساتھ ساتھ انکو ہمارے ارادہ کی بھی خبر ہوجائے گی۔ اور یہ اقدام آپ ﷺ نے صرف احتیاطا کیا ورنہ موافق، مخالف ہر قبیلے کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ مکہ جائے اور جاکر خدا کے گھر کا طواف کرکے واپس آجائے، عمرہ کرکے چلے آئے مگر حضور اکرم ﷺ نے یہ احتیاط اس لئے فرمائی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا کے مقدس گھر کا احترام اٹھ جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے حدیبیہ میں ٹھہر کر مکہ کی حالات معلوم کرنے کیلئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ وہ وہاں گئے، وہاں ان کے کچھ رشتہ دار اور قرابت دار بھی موجود تھے۔ اور کچھ ایسے بھی مسلمان تھے جو مکہ مکرمہ میں تھے وہ ہجرت نہیں کرسکے تھے یہ وہ مسلمان تھے جو بیچارے کمزور وبے سہارا تھے۔ ان کے ساتھ کوئی ایسی مجبوری تھی جس کی وجہ سے وہ مکہ چھوڑکر نہیں جاسکتے تھے۔ فرمایا کہ۔

وَمَالَكُمْ لَاتُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

وہ لوگ مستضعفین اور کمزور قسم کے لوگ ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ قاصد بن کر

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ کہہ کر بھیجا کہ آپ وہاں جائیں اور جاکر کفار قریش سے بات کرکے آئیں کہ ہم لوگ صرف عمرہ کرنے کیلئے آئے ہیں، عمرہ کرکے پھر واپس چلے جائیں گے۔ حضرت عثمان غنیؓ جب وہاں تشریف لے گئے تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ ہم آپ کو تو اجازت دیتے ہیں کہ آپ بیت اللہ کا طواف کرکے اور عمرہ کرکے چلے جائیں باقی دوسروں کو ہم اسکی اجازت نہیں دے سکتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا

نہیں ، میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں حضور اکرم ﷺ اور آپ کے چودہ سو صحابہ کے ساتھ ہی عمرہ کروں گا۔ اور یاد رکھو! اگر تم نے ہمیں عمرہ کرنے سے روکنے کی کوشش کی تو وہ وقت بہت قریب آرہا ہے کہ جب مکہ کے اوپر اسلام کا غلبہ ہوجائے گا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا۔ تو کفار قریش نے کہا کہ اچھا اگر آپ اتنی بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے ہیں تو ہم تم کو واپس جانے ہی نہیں دیں گے چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔ ادھر حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی حالت یہ تھی کہ وہ برابر یہ کوشش کر رہے تھے کہ کسی کو بھیج کر مکہ کے حالات معلوم کئے جائیں اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جیسی ذمہ دار شخصیت کو بھیجا گیا تھا۔ جب وہ واپس نہیں آئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر ایک قسم کا جوش پھیل گیا، شاید ان کو یہ محسوس ہوا کہ کفار مکہ نے حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کردیا ہے۔

ایک تاریخی نکتہ یہاں ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ یہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ جب ان کے بارے میں افواہ کے طور پر ایک غلط بات مشہور ہوگئی کہ ان کو شہید کردیا گیا ہے تو حضور اکرم ﷺ اور چودہ سو برگزیدہ اور منتخب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اتنے بے چین و بے قرار ہوگئے کہ سب نے لڑنے اور جہاد کرنے کیلئے تیاریاں کرلیں اور یہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں کہ خود انہیں کے خلافت کے زمانے میں بعض لوگ نعوذ باللہ! یہ دعوی کرکے کہ ہم نبی اور خاندانِ نبی سے محبت کرنے والے ہیں حضرت عثمان غنیؓ کو اس بے دردی کے ساتھ شہید کررہے ہیں کہ گویا ان کی شہادت سے حضور اکرم ﷺ خوش ہوجائیں گے، آپ کو کوئی تکلیف اور کوئی دکھ نہیں پہنچے گی۔ حالانکہ حدیبیہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ حضرت عثمان غنی کی شہادت کے موقعہ پر

باحیات ہوتے تو آپؐ اس رنج اور تکلیف کا ضرور اظہار فرماتے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپ کو پہنچی ہوگی۔

حضرت عثمان غنیؓ کا مقام

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ "ذوالنورین" ہیں۔ یکے بعد دیگرے حضور اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپؓ کے نکاح میں آئیں اور جب دوسری صاحبزادی کا انتقال ہوگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی تیسری بیٹی نہیں ہے اگر ہوتی تو اس کو بھی عثمان غنیؓ کے نکاح میں دے دیتا۔ اور فرمایا کہ عثمان غنیؓ کے اندر اتنی حیاء ہے کہ فرشتے اور ملائکۃ اللہ بھی ان سے حیاء کرتے ہیں۔

بیعت رضوان کیوں اور کیسے؟

بہرحال! حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ ان کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اب حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ محسوس کرلیا کہ دراصل ہم لوگ تو لڑنے کیلئے نہیں آئے تھے لیکن شاید اس واقعہ کی وجہ سے اب لڑائی ہو جائے گی، چنانچہ آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو ایک درخت کے نیچے جمع کر کے سب سے جہاد پر بیعت لی۔ اسی بیعت کو تاریخ اسلام کے اندر بیعت رضوان کہا گیا ہے۔ رضوان کے معنی ہیں "اللہ کی خوشنودی" اور یہ بیعت آپ ﷺ نے اس طرح لی کہ ہر صحابی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر یہ عہد لیا کہ اگر اس وقت مشرکین مکہ سے لڑائی ہوگئی تو تم جہاد کیلئے تیار رہو اور اللہ کو حاضر و ناظر جان کر اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے وعدہ کرو۔ تمام کے تمام چودہ سو صحابہ نے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ پر بیعت لی اور سب نے اس بات پر بیعت کی اور وعدہ کیا کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دینے کیلئے تیار ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کے اس بیعت لینے کے بعد ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہی لوگ جو دراصل عبادت کے مقصد سے آئے تھے اب اتنا بڑا لشکر اور اتنی بڑی فولادی قوت

وطاقت بن گئے کہ دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں مسخر نہیں کر سکتی۔ فرمایا کہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ

اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ اللہ ان سب مسلمانوں اور ایمان والوں سے راضی ہوگیا ہے جنہوں نے ایک درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ بیعت کی۔ اسی لئے اس بیعت کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ یعنی وہ بیعت کہ جس پر خدا نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ نے بیعت کرنے والے مسلمانوں کو یہ بشارت دی کہ جتنے لوگوں نے سرکار دوعالم ﷺ کے ہاتھ پر اس درخت کے نیچے بیعت کی وہ سب کے سب جنتی ہیں۔ اللہ نے ان تمام کے اوپر دوزخ کو حرام کردیا ہے۔

اب جب حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ان چودہ سو آدمیوں نے بیعت کی تو ایک ہلچل سی مچ گئی اور اس قدر جوش وخروش ہوا کہ کسی نے کفار مکہ کو خبر کردی اور یہ کہدیا کہ ارے! تم کیا کر رہے ہو؟ مسلمان عثمان غنیؓ کی شہادت کی خبر سن کر بالکل دیوانہ ہوگئے ہیں۔ جب انہوں نے یہ خبر سنی تو پریشان ہوگئے پھر آپس میں مشورہ کرکے فوراً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا۔ جب حضرت عثمان غنیؓ وہاں سے واپس آرہے تھے تو آتے آتے کمزور مسلمانوں کو یہ خوشخبری بھی سنادی کہ تم لوگ خوش ہوجاؤ چند دنوں کے اندر مکہ کے اندر اسلام کا غلبہ ہونے والا ہے۔

کفار مکہ کی پریشانی و بے قراری ادھر کفار مکہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا تو وہ خود آپس میں یہ مشورہ کرنے لگے کہ ہم میں سے بھی دوچار سردار جائیں اور جاکر مسلمانوں کے جوش وخروش کو ٹھنڈا کریں اور یہ کہیں کہ ہمارا مقصد آپ حضرات سے مقابلہ کرنا نہیں ہے۔ بس ہمارا کہنا یہ ہے کہ آپ لوگ اچانک عمرہ کو چلے آئے ہیں اور یہ بات ہمیں پسند نہیں ہے۔ آپ شوق سے آیئے لیکن اطلاع کرکے آیئے۔ اعلان کرکے آیئے؛ لہٰذا اس مرتبہ آپ لوگ واپس چلے جائیں اور

اگلے سال آکر ہماری خوشی سے عمرہ کریں۔ چنانچہ ان میں کا ایک سردار آیا اور سیدھے حضور اکرم ﷺ کے پاس چلا گیا۔ صحابہ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ وہ مصالحت کیلئے تیار نہیں تھے، اس وقت ان کے اندر جو جوش و خروش اور جو جذبہ پیدا ہو گیا تھا اس کی وجہ سے ان کا جی یہ چاہتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ ہمیں اجازت دے دیں کہ ہم ان کفار کو چورا چورا کردیں اور جاکر خانہ کعبہ کا طواف کریں۔ مگر حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مصالحت کی گفتگو شروع کردی۔

صلح حدیبیہ کے چند دفعات اس گفتگو کے اندر کفار کی طرف سے سب سے پہلی بات یہ آئی کہ اس مرتبہ آپ لوگ کسی طریقہ سے عمرہ نہیں کریں گے، اس مرتبہ آپ لوگ واپس چلے جائیں باقی آئندہ سال یا چھ مہینہ کے بعد آپ آئیں تو اس کیلئے طے کرلیجئے لیکن اس مرتبہ آپ کو واپس جانا ہے یہ بنیادی شرط ہے جسے آپ کو ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد کی جو شرائط ہیں وہ ہم اور آپ ملکر طے کرلیں۔ حضور اکرم ﷺ نے اس کو مان لیا اور فرمایا کہ اچھی بات ہے، اس مرتبہ ہم واپس ہو جائیں گے اور باقی جو شرائط ہیں وہ سب کی سب طے کر کے لکھ لی جائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب وہ شرائط لکھی گئی تو آپ ﷺ نے لکھوایا۔

من محمد رسول الله ﷺ تو اس کافر نے کہا کہ آپ نے جو رسول اللہ ﷺ لکھوایا ہے اسے مٹادیا جائے، اس لئے کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیتے تو پھر ہمارا اور آپکا کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوتا۔ سارا جھگڑا تو اسی پر ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں یا نہیں، لہذا ایسا جملہ لکھا جائے جو دونوں فریق کیلیے قابل قبول ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے لکھنے والے صحابی سے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے، اگر یہ کہتے ہیں تو لفظ رسول اللہ مٹادو۔ صحابی نے کہا، یارسول اللہ! کس کی مجال ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو مٹادے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ نے فرمایا کہ وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ لفظ لکھا ہوا ہے۔ پھر آپؐ نے اس کو اپنے ہاتھ سے

مٹا دیا۔ اور فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ حقیقت تو یہی ہے کہ میں اللہ کا نبی اور اللہ کا رسول ہوں لیکن اگر یہ لوگ اسی طریقہ پر شرائط طے کرنا چاہتے ہیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے پھر اس جگہ پر من محمد بن عبد اللہ لکھا گیا۔ پھر اس معاہدہ کے اندر بنیادی طور پر یہ شرط لکھی گئی کہ امسال سب کے سب واپس چلے جائیں گے اور آئندہ سال آکر عمرہ ادا کریں گے اس شرط پر کہ سوائے معمولی سی حفاظتی ہتھیار کے جو عام طور پر مسافر اپنے پاس رکھا کرتے ہیں اور کوئی ہتھیار لیکر نہیں آئیں گے۔ پھر یہ کہ تین دن سے زیادہ یہاں قیام نہیں کریں گے۔ اور ان تین دنوں تک اہل مکہ مکہ خالی کرکے پہاڑوں پر چلے جائیں گے۔ اور اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ کا کوئی آدمی مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے گا تو مدینہ والوں کو یہ ضروری ہوگا کہ اسے واپس کردیں لیکن اگر مدینہ سے کوئی آدمی اسلام سے ناراض ہوکر یا کسی اور وجہ سے مکہ آجائے گا تو ہم اس کے واپس کرنے کے پابند نہیں ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاہدہ کے اس شق پر زبردست اعتراض تھا وہ یہ محسوس کررہے تھے کہ اس شرط کی وجہ سے ہمارا پہلو کمزور ہورہا ہے اور کفار کا پہلو غالب ہورہا ہے۔ لہذا یہ ہونا چاہیے کہ جو مکہ سے مدینہ آئے تو مدینہ والے اسے واپس کردیں اور جو مدینہ سے مکہ چلا جائے تو مکہ والے بھی اسے واپس کردیں۔ لیکن حضور ﷺ کی آنکھیں چونکہ تابناک مستقبل کو دیکھ رہی تھیں اس لئے آپ ﷺ نے اس شرط کو بھی منظور فرمالیا۔ پھر یہ طے ہوا کہ اس معاہدہ کی مدت دس سال ہوگی۔ ان دس سالوں میں ہم ایک دوسرے سے کوئی لڑائی اور جنگ نہیں کریں گے۔ اور تمام قبیلوں کو یہ آزادی ہوگی کہ وہ جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔ اگر وہ چاہیں تو مسلمانوں کے ساتھ عہد کریں اور اگر وہ چاہیں تو کفار کے ساتھ عہد کریں۔ کسی قبیلہ کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ اور اس مدت کے دوران آمد و رفت کے تمام ذرائع اور وسائل آزاد ہوں

گے۔تمام راستے کھلے ہوئے رہیں گے اور دونوں فریق اس بات کے پابند ہوں گے کہ گزرنے والوں میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔یہ چند شرائط تھیں جو حضور اکرم ﷺ اور کفار قریش کے مابین طے پائیں۔لیکن صحابہ کرام اس کے حق میں نہیں تھے کہ کفار مکہ سے کسی قسم کی بات چیت کی جائے اس کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے جب ان کے ساتھ بظاہر گرگران کے شرائط صلح قبول فرمالیا تو صحابہ اور بھی رنجیدہ اور پریشان ہوگئے لیکن حضور اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ آنکھیں آج اور کل کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں بلکہ آپ کی نظر مستقبل پر تھی۔اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بتلادیا تھا کہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح عطا فرمائیں گے اور یہ صلح اس فتح کیلئے بنیاد بنے گی،اسی کے اندر مسلمانوں کی خیر وعافیت ہے۔

اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ مسلمان اس واقعہ اور اس عہد نامہ سے کبیدہ خاطر ہوگئے تھے چنانچہ اس وقت حضور اکرم ﷺ کو مسلمانوں کے طرز عمل سے تکلیف بھی پہنچی۔لیکن بعضے تکالیف ایسی ہیں جو مبارک ہوتی ہیں۔ہاں،البتہ اگر کوئی بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے اور اس سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ تکلیف نامبارک ہوتی ہے۔مثلاً ایک تکلیف وہ ہوتی ہے جو جاں نثاری کی وجہ سے پہنچتی ہے وہ مبارک ہوتی ہے۔

فرط محبت کا ایک انوکھا واقعہ

حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا۔ایک صحابی آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! ﷺ میں نے تھوڑا سا حلوا تیار کیا ہے،میرا جی یہ چاہتا ہے کہ آپ اسے نوش فرمالیں،اس لئے آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں،آپ ﷺ فرمایا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا۔میرے ساتھ عائشہ (رضی اللہ عنہا) بھی جائے گی۔صحابی نے تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہا کہ نہیں یارسول اللہ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر تمہاری خوشی جاؤ،وہ واپس چلے گئے،پھر دوبارہ آئے اور عرض کیا،یارسول اللہ! ﷺ میں نے تھوڑا سا حلوا تیار کیا

ہے اور میری خواہش یہ ہے کہ آپ اسے نوش فرمالیں۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ عائشہ صدیقہ بھی میرے ساتھ جائے گی۔ انہوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! ﷺ تو آپ نے فرمایا، پھر تمہاری خوشی، جاؤ! تیسری مرتبہ پھر آئے اور دعوت دی تو حضور نے بھی پھر وہی شرط پیش کی۔ انہوں نے کہا، یارسول اللہ! ﷺ اگر عائشہ صدیقہ کو کھلا کر ہی آپ کا دل خوش ہوتا ہے تو پھر ہماری خوشی بھی اسی میں ہے۔ ان کو بھی لے چلئے!

یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ اس واقعہ سے کوئی صاحب یہ دلیل نہ نکالیں کہ شاید ام المؤمنین کیلئے پردہ کا حکم نہیں تھا۔ اس لئے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پردے کی حالت میں بھی جاسکتی ہیں۔ اور امہات المؤمنین کے پردہ کیلئے وہ واقعہ کافی ہے جو اس سے پہلے بھی میں نے آپ کے سامنے عرض کیا ہے کہ جب سرکار دوعالم ﷺ کا وصال ہوا اور ازواج مطہرات آپ کے جنازہ کے اردگرد بیٹھی ہوئی تھیں تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، ان کے آتے ہی سوائے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے تمام ازواج مطہرات نے اپنا چہرہ ڈھک لیا۔

اندازہ لگایئے کہ وہ وقت بھی ایسا ہے کہ سب کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے ہیں جن سے زیادہ نبی کے بعد امت کے اندر کوئی برگزیدہ نہیں، پھر وہ ازواج مطہرات تھیں جو سب کی سب ہماری مائیں ہیں مگر اس کے باوجود سب نے چہرہ ڈھک لیا۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ صحابی نے کہا یارسول اللہ! ﷺ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے تو ہماری خوشی بھی آپ ہی کی خوشی میں ہے، آپ حضرت عائشہ کو بھی لے چلئے۔ دراصل صحابی کا مقصد نعوذ باللہ! حضور اکرم ﷺ کی خواہش پر انکار کرنا نہیں تھا، صحابی کی شان یہ ہو ہی نہیں سکتی۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ زمانہ غربت کا زمانہ تھا، انہوں نے حلوے کی اتنی تھوڑی سی مقدار تیار کی تھی کہ ایک آدمی کیلئے بھی وہ کافی

نہیں ہوتی اور اس سے زیادہ تیار کرنے کی ان میں سکت اور طاقت نہیں تھی اس لئے انہوں نے یہ سوچ کر کہ یہ ایک لقمہ کے مقدار کے برابر ہی ہے یہ کہا کہ یارسول اللہ! میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں آپ کو خوش کروں اس لئے آپ اسے نوش فرمالیں۔ لیکن جب حضور اکرم ﷺ نے یہ شرط رکھی کہ عائشہ صدیقہ بھی میرے ساتھ جائے گی تو پھر انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میں آپ کی خواہش کے اوپر اپنی خواہش کو ترک کرتا ہوں۔ اگر آپؐ کی خوشی اسی میں ہے تو پھر ان کو بھی لے چلیں۔ تو وہ جو انہوں نے دو مرتبہ انکار کیا۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ اس وجہ سے نہیں انکار کیا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی خواہش کو ٹھکرانا چاہتے تھے، بلکہ اس انکار میں بھی دراصل حضورؐ ہی کی محبت کا دخل تھا۔

دفعات کی تحریر کے بعد صحابہ کرام کے احوال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعضے تکلیف مبارک ہوتی ہیں، صلح حدیبیہ کے دن حضور اکرم ﷺ کو صحابہ کی طرف سے جو تکلیف پہنچی وہ یہ تھی کہ آپؐ نے معاہدہ نامہ پر دستخط کر کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم سب اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر کے اور بال کاٹ کر احرام کھول دو اور حلال ہو کر یہاں سے واپس چلو۔ صحابہ کرام بالکل تصویر بنے ہوئے تھے، نہ انہوں نے جانوروں کو ذبح کیا، نہ حلق کیا، نہ احرام کھولا، کچھ نہیں کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ فرمایا پھر بھی سب خاموش رہے کسی نے احرام نہیں کھولا۔ جسکی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو تکلیف ہوئی۔ آپ اپنے خیمہ میں تشریف لائے، وہاں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ دراصل سفر میں ازواج مطہرات کو ساتھ لینے کیلئے آپؐ کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ آپؐ قرعہ اندازی فرماتے اور جنکا نام نکلتا تھا ان کو سفر میں اپنے ساتھ لے جاتے۔ اس وقت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔

حضرت ام سلمہؓ کا مشورہ آپ ﷺ اپنے خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا کہ میں نے دو دفعہ مسلمانوں سے کہا کہ تم اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کردو لیکن کسی نے بھی اپنے جانور کو ذبح نہیں کیا۔ مجھے بڑا افسوس ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یا رسول اللہ! اس وقت مسلمان جوش وجذبہ کے اندر ہیں۔ان کے دلوں میں ابھی بھی یہ امید باقی ہے کہ کسی طرح ہم رسول اللہ کو راضی کرلیں گے اور آگے بڑھیں اور مکہ جاکر طواف کریں گے۔ اس سے بہتر یہ ہے اس وقت آپ ان سے کچھ نہ کہیں، اپنی زبان سے کوئی خطاب نہ فرمائیں بلکہ سب سے پہلے آپ خود خیمہ سے باہر جاکر اپنا جانور ذبح کرکے احرام کھول دیجئے پھر آپ کو دیکھ کر سارے صحابہ یہی کریں گے۔ حضور اکرم ﷺ کو یہ رائے بڑی پسند آئی۔

بیوی سے مشورہ طلب کیا جاسکتا ہے میں اکثر ان لوگوں سے یہ کہا کرتا ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ صاحب! اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنا ناجائز اور گناہ ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضور اکرم ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں اور آپ ان سے مشورہ فرمارہے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ عورتوں سے مشورہ کرنے میں کوئی مضائقہ اور کوئی حرج نہیں ہے، دراصل بہت سی باتیں ایسی ہیں جو لوگوں نے گھروں میں اپنی برتری باقی رکھنے کیلئے گھڑ رکھی ہیں۔ انہیں میں سے یہ بھی ہے۔ ورنہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ مرد اگر شوہر ہے تو ہمیشہ اس کی عقل بھی زیادہ ہو بعض اوقات عورتوں کی دماغ میں وہ بات آجاتی ہے جو مردوں کی دماغ میں نہیں آتی۔ اس لئے مشورہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مشورہ فوراً قبول فرما لیا، باہر تشریف لائے اور جانور کو ذبح کرکے احرام کھول دیا۔ پھر آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ کو دیکھتے ہی تمام صحابہ اپنے اپنے جانور کو ذبح کرکے احرام کھول دیئے۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔ سب واپس ہورہے ہیں مگر دل پژمردہ ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ کا جوش ایمانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقعہ پر میں نے حضور اکرم ﷺ سے اتنی تیز گفتگو کی تھی کہ تمام عمر مجھے اس کا رنج رہا انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مجھے بتایئے کہ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہمارا دین اللہ کا بھیجا ہوا دین نہیں ہے؟ کیا اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ نہیں ہے؟ حضورؐ ہر سوال کا جواب اثبات میں دے رہے تھے پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، جب یہ دین اللہ کا سچا دین ہے اور جب اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح دب کر صلحنامہ کیوں مرتب کیا جارہا ہے؟ حضور اکرم ﷺ ناراض نہیں ہوئے بلکہ آپؐ نے ان کو تسلی دی۔ اس لئے کہ آپؐ یہ جانتے تھے کہ اس وقت جو صحابہ کے اندر اشتعال ہے یہ بھی جوش ایمانی اور جذبۂ ایمانی ہی کی وجہ سے ہے۔

فتح ہی فتح حضور اکرم ﷺ صحابہ کو لیکر مدینہ کو روانہ ہوگئے۔ راستہ میں قرآن کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئی۔ فرمایا کہ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿١﴾ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُۥ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَٰطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾

ترجمہ۔ (بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے اور آپ پر اپنے احسانات کی تکمیل کردے اور آپ کو سیدھے راستہ پر لے چلے)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے اللہ تعالیٰ نے اس مصالحت کو فتح مبین قرار دیا ہے پھر تمام مسلمانوں کو بھی آپؐ نے یہ خوشخبری سنادی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس مصالحت کو فتح مبین بتایا ہے۔

محدثین نے اس پر بڑے بڑے مقالے اور بڑے بڑے مضامین لکھے ہیں کہ ایک ایسی مصالحت کو جو صورتاً شکست ہے اللہ نے فتح مبین کیسے کہا؟ میں ساری بحثیں تو نقل نہیں کرسکتا البتہ ایک بات نقل کردیتا ہوں فرمایا کہ اس مصالحت کی وجہ سے اسلام کی اشاعت کے تمام راستے کھل گئے جس کی وجہ سے اسلام کی فتح کا سامان ہوگیا۔ اسی مصالحت کے زمانہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ یہ وہی خالد بن ولیدؓ ہیں جو ایک دو دفعہ نہیں کئی مرتبہ مسلمان کے خلاف لشکر کشی کرکے مسلمانوں سے مقابلہ کیا ہے لیکن اسی زمانہ میں اللہ نے ان کو ہدایت عطا فرمائی۔ فرمایا کہ ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

جو لشکر اسلام سے مقابلہ کرنے کیلئے آتا تھا اب حضور اکرم ﷺ کے قدموں میں گر کر اسلام قبول کرلیتا ہے۔ اسی مصالحت اور سکون کے زمانہ میں لوگوں کو اسلام سے واقف ہونے کا موقعہ ملا۔ مکہ اور اطراف واکناف مکہ سے جو تجارتی قافلہ شام کے طرف جاتا تھا اور پھر وہاں سے واپس ہوتا تھا تو مدینہ میں ٹھہرتا تھا، اسلام سے واقفیت ہوتی تھی اور حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجاتا تھا، جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ ۶ھ کا واقعہ ہے جس میں صرف چودہ سو صحابہ شریک تھے اور اس کے ڈیڑھ سال کے بعد ۸ھ میں حضور اکرم ﷺ نے دس ہزار مسلمانوں کو لیکر مکہ فتح کیا۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال ہو کہ یہ معاہدہ تو دس سال کا تھا اور ۶ھ سے ۸ھ تک تو دو سال ہی ہوتے ہیں پھر مسلمانوں نے مکہ پر کیسے چڑھائی کردی؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس دس سالہ معاہدہ کو خود کفار مکہ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف خفیہ ساز باز کرکے یکطرفہ طور پر توڑ دیا تھا جبکہ اسلام کی تاریخ آپ کو یہ بتلاتی ہے کہ اسلام نے چوروں کی طرح چھپ چھپ کر کبھی حملہ نہیں کیا، اس لئے کہ اگر لڑنا ہے تو مردوں کی طرح آمنے سامنے آکر لڑو۔ عورتوں

اور چوروں کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ مگر کفار مکہ نے اسی طریقہ کو اختیار کر کے اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد بھی تقریباً دس ہزار ہو گئی تھی، چنانچہ سرکار دوعالم ﷺ نے یہ اعلان فرمادیا کہ چلو مکہ فتح کرنے کیلئے چلو۔ پھر تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آئے ہیں اور آکر انہوں نے مکہ کو فتح کیا ہے۔

اسلام آداب جنگ اور اُس کا علم بردار ہے ورنہ یاد رکھئے! اسلام نے جنگ کیلئے جو اصول وقوانین مرتب کئے ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے اسلام کا مقصد خون بہانا نہیں ہے، جانوں کو ضائع کرنا نہیں ہے۔ بلکہ جنگ وجہاد سے اسلام کا ایک اہم ترین مقصد اور عظیم نصب العین وابستہ ہے۔ اور وہ روئے زمین پر امن وامان قائم کر کے اللہ کی مخلوق کو اللہ کے قوانین کے مطابق چلانا ہے۔ ظلم وجور کی بیخ کنی کرنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ کے موقعہ پر آپ ﷺ نے علی الاعلان یہ فرمادیا کہ عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کرنا، بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کرنا، دوسرے مذاہب کے راہبین جو اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے عبادت کر رہے ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ مخالف اسلام ہیں مگر ان کو بھی کچھ نہ کرنا۔ ہاں! اگر انہوں نے عبادت خانہ میں اسلحہ وغیرہ چھپا کر رکھا ہے تو وہ راہب قابل گردن زدنی ہے اس لئے کہ وہ بھی لڑنے والوں میں شمار ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ فرمایا کہ کوئی شخص سایہ دار درختوں کو نہ کاٹے، کوئی شخص کھڑی ہوئی اور تیار فصلوں کو تباہ نہ کرے، اس لئے کہ اس سے انسانوں اور مویشیوں کا رزق وابستہ ہے۔ فرمایا کہ ان سب کی حفاظت کی جائے گی۔ اسی وجہ سے سبحان اللہ! سرکار دوعالم ﷺ جس علاقہ کی طرف قدم بڑھاتے تھے، جس علاقے میں تشریف لے جاتے تھے تو وہاں کے لوگوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ جنگ کی آگ آرہی ہے بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اللہ کی رحمت آرہی ہے۔

فتح مکہ اور کفار مکہ چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو کفار مکہ اس وجہ سے ڈرے اور سہمے

ہوئے تھے کہ ہم نے ہی ان مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا۔ آج یہ لوگ ہم سے بدلہ لیں گے۔ ایک صحابی کو جوش آگیا پھر وہ گلی کوچوں کے اندر جھنڈا لیکر یہ اعلان کرنے لگے۔

الیوم یوم الملحمه ۔ الیوم تستحل الحرمة

آج قوت وزور آزمائی کا دن ہے، آج کسی چیز کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ نہ سمجھنا کہ یہ مکہ کی سرزمین ہے جو قابل احترام ہے۔ آج سرزمین حرم میں بھی تمہاری گردنیں ماری جائیں گی۔ کفار پہلے سے ڈرے سہمے ہوئے تھے یہ اعلان سن کر اور ڈر گئے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع مل گئی۔ آپؐ نے ان کو بلایا اور فرمایا کہ تم سے کس نے کہا کہ یہ نعرہ لگاؤ؟ آپؐ نے ان سے جھنڈا لے لیا اور ایک دوسرے صحابی کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ جاؤ اور جاکر یہ اعلان کردو۔

الیوم یوم المرحمة الیوم یوم المرحمة

یعنی آج قوت کے مظاہرہ کا دن نہیں ہے، آج خونریزی کا دن نہیں ہے، آج رحمت خداوندی کے ظہور کا دن ہے، آج مکہ والوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کر کے ان کے وطن سے بے دخل کردیا تھا یہ معلوم ہوجائے گا کہ اسلام ان سے کوئی انتقام لینا نہیں چاہتا۔ آج تمہیں یہ معلوم ہوجائے گا کہ مسلمان خونریزی نہیں چاہتے۔ وہ ظلم وتشدد کو روا نہیں رکھتے۔ غرضیکہ حضور اکرم ﷺ نے امن کے اور جان بچانے کے جتنے طریقے ہوسکتے تھے سب کا اعلان فرمادیا۔

امن ہی امن فرمایا کہ لڑنے والا جو کافر اپنی تلوار کو میان میں ڈال لے اسے مت قتل کرو، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اسے بھی امن ہے، اس کو مت مارو، جو اپنے گھر میں داخل ہوکر کنڈی لگالے اسے بھی قتل مت کرو، جو بیت اللہ کے اندر داخل ہوجائے اس کو بھی امن ہے۔ خلاصہ یہ کہ امن وامان کے جتنے طریقے ممکن ہوسکتے تھے سب کا اعلان فرمادیا۔

انسانیت اسلام کے سایہ میں یہی وجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کا فتح ہونا تھا کہ انسانوں کے دلوں میں اسلام کی ایسی محبت جاگزیں ہو گئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسلام قبول کرنے کیلئے لوگ زمینوں اور پہاڑوں سے اُگلے پڑ رہے ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا ذکر اس طرح سے کیا ہے فرمایا کہ

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ﴿١﴾ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ﴿٢﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿٣﴾

لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اب اہل عرب یہ سمجھ گئے کہ خانہ کعبہ خدا کا گھر ہے اور اس گھر کا قبضہ اسی کو مل سکتا ہے جو خدا کا رسول ہو۔ سرکار دو عالم ﷺ چونکہ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اس لئے اس گھر کا قبضہ ان کو ملا ہے۔ جس کے ذریعہ آپ ﷺ نے پورے عرب و عجم میں اسلام کی شوکت و عظمت کا جھنڈا گاڑ دیا۔

تو میرے دوستو! یہ واقعہ میں نے اس لئے سنایا کہ اگر ایسے حالات کے اندر اگر ہمارا مقابلہ بھی دشمنوں سے ہو جائے تو ہم ہمیشہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے واقعات سے سبق حاصل کریں اور ان کے جذبات کو اپنے سامنے رکھیں۔ اس سے دو فائدے ہوں گے۔ ایک فائدہ تو یہ ہو گا کہ ہم خود اپنے اندر ان مسلمانوں کی رنگ ڈھنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں گے جس کی وجہ سے اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد کھینچ کر آتی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جو قوم اللہ کی راہ میں نکلتی ہے تو چاہے اس کے پاس ظاہری سازوسامان کم ہو مگر اللہ کی نصرت اور اللہ کی مدد ہمیشہ اسی قوم کے ساتھ ہوتی ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه

سبحان ربک رب العزة عما یصفون

وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العلمین

برحمتک یا ارحم الراحمین

صبر کے اقسام

برہمنیت اسلام میں بے شک نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ ڈاکٹر سے علاج کرانے پر مجبور ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی کوئی نسل ہوگی؟ کیا ڈاکٹروں کی کوئی قوم ہوتی ہے۔ اگر مقدمہ کیلئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وکیلوں کی کوئی نسل ہوتی ہے؟ اگر مشین (MACHINE) لگانے کیلئے (ENGINEER) کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا انجنیئروں کی کوئی قوم ونسل ہے۔؟ اگر انجنیئروں کی کوئی نسل نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹروں کی کوئی نسل نہیں ہے۔ اگر وکیلوں کی کوئی نسل نہیں ہے تو معاف کیجئے گا مولویوں کی نسل کہاں سے آگئی؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبر کے اقسام

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ
وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ
وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ
وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا
وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ . فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ
مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ
عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ
قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِى النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ
تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا
جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِىْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾

صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ سُوْرَةُ الْمُزَّمِّل

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! گذشتہ جمعہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ چار باتیں ہیں جو انسان کے برتاؤ اور اس کے سلوک سے تعلق رکھتی ہیں ان میں سے پہلی بات صبر ہے۔ اور صبر کے معنی بھی میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ایک مقام ہے کہ جس پر فائز ہونے کے بعد زندگی کے مختلف شعبوں میں اس جوہر کا ظہور ہوتا ہے البتہ مختلف جگہوں پر اس کے نام تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اس کا بڑا عنوان صبر ہی ہوتا ہے۔

لفظ صبر کا تنوع یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مختلف قسم کے اخلاق . مختلف قسم کے برتاؤ اور مختلف قسم کی عبادتوں پر لفظ صبر کا اطلاق کیا گیا ہے چنانچہ روزہ کو بھی صبر کہا ہے، اور وہ آیت کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے نیکیوں کی جڑیں اور نیکیوں کے اصول بیان کئے ہیں اور جو آیت بر کہلاتی ہے وہ مشہور آیت یہ ہے:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

ترجمہ۔ (کچھ سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو، یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور تمام کتب (سماویہ) پر اور (تمام) پیغمبروں پر (بھی یقین رکھے) اور (وہ شخص) مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں (بھی مال خرچ کرتا ہو) اور (وہ شخص) نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ جب عہد کرلیں اور وہ لوگ مستقل مزاج رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں یہی لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں)

اس آیت میں بھی صبر کو ابواب بر میں سے شمار کیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر کے مختلف شعبے ہیں اور زندگی کے مختلف میدان میں صبر کے مختلف نام ہیں، اور فرمایا کہ والصابرین فی الباساء صبر کے تین الگ الگ اقسام ہیں، اگر کوئی شخص فقر وفاقہ اور تنگدستی کے اوپر صبر کرتا ہے تو اسی صبر کا نام قناعت ہے، ایسے شخص کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ یہ بندہ بڑا قانع ہے، اللہ کی طرف سے جو حالات سامنے آگئے وہ اسی پر قناعت کئے ہوئے ہے اسی پر صابر ہے۔ والضراء اس کے معنی

ہیں بیماری اور مرض۔ اگر کہیں چوٹ لگ گئی۔کوئی بیماری آگئی تو اس پر ہائے واویلا اور جزع وفزع نہیں کرنی چاہئے اس پر بھی صبر کرنا چاہئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا شدت بخار سے کراہنا حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بخار کی شدت اور تکلیف میں کراہ رہے تھے۔ کسی شخص نے آپؓ سے کہا کہ یا امیر المؤمنین! آپ امیر المؤمنین ہیں اور اس طریقہ سے کراہ رہے ہیں؟ کیا آپ اللہ کی دی ہوئی بیماری کی شکایت کر رہے ہیں؟ آپ کراہ جو گویا دوسروں پر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ خدا نے مجھے تکلیف و پریشانی میں مبتلا کیا ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ نہیں! میں اللہ کی دی ہوئی بیماری کی شکایت نہیں کر رہا ہوں بلکہ میں اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہوں کہ اے اللہ! یہ بیماری کی نعمت جو تو نے مجھے عطا فرمائی ہے میرے اندر اس نعمت کے برداشت کی قوت نہیں ہے اس لئے اس کو دوسری نعمت سے تبدیل کر دے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صرف اپنی ناتوانی اور عاجزی کا اظہار کیا، اللہ کی شکایت نہیں کی۔ تو اگر کوئی شخص بیماری پر صبر کرتا ہے اسی کے متعلق فرمایا کہ والضراء، اور بیماری کے اندر صبر کرنے والے۔ یہ دوسری قسم کا صبر ہے۔ آگے فرمایا وحین الباس۔ باس سے مراد سخت خوف وہراس اور تکلیف کے وہ حالات ہیں جو میدان جہاد اور میدان جنگ میں پیش آتے ہیں۔ فرمایا کہ ان حالات کے اوپر صبر کرنا، یہ بھی صبر ہے، اور یہ تیسری قسم کا صبر ہے۔

صبر کی حقیقت تو تنگدستی میں صبر کرنا بھی صبر ہے، بیماری میں صبر کرنا بھی صبر ہے اور میدان جہاد کی تکلیفوں پر صبر کرنا بھی صبر ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ وہ جوہر ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں میں اس کے مختلف نام ہوتے ہیں، اگر میدان جہاد میں یہ جوہر ظاہر ہوتا ہے تو اسی کا نام

شجاعت ہے۔ اگر غربت و تنگدستی میں کوئی صبر کرتا ہے تو اسی کا نام قناعت ہے اور اگر بیماری کی حالت میں اس جوہر کا ظہور ہوتا ہے تو اسی کا نام تحمل و برداشت اور رضا بالقضاء ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کس چیز پر آپ ﷺ کو صبر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے؟ مَایَقُوْلُوْنَ اور عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ پر۔ یعنی آپ ان باتوں پر صبر کریں جو دشمن اور کفار آپ کے بارے میں کہتے ہیں فرمایا کہ۔ وَاصْبِرْ عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ کفار کیا کہتے تھے؟ آج اس مجلس میں اسی کی تفصیل عرض کرنی ہے۔

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کی عادت اور یہ اصول ہے کہ جب کوئی حق کی آواز بلند کرتا ہے، جب کوئی حق کا نعرہ لگاتا ہے تو چاروں طرف سے اس کی مخالفت ہونے لگتی ہے، یہ حق کی ایسی خاصیت ہے جو کبھی نہیں بدلتی۔ اگر نبی کی طرف سے یہ آواز بلند کی جاتی ہے تب بھی مخالفت ہوتی ہے اور اگر نبی کے غلام اور خادم کی طرف سے یہ آواز بلند کی جاتی ہے تب بھی مخالفت ہوتی ہے

پہلی وحی اور حضور اکرم ﷺ کی کیفیت

یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے اوپر جب سب سے پہلی وحی اتری تو آپؐ مکان پر تشریف لائے اور آکر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پاس سارا واقعہ نقل کیا۔ وہ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی (ورقہ بن نوفل) کے پاس لے گئیں۔ وہ قدیم مذاہب سے واقفیت رکھتے تھے جب سرکار دوعالم ﷺ نے ان کے پاس جاکر ساری کیفیت نقل کی تو وہ سن کر فرمانے لگے کہ وہ شخص جس نے آپ کو پڑھنے کیلئے کہا تھا وہ ناموس اور خدا کے بھیجے ہوئے فرشتہ حضرت جبرئیل تھے، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ آپ کو نبوت عطا فرمائیں گے، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ فرمایا کہ ہمیشہ سے یہ اصول چلا آرہا ہے

کہ جب کسی نے حق کی آواز بلند کی ہے تو وہاں کے گردو پیش اور آسمان وزمین اس سے خفا ہوگئے ہیں اور اس کی مخالفت کئے ہیں. جس کیوجہ سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے مقام اور اپنے علاقے سے ہجرت کرنی پڑی ہے۔ فرمایا کہ

ہے ترکِ وطن سنت محبوب الٰہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ترک وطن کرنا پڑا چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے بھی ہجرت کی۔ اور آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ جب ان کے والد نے یہ کہا۔

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِىْ مَلِيًّا

یہ گھر کی مخالفت ہے! حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد نے ان سے یہ کہا کہ اے ابراہیم! اگر تم ان باتوں سے باز نہ آئے تو یاد رکھو! پتھروں سے مار مار کر تمہیں ہلاک کردوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّىْ ۔ اِنَّهٗ كَانَ بِىْ حَفِيًّا

اچھا! اب میں جاتا ہوں۔ میں آپ کیلئے ہدایت اور مغفرت کی دعا کروں گا۔ لیکن اب میں جاتا ہوں۔ اب اس گھر سے میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ اس گھر میں خدا کی توحید پہنچاؤں لیکن اب معلوم ہوا کہ یہاں قبول کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر چھوڑ کر چلے گئے اور جاکر قوم کو متوجہ کیا پھر جب قوم نے بدسلوکی کی اور آگ میں ڈالا تو اپنے وطن عراق کو چھوڑ کر شام و فلسطین کے علاقے میں چلے گئے۔

حق کی مخالفت ضرور کی جائیگی تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ حق کی خاصیت یہ ہے کہ جب بھی کسی نے حق کی آواز بلند کی ہے اسے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ جب حضور اکرم ﷺ نے دنیا کو حق کا پیغام سنایا تو آپ کی بھی مخالفت کی گئی۔ یہاں

یہ خیال نہیں کیجئے گا کہ حضور اکرم ﷺ تو تمام پیغمبروں میں سب سے افضل ہیں۔ اللہ کے حبیب ہیں تو کیا آپؐ کی بھی مخالفت کی گئی؟ کیا آپ کو بھی اسی منزل سے گذرنا پڑا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء یہ خیال اس لئے نہیں آنا چاہئے کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! اے میرے اللہ! میں تجھ سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ تو مخلوق کی زبانوں کو اس طریقہ سے بند کردے اور ان کی زبانوں پر اس طرح سے تالا لگادے کہ وہ ہماری مخالفت میں باتیں نہ کرسکیں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے ہمارے نبی اور پیغمبر! اگر میں یہ کرنا چاہتا تو پہلے اپنے لئے کرتا لیکن جب میں نے خود اپنے لئے نہیں کیا تو پھر کسی دوسرے کیلئے اس طرح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ خلق خدا کی زبان صرف نبی کی مخالفت تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ خدا کی مخالفت میں بھی باتیں کرتے ہیں۔ اور جب لوگ خدا کی مخالفت میں باتیں کرتے ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی زبانوں پر مہر نہیں لگائی۔ تالا نہیں لگایا تو پھر کسی دوسرے کیلئے تالا لگانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

انسان جیسا گمان کرتا ہے ویسا ہی قدرتی انتظام ہوجاتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص نے خدا سے ناراض ہو کر آسمان کی طرف تیر کمان کرکے خدا کو مارنے کی کوشش کی۔ جب اس کا چلایا ہوا تیر واپس آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو سرخ رنگ کرکے بھیجا تاکہ اسے یقین ہوجائے کہ جس کو میں مارنا چاہتا تھا اس کو تیر لگ گیا اور وہ مرگیا۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے۔ فرمایا کہ ؎

قیل ان الالٰہ ذوولد ‖ قیل ان الرسول قدکھن

مانجی اللہ والرسول معا ‖ من لسان الوری فکیف انا

فرمایا کہ لوگوں نے اللہ پر یہ الزام لگا دیا کہ اللہ صاحب اولاد ہے، اس کے بیوی اور بچے ہیں۔ نبی پر بھی الزام لگا دیا کہ وہ نعوذ باللہ کاہن اور جادو گر ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ جب خلق خدا نے اللہ کو نہیں چھوڑا، اس کے رسول کو نہیں چھوڑا تو تجھے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ تو کیسے بچنے کی کوشش کرتا ہے؟

جسکا مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو بھی اس منزل سے اسی لئے گذرنا پڑا کہ حق کی خاصیت یہی ہے۔ اور بعض لوگوں نے تو یہ اصول بنالیا ہے کہ جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ کسی کی حق بات پر ان کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے تو انہیں شبہ ہو جاتا ہے کہ آیا یہ حق ہے بھی یا نہیں؟ آج دنیا میں حق اسی طریقہ سے پہچانا جاتا ہے کہ جس کی مخالفت ہوتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ اس کی آواز حق ہے اور جس کی کوئی مخالفت نہیں ہوتی ہے تو سمجھا جاتا ہے کہ شاید یہ حق پر نہیں ہے۔

دین جمہوریت نہیں ہے کہ فیصلہ اکثریت پر ہو یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ آجکل اہل باطل کہا کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کتنے آدمی ہیں، اگر ہم حق پر نہیں ہوتے تو اتنی بڑی فوج ہمارے ساتھ نہیں ہوتی، اگر یہی آپ کی دلیل ہے تو یہ بتائیے کہ دنیا میں ابلیس وشیطان کے ساتھ کتنے لوگ ہیں؟ اگر آپ اندازہ لگائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سو میں سے صرف دس آدمی خدا کی اطاعت وفرماں برداری کرنے والے ہیں اور نوے آدمی ابلیس وشیطان کے ساتھی ہیں۔ تو کیا اس کے ساتھ اتنی بڑی فوج اور اتنی بڑی اکثریت ہونے کی وجہ سے ابلیس حق پر ہو جائے گا؟ یاد رکھئے، اہل حق کی تعداد ہمیشہ قلیل رہی ہے اور اہل باطل ہمیشہ کثیر تعداد میں رہے ہیں، یہ اور بات ہے کہ حق کا وزن اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ سارے کے سارے پانی کے اوپر چھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے اندر مسلمانوں کی تعداد مخالفین اسلام کے مقابلہ میں ہمیشہ تھوڑی رہی ہے۔ اگر آپ یہود ونصاریٰ، آتش پرست اور بت پرست، بدھسٹ

(BUDDIST) اور مشرکین اور دنیا کی وہ آبادی جو کسی مذہب وملت کو نہیں مانتی ہے جیسا کہ آفریقہ کے اندر ایسے بہت سے علاقے ہیں کہ جن میں ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ اگر آپ تمام قوموں کی کل آبادی کو شمار کریں پھر یہ دیکھیں کہ ان میں مسلمان کتنے ہیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوجائے گی کہ ان میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور اس کے مخالفین کی تعداد ان کی تعداد سے چار چھ گنا زیادہ ہے، معلوم ہوا کہ کثرت تعداد حق پر ہونے کی علامت نہیں ہے، یہ کوئی معیار حق نہیں ہے، اکبر الہ آبادی مرحوم کا شعر یاد آگیا۔ بڑا اچھا شعر ہے۔ فرمایا کہ ؎

ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی || ساری دنیا آپ کی حامی سہی
کفر کے حلقے میں بدنامی سہی || نیک نام اسلام میں رکھے خدا

آپ نے دیکھا! کثرتِ تعداد کوئی معیار نہیں ہے، حق والوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے البتہ وزن کے اعتبار سے وہ اہل باطل پر چھا جاتے ہیں میں یہ عرض کررہا تھا کہ بعض لوگوں نے یہ معیار بنالیا ہے کہ اگر کسی کی مخالفت ہوتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر ہے اور اگر مخالفت نہیں ہوتی ہے تو سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر نہیں ہے لیکن یاد رکھئے! یہ اسلام کا کوئی اصول نہیں ہے لہذا میں آپ لوگوں سے یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی یہ اصول بنالیں۔ یہ ایک کیفیت اور حالت کا نتیجہ ہوتا ہے جو بعضوں کے اندر پیدا ہوجاتی ہے، اگرچہ وہ کیفیت اخلاص کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے اسلام کا اصول قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اختلاف ائمہ، حقیقت کیا ہے؟ حضرت سلطان الاولیا، نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ مجھے یاد آگیا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ فقہ پڑھنے گئے تھے۔ اور فقہ کے اندر ایک مسئلہ ایسا ہے جو سب سے بڑا نزاعی اور اختلافی مسئلہ ہے۔ اگرچہ آجکل تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی نزع کی حد تک اختلافات پیدا ہوجاتے ہیں مثلاً آمین زور

سے کہی جائے یا آہستہ کہی جائے؟ ہم اور آپ اس مسئلہ میں اس قدر اختلافات کا شکار ہوگئے ہیں کہ لڑائی جھگڑا تک نوبت پہنچ گئی۔ حالانکہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی تحقیق کریں گے کہ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان کتنا اختلاف ہے تو آپ کو یہ کہنا پڑے گا کہ ؎

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا		جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ آمین آہستہ سے کہنا بہتر ہے لیکن اگر کسی نے بلند آواز سے کہدیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آمین زور سے کہنا بہتر ہے لیکن اگر کسی نے آہستہ سے کہدیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ان دونوں اماموں کے اقوال میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ ایک آہستہ سے کہنے کو افضل کہتے ہیں دوسرے زور سے کہنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا یہ آپس سر پھٹول کی چیز ہے؟ کیا یہ اس طرح سے لڑنے کی چیز ہے کہ جسکا مقدمہ عدالت تک پہنچ جائے۔ اس زمانے میں تو خیر ہر قسم کے مقدمے عدالتوں میں لے جائے جاتے ہیں۔

انگریز کی عدالت میں آمین بالجہر کا مقدمہ انگریزوں کے زمانے میں بھی ایسے مقدمے عدالتوں میں لے جائے جاتے تھے اور وہ بیچارے حیران ہوجاتے تھے کہ قصہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ اسی قسم کا مقدمہ ان کی عدالت میں پہنچا۔ کسی مسجد کے اندر نماز ہو رہی تھی، جب امام نے ولا الضالین کہا تو ایک صاحب نے بازو والے کے کان کی طرف منھ کرکے بڑی زور سے آمین کہی۔ پاس والے کو غصہ آگیا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میں نماز میں ہوں اور خدا کے سامنے کھڑا ہوں، اس نے نیت توڑدی اور لڑنا شروع کردیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اس لئے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خدا کا گھر ہے۔

یہاں آزادی کے ساتھ لڑ سکتے ہیں یہاں پولیس نہیں آسکتی۔ اگر باہر لڑیں گے تو پولیس والا آکر پکڑے گا، کسی کے گھر میں لڑیں گے تو وہ ٹیلیفون (TELEPHONE) کر کے پولیس کو بلالے گا لہذا مسجد میں لڑو کہ یہی لڑنے کی جگہ ہے۔ بہرحال! لڑتے لڑتے یہ مقدمہ عدالت میں گیا، اس عدالت کا جج انگریز تھا، اس نے جب دیکھا کہ مذہبی معاملہ کی بنیاد پر یہ جھگڑا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ بھائی! بلاؤ کسی مذہبی رہنما کو۔ انگریزوں کے اندر جہاں بہت سی خرابیاں تھیں وہیں ان میں بعض اچھائیاں بھی تھیں۔

عیبے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

اور یہ اچھائی ایک معقول قسم کی اچھائی ہے جو ہر ایک کے اندر ہونی چاہئے۔ اور وہ یہ کہ جو جس کا فن ہے اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں دینا چاہئے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ مذہب کا معاملہ ہے، اسکا تعلق مذہب کی کتاب سے ہے، اس کا تعلق علماء مذہب سے ہے۔

اور آجکل معاف کیجئے گا: ہمارا قصہ یہ ہے کہ جس نے فارسی پڑھ لی وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ دنیا کے سارے علوم اسے حاصل ہیں، آج ہر شخص خواہ وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھے، حاکم کی کرسی پر بیٹھے یا کسی کرسی پر بیٹھے یہ دعوی کرتا ہے کہ مجھے یہ حق ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کردوں، مجھے یہ حق ہے کہ مسائل شرعیہ بیان کردوں حالانکہ وہ الف کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ یہ ایک انتہائی افسوس ناک بات ہے۔

اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ فرض کرلیجئے اگر میں کسی مل (MILL) میں جاؤں اور جاکر یہ کہوں کہ صاحب! آپ نے جو یہ (مل) لگائی ہے اس سے اندیشہ ہے کہ کہیں کوئی ہوائی جہاز ٹکرا کر نہ گر جائے اس لئے بہتر ہے کہ اس کو کھڑا کرنے کے بجائے لٹادیں اور یہ مشورہ دوں کہ فلاں پرزہ فلاں جگہ سے ہٹا کر فلاں جگہ لگا دیجئے۔ آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا وہ مل والا قہقہہ نہیں لگائے گا؟ کیا وہ یہ نہیں کہے گا کہ مولانا! ہم نے تو

ایک ایک پرزہ کے متعلق پڑھا ہے۔ اس کے تجربہ میں اپنی عمریں صرف کی ہیں تب جاکر یہ کام کررہے ہیں، مولانا! آپ نے اس سلسلہ میں کتنا وقت صرف کیا ہے؟ اور اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ نہیں جانتے ہیں تو پھر دوسرے کے فن میں کیوں دخل دیتے ہیں؟ اسی طریقہ سے اس زمانے میں ایسے لوگ ہیں جو خدا کی قسم! عربی کے ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں لیکن قرآن کریم کے معارف وحقائق بیان کرتے پھرتے ہیں مگر ہمیں نہیں معلوم کہ کیسے اور کہاں سے بیان کرتے ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے ؎

تو نہ دیدی گہہ سلیماں را　　　چہ شناسی مرغ زباں را

تجھے نہیں معلوم کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کون تھے؟ ان کی سلطنت کیسی تھی؟ اور پرندوں کی زبان کیا تھی؟ فرمایا کہ ؎

کرے ہرگز نہ مسٹر جرات تفسیر قرآنی　　　زبان یارمن ترکی وتو ترکی نمی دانی

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ مذہبی مسائل کے سلسلہ میں انگریز کم از کم اتنا کرتے تھے کہ وہ علماء کو بلاکر پوچھ لیتے تھے کہ اس مسئلہ میں شریعت اور مذہب کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ اور یہ جیسا کہ میں نے عرض کیا ایک معقول بات ہے۔

بیمار ذہنیت کی فکر مفلوج بعض روشن خیال لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں پنڈتوں کا کوئی اصول نہیں ہے۔ اسلام میں برہمنیت نہیں ہے۔ اور برہمنیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک نسل کے اندر برابر رہنما پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسلام میں یہ برہمنیت نہیں ہے پھر اسلام کے اوپر علماء کی اجارہ داری کیونکر قائم ہوسکتی ہے۔ انہیں یہ یاد رکھ لینا چاہئے کہ برہمنیت کی طرح اسلام میں کوئی ایسی نسل نہیں ہے کہ جس میں برابر مولوی اور علماء پیدا ہوتے چلے جارہے ہیں۔ ہاں! بعض گھرانے ایسے ہیں جو مولویوں کا گھرانہ کہلاتے ہیں مگر ان کی بھی یہ حالت ہے کہ ایک دو پشت تو مولوی ہوتے ہیں، ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوجاتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دادا جی بڑے اچھے مولوی تھے،

ہمارے والد صاحب بڑے اچھے عالم تھے باقی میں نے کچھ نہیں کیا۔ جیسا کہ آجکل ان لوگوں کی حالت ہے جو پیروں کی اولاد میں سے ہیں، انہیں اپنے آباء واجداد کے نام سے ہی سب کچھ ملتا ہے، اپنے ناموں کے ساتھ پیر لگا دیتے ہیں باقی خود ان کے اندر کچھ نہیں ہے، آج اگر ان سے کہا جائے کہ بھائی! وہ جو تمہارے دادا پردادا کا کام تھا چلو! ذرا تم بھی ان میں سے کچھ کرو۔ تو کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنا وقت ضائع کیا، میں کیوں اپنا وقت ضائع کروں؟

علم حاصل کیا جاتا ہے وراثت میں نہیں آتا تو میں نے عرض کیا کہ برہمنیت اسلام میں بے شک نہیں ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر آپ ڈاکٹر سے علاج کرانے پر مجبور ہیں تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹروں کی کوئی نسل ہوگی؟ کیا ڈاکٹروں کی کوئی قوم ہوتی ہے۔ اگر مقدمہ کیلئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وکیلوں کی کوئی نسل ہوتی ہے؟ اگر مشین (MACHINE) لگانے کیلئے (ENGINEER) کی ضرورت پڑتی ہے تو کیا انجنیئروں کی کوئی قوم و نسل ہے؟ اگر انجنیئروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر ڈاکٹروں کی کوئی نسل نہیں ہے، اگر وکیلوں کی کوئی نسل نہیں ہے تو معاف کیجئے گا مولویوں کی نسل کہاں سے آگئی؟

مولانا عبید اللہؒ سندھی کون تھے؟ بلکہ ہم اس وقت ایک زندہ مثال پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ جن کے نام سے آپ واقف ہوں گے۔ آجکل جب سے ہم اور آپ سیاست میں لگے ہیں اچھے اچھے بدلے ملنے لگے ہیں اور جس زمانہ میں وہ لوگ سیاست میں تھے تو ہمیشہ پھانسی کے تختے بچھا کر رہتے تھے۔ اس دور کی سیاست قربانی دینے کی سیاست تھی۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ہجرت کی تھی اور ہجرت کر کے افغانستان چلے گئے۔ ایک مقدمہ کی وجہ سے انہیں ملک سے نکال دیا گیا۔ بہت بڑے عالم ہیں، لیکن

آپ کو معلوم ہے کہ یہ کون ہیں ؟ یہ ایک سکھ گھرانہ میں پیدا ہوئے اور بچپن میں ہی سکھ مذہب سے تائب ہوکر مسلمان ہوگئے۔ علم دین حاصل کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان کو اپنا سرتاج اور رہنما بنایا۔ تو معاف کیجئے! مولویوں کی کوئی نسل نہیں ہے اگر کوئی ہندو یا سکھ کے گھرانہ میں بھی پیدا ہو اور مسلمان ہوکر علم دین حاصل کرلے تو وہ عالم اور رہنما ہوسکتا ہے۔ وہ مسئلہ بتلاسکتا ہے۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھیں کہ اس کیلئے فن سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو معاف کیجئے گا آپ ڈاکٹروں اور انجنیروں کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ یہ وکیلوں کے گھر کا چکر کیوں لگاتے ہیں ؟ عقل تو یہ فتویٰ دیتی ہے کہ کسی فن کی بات اسی فن والے سے دریافت کرنی چاہیے۔

اسلامی احکامات پہلے غیروں کو بتایئے

تقریباً ۵۶۔۱۹۵۵ء کی بات ہے جب میں ایسٹ افریقہ (EAST AFRICA) گیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک سرکاری نوٹس دکھایا۔ جس کا پس منظر انہوں نے یہ بیان کیا کہ صاحب! یہاں انگریزوں کی حکومت ہے اور فلاں جگہ مسلمانوں کی آبادی ہے۔ وہاں ان کے معمولی معمولی مکانات ہیں، اور ایک مسجد بھی انہوں نے وہاں بنا رکھی ہے۔ اس کے متعلق سرکاری نوٹس یہ آیا ہے کہ اس علاقہ میں ہم نئی آبادی بنا رہے ہیں اس لئے تم اپنی مسجد کو یہاں سے ہٹالو۔ وہ لوگ آکر مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے؟ میں نے کہا، بھائی! اس نوٹس کے جواب میں پہلے تم مسلمانوں کا نقطۂ نظر انہیں بتاؤ۔ آپ انہیں یہ بتلائیں کہ مسجد کے متعلق مسلمانوں کا مذہبی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ جس جگہ مسجد بن گئی تو قیامت تک وہ مسجد رہے گی۔ اس جگہ کوئی دوسری تعمیر کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس نوٹس کا جواب لکھا اور اس میں وضاحت کے ساتھ مذہبی نقطۂ نظر کو بتلایا اور وہاں اس کیلئے طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جامع مسجد کے امام وخطیب کی تصدیق ضروری ہوتی تھی۔ جب نقطۂ نظر حکومت کے پاس پہنچ گیا تو انہوں نے لکھا کہ ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ

آپ لوگوں کا مذہبی نقطۂ نظر اس طرح ہے، اگر آپ لوگوں کی شریعت یہی کہتی ہے تو بے شک آپ مسجد وہاں سے نہ ہٹائیں لیکن کم از کم اتنا کریں کہ جیسی شاندار آبادی ہم بنانا چاہتے ہیں اس کے مطابق مسجد کو بھی شاندار بنادیجئے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ ایسے شرعی مسائل کے سلسلہ میں وہ لوگ واقف کار آدمیوں سے دریافت کرلیا کرتے تھے اور یہ ایک معقول بات ہے، اس سے ہمیں بھی سبق حاصل کرنا چاہئے۔

آمین بالشر کی اجازت نہیں ہے خیر! میں وہ واقعہ عرض کررہا تھا کہ اس بیچارے انگریز جج نے کسی عالم کو بلایا اور پوچھا کہ شریعت میں آمین کا کیا مسئلہ ہے؟ انہوں نے کہا، صاحب! آمین کہتے کہ جب نماز میں امام سورہ فاتحہ پڑھ کر ختم کرتا ہے تو آمین کہی جاتی ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں، ایک آمین بالسّر اور دوسری آمین بالجہر، آمین بالسر کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح آہستہ سے آمین کہی جائے کہ کہنے والا خود اپنے آپ سن لے مگر پاس والا بھی نہ سنے۔ اور آمین بالجہر یہ ہے کہ اتنی آواز کے ساتھ آمین کہے کہ پاس والا سن لے یہ ضروری نہیں ہے کہ ساری مسجد والے سنیں۔ جج نے تمام قوانین لکھ لئے اور پوچھا کہ بس یہی دو قسمیں ہیں؟ انہوں نے کہا، ہاں! یہی دو قسمیں ہیں کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ تو جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے مجھے یہ پتہ چلا کہ آمین کی دو قسمیں ہیں، ایک آمین بالجہر اور ایک آمین بالسّر، اور یہاں جو اس نے آمین کہی ہے یہ ان دونوں قسموں سے ہٹ کر تیسری قسم کی آمین ہے جسکا نام آمین بالشّر ہے، اس کا مقصد شر اور فساد پھیلانا ہے لہٰذا اس کی اجازت نہیں ہے۔

اختلاف ائمہ کا نازک مرحلہ تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن میں ائمہ کے درمیان معمولی اختلافات ہیں لیکن ایک مسئلہ کہ جس میں بہت بڑا اختلاف ہے اور وہ اختلاف امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سورہ فاتحہ اور قرآن کریم کی دوسری آیتیں امام وفد کے نمائندہ اور لیڈر کی حیثیت سے اللہ کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہے لہذا تمام ارکان وفد کو خاموش کھڑا رہنا چاہئے کیونکہ اگر ایک ہی عرض کو سب مل کر علیحدہ علیحدہ پڑھ کر سنائیں گے تو عدالت کی توہین ہو جائے گی لہذا انہوں نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع فرمادیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اس لئے فرمایا کہ نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا امام ومقتدی دونوں کیلئے واجب ہے۔

اب آپ اندازہ لگایئے کہ یہ اختلاف واقعی ایک بہت بڑا اختلاف ہے۔ ایک امام کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا واجب اور ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دوسرے کہتے ہیں کہ مقتدی کیلئے اس کا پڑھنا حرام ہے، پڑھو گے تو گنہگار ہو گے۔ ایک اللہ والے کیلئے یہ بہت پریشانی کی بات ہے اس لئے کہ دونوں اماموں کی عظمت واحترام اس کے دل میں ہوتا ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ پڑھتے پڑھتے جب اس مسئلہ پر پہنچے تو پریشان ہو گئے اور فرمانے لگے کہ بھائی! میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ سارا اختلاف چونکہ مقتدیوں کے بارے میں ہے اس لئے آئندہ سے میں مقتدی نہیں بنوں گا خود نماز پڑھایا کروں گا اس لئے امام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

لیکن آپ اس سے یہ نہیں سمجھئے گا کہ اگر اس طریقہ سے سب امام بن جائیں گے تو پھر مقتدی کون بنیں گے؟ اس لئے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ انکی ذاتی کیفیت تھی، ان کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی جس کی بنا پر انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔ ہمارے اور آپ کے لئے دو راستوں میں سے ایک ہی راستہ ہے۔ وہ یہ کہ یا تو ہم اور آپ خود امام ابو حنیفہؒ بن جائیں، امام شافعیؒ بن جائیں، امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ بن جائیں اور اجتہاد کریں، حکیم اجمل خان بن جائیں اور اپنا علاج خود کریں اور اگر ہم یہ نہیں

کر سکتے، تو پھر دوسرا راستہ یہی ہے کہ کسی ماہر حکیم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں اور یہ کہیں کہ آپ جو کہیں گے ہم وہی کریں گے۔ تیسری کوئی شکل نہیں ہے۔

داروغۂ جہنم کا سوال اور جہنمی کا جواب

اور یہ میں اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا ہوں۔ قرآن کریم کے انتیسویں پارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ جہنم میں جائیں گے ان سے داروغۂ جہنم یہ پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس کوئی نبی اور رسول نہیں آئے تھے؟ کس وجہ سے آج تم آتش جہنم میں داخل ہوئے؟ اہل جہنم یہ سن کر کہیں گے۔ فرمایا کہ

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل جہنم یہ جواب دیں گے کہ ہاں بھائی! ہمارے پاس رسول بھی آئے، نبی بھی آئے، انہوں نے تبلیغ بھی کیا، لیکن اگر دو باتوں میں سے ایک بات ہم کر لیتے تو آج جہنم میں نہ ہوتے۔ وہ یہ کہ یا تو ہم خود دین کو سمجھ کر اس پر عمل کر لیتے اور یا یہ کہ جو لوگ دین کو سمجھے ہوئے تھے ان کا دامن پکڑ کر یہ کہتے کہ آپ جو بتائیں گے ہم اس پر عمل کریں گے وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور اطاعت کرتے او نعقل یا خود سمجھتے مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تو ہم اہل جہنم میں سے نہ ہوتے (بلکہ جنت میں ہوتے)

اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ نجات کی دو راہیں ہیں یا تو یہ تم خود مجتہد بن جاؤ اور اگر مجتہد نہ بن سکتے ہو تو کسی مجتہد کا دامن پکڑ لو۔ ہماری نجات اسی دوسری راہ میں منحصر ہے کیونکہ ہم مجتہد نہیں بن سکتے: ہمارے اندر مجتہد بننے کی صلاحیت اور اس کی استعداد نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہمارے امام ہیں ہم ان کی تقلید کرتے ہیں اس لئے کہ علمی بصیرت اور علمی صلاحیت کے اندر ہم ان کی جوتیوں کے خاک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ آج کے بے بصیرت مجتہد ایسے ہیں جو یہ

کہتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے، میں جو آپ کو بتاتا ہوں آپ اس پر عمل کریں۔

ایک واقعہ ایک شخص وضو کر رہا تھا، جب وہ سر کا مسح کرنے لگا تو ایک ایسے ہی مجتہد نے کہا، ارے بھائی، تو کس طرح مسح کر رہا ہے؟ اس نے کہا، اس طرح کر رہا ہوں جس طرح امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا ہے۔ کہنے لگا، ارے! اسے چھوڑ دو اور جس طرح میں بتاتا ہوں اس طرح کرو۔ اس نے کہا، اچھا چھوڑ دیا۔ تم بتاؤ کہ مسح کس طرح کروں؟ اس نے بتایا کہ مسح اس طریقہ پر کرنا چاہئے! تو وضو کرنے والے نے کہا کہ جب میری قسمت میں کسی نہ کسی کے بتائے ہوئے ہی پر عمل کرنا ہے تو بھائی! ابو حنیفہؒ کے بتائے ہوئے پر کیوں نہ عمل کروں؛ تیرے کہنے پر کیوں عمل کروں؟ کیا تو ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ بہتر ہے کہ ان کے قول کو چھوڑ کر تیرا قول لے لوں؟

حضرت قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی کی وصیت تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض اوقات کسی کی اپنی خاص کیفیتیں ہوتی ہیں جو قانون اور ضابطہ کا درجہ نہیں رکھتیں، وہ شخصی باتیں ہوتی ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں، انہوں نے تفسیر کی ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام اپنے شیخ کے نام پر تفسیر مظہری رکھا ہے، بڑی اچھی تفسیر ہے۔ اور فقہ میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام "مالابد منہ" ہے، اس کے اندر بڑے اچھے اچھے مسائل ہیں۔ آخر میں ان کا ایک وصیت نامہ بھی ہے اور وہ وصیت نامہ پڑھنے کے لائق ہے۔ آپ کو یہ کتاب ہر جگہ مل جائے گی آپ اس کو پڑھیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ایک مسلمان کو اپنے بارے میں کس طرح وصیت کرنی چاہئے۔ اور ہر مسلمان کی یہ شان ہے کہ وہ اپنے پیچھے وصیت نامہ چھوڑ کر جائے۔

مولاناؒ کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز کا مسئلہ پوچھنے

کیلئے آیا اور کہا کہ حضرت جی! میں فلاں مسئلہ پوچھنے کیلئے آیا ہوں۔ تو مولانا ؒ نے فرمایا کہ بھائی! ذرا ٹھہر جاؤ! پھر اندر گئے اور وضو کر کے آئے اور مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی پھر کہا کہ بھائی! اب پوچھو! اس نے کہا کہ حضرت! بات تو بہت معمولی سی تھی لیکن اس کیلئے آپ نے اتنا اہتمام کیا، کیا وجہ ہے؟ فرمایا کہ بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ میری پوری زندگی میں آج تم پہلے آدمی ہو جس نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے ورنہ جتنے لوگ آتے ہیں کوئی نکاح کا مسئلہ پوچھتا ہے، کوئی طلاق کا مسئلہ پوچھتا ہے، کوئی خلع کا مسئلہ پوچھتا ہے اور کوئی وصیت و وراثت کا مسئلہ پوچھتا ہے۔ فرمایا کہ تم پہلے آدمی ہو جس نے نماز کا مسئلہ پوچھا ہے اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ایک آدمی کو نماز کا مسئلہ پوچھنے کیلئے بھیج دیا ورنہ میرا یہ خیال تھا کہ اگر کسی نے نماز کا مسئلہ نہیں پوچھا تو کہیں میں نماز کے مسائل بھول نہ جاؤں۔

خیر! یہ تو اس زمانے کی بات تھی اور آجکل میرا یہ خیال ہے کہ بعض لوگ ہی ایسے ہیں جو مفتیوں اور قاضیوں کے پاس جا کر خلع، طلاق اور مہر وغیرہ کے مسائل پوچھتے ہیں سب آدمی اس کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ البتہ بیچاری عورتوں کو اللہ نے اتنا دین دیا ہے کہ وہ طلاق، خلع وغیرہ کے مسائل پوچھتی پھرتی ہیں، شوہروں کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یوں تو بے عیب صرف اللہ کی ذات ہے لیکن ہمارے معاشرے میں واقعتہً جتنی دینداری عورتوں کے اندر ہے اور دین کا جتنا خیال عورتوں کو رہتا ہے اتنا خیال مردوں کو نہیں رہتا۔ تو میں وصیت نامہ کا ذکر کر رہا تھا، مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں یہ لکھا کہ جب میرے جنازہ کی نماز پڑھی جائے تو پہلی تکبیر کے بعد ثنا، سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک وجل ثناءک ولا الہ غیرک .... پڑھی جائے۔ پھر سورہ فاتحہ پڑھی

جائے۔ یہ انہوں نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے جبکہ حنفی طریقہ کے مطابق پہلی تکبیر کے بعد صرف ثنا، پڑھی جاتی ہے اور دوسری تکبیر کے بعد درود شریف پڑھے جاتے ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد دعاء مغفرت پڑھی جاتی ہے۔ دعا یہ ہے۔ اللھم اغفر لحینا ومیتنا وشاھدناوغائبنا وصغیرنا وکبیرنا وذکرنا وانثانا۔ اللھم من احییته منا فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان اور چوتھی تکبیر کے بعد دائیں بائیں سلام پھیر دیا جاتا ہے۔ یہ حنفی طریقہ

لیکن حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وصیت نامہ میں لکھا ہے کہ میری نماز جنازہ میں پہلی تکبیر میں ثناء کے بعد سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جائے بلکہ انہوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر فلاں زندہ ہو تو وہی میری نماز جنازہ پڑھائے، اگر وہ نہ ہو تو فلاں پڑھائے اور اگر وہ نہ ہو تو فلاں پڑھائے۔ لیکن نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا حنفیوں کا اصول اور ضابطہ نہیں ہے یہ ان کی اپنی کیفیت ہے اور یہ کیفیت بھی قابل تعریف ہے اس لئے کہ وہ کوئی معمولی درجہ کے لوگوں میں سے نہیں ہیں، بڑے درجہ کے عالم ہیں۔

یاد رکھئے! کسی ضابطہ اور اصول کے اندر کسی کی ذاتی اور شخصی کیفیت کی وجہ سے اس میں کوئی تبدیلی اور کوئی فرق نہیں آتا۔

دینی مسائل اور اس کی نزاکتیں اور جب بات چھڑ گئی ہے تو اسی بات میں سے ایک اور بات نکل آئی۔ وہ یہ کہ فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ کسی نے چار رکعت والی نماز کی نیت باندھی تو وہ دو رکعت پر بیٹھ کر التحیات پڑھے اور فوراً تیسری رکعت کیلئے کھڑا ہو جائے، تاخیر نہ کرے۔ اگر تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہونے میں تین تسبیح کے مقدار دیر ہو گئی تو اس سے سجدہ سہو لازم آتی ہے۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے قعدہ اولی میں بیٹھ کر التحیات

پڑھ لی اور کھڑا ہونا بھول گیا، اس کو یہ خیال ہوا کہ شاید یہ آخری رکعت ہے اس لئے اس نے درود شریف شروع کر دیا۔ اور صرف اللھم صل پڑھا کہ فوراً یاد آگیا، وہ کھڑا ہو گیا تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوا اس لئے کہ اس نے تین تسبیح کی مقدار تاخیر نہیں کی۔ امام شافعیؒ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر سجدہ سہو واجب نہیں ہے اس لئے کہ قیام میں تین تسبیح کے بمقدار تاخیر نہیں ہوئی۔ اس مسئلہ میں دونوں اماموں کا اتفاق ہے۔ لیکن اگر اس نے اللھم صلی علی محمد (ﷺ) تک پڑھ لیا تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب وہ سجدہ سہو کرے گا۔ اس لئے کہ قیام میں تاخیر ہو گئی لیکن حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نہیں بھائی نہیں، اس کے اوپر سجدہ سہو کا جرمانہ نہ لگاؤ، اس لئے کہ اس نے اللھم صلی علی محمد کہہ کر حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجا ہے، اس میں صرف محمد کا لفظ تو بڑھا ہے، اس پیارے نام کو لینے سے اس پر سجدہ سہو کا جرمانہ نہیں لگایا جاسکتا۔

یہاں ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ بعض لوگ اللھم صلی علی محمد کا ترجمہ یہ کرتے ہیں کہ اے اللہ! تو ہمارے نبی محمد ﷺ پر درود بھیج۔ لیکن یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ درود کہتے ہی ہیں اللھم صل علی محمد کہنے کو، تو اگر ہم اس کا ترجمہ یہ کریں کہ اے اللہ، تو درود بھیج تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ! تو بھی اللھم صل علی محمد کہہ۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے اللہ! تو سرکار دوعالم ﷺ پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرما۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قعدہ اولیٰ میں اگر کسی نے بھول کر درود اللھم صل علی محمد تک پڑھ دیا تو چونکہ یہ بڑے پیارے الفاظ ہیں اس لئے میں یہ نہیں کہتا کہ تم سجدہ سہو کرو، مجھے یہ جرمانہ لگاتے ہوئے شرم آتی

ہے۔ لیکن حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں! اسے سجدہ سہو کرنا ہوگا کیونکہ بمقدار تین تسبیح کے تاخیر ہوگئی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا خواب اسی سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ سرکار دوعالم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپؐ نے یہ فرمایا کہ اے ابو حنیفہؒ! تم ان مسلمانوں پر سجدہ سہو کا جرمانہ لگاتے ہو جو ہم پر اللھم صلی علی محمد کہہ کر درود بھیج رہے ہیں؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا جواب دیا؟ سبحان اللہ! جس کا دامن پاک رہتا ہے اسے کوئی خوف ہراس نہیں ہوتا۔ حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا قبر کے سوال وجواب کے متعلق فرماتی ہیں کہ منکر نکیر قبر کے اندر آکر سوال ہی تو کریں گے انہیں آنے دو۔ انشاء اللہ اعلیٰ درجہ کا جواب دیں گے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔

فرمایا کہ ؎ گر نکیر آید و پرسد کہ بگو رب تو کیست
گویم آں کس کہ ربود دل دیوانۂ ما

اگر منکر نکیر نے آکر مجھ سے پوچھا کہ بتا تیرا رب کون ہے تو میں جواب دوں گی کہ میرا رب وہ ذات ہے جس کیلئے میں نے دونوں عالم چھوڑ دیئے۔ سبحان اللہ کیسا مستانہ جواب ہے! لیکن یہ جواب وہی دے سکتا ہے جسکا حساب صاف اور پاک ہو۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جواب میں فرماتے ہیں کہ یارسول اللہؐ! میں نے اس لئے جرمانہ نہیں لگایا کہ اس نے آپ کے اوپر درود بھیجا بلکہ میں نے اس لئے جرمانہ لگایا کہ اس نے آپ کے اوپر بھول کر درود بھیجا ہے حالانکہ آپ کے اوپر ارادہ کرکے درود بھیجنا چاہیے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے اس جواب کو سن کر تبسم فرمایا۔

دورنگی چھوڑ دے ایک رنگ ہوجا بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ بھائی! اگر ہم بھول کر اللھم صل علی محمد تک درود پڑھ لیں تو امام شافعیؒ کا مسئلہ اختیار

کرلیں گے پھر ہم کو سجدہ سہو نہیں کرنا پڑے گا۔ یاد رکھئے! یہ کسی صورت میں درست نہیں ہے، امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ضابطہ میں کوئی نقص اور کوئی خامی نہیں ہے کہ دوسروں کے مسلک کو اختیار کرنے کی کوشش کی جائے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ پر بے شک درود بھیجنا چاہیے لیکن اس کی شان یہ نہیں ہے کہ بھول کر اور بلاارادہ درود بھیجی جائے۔ اس کی شان یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ پر ہم وقت اپنے ارادہ سے ہم درود بھیجیں۔ یہ ایک بہت بڑی عبادت ہے۔

درود شریف کی عظمت حدیث میں آتا ہے کہ تمام عبادتیں ایسی ہیں کہ وہ قبول ہوتی ہیں لیکن کبھی رد بھی ہوسکتی ہیں مگر درود شریف ایک ایسی عبادت ہے جو ہمیشہ قبول ہوتی ہے، کبھی رد نہیں ہوتی۔ آپ حضرات ایک مرتبہ درود شریف پڑھ لیں۔

اللهم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی
ابراهیم وعلی ال ابراهیم انک حمید مجید

تو بات میں یہ عرض کررہا تھا کہ بعض اوقات بعضے کیفیتیں ذاتی اور شخصی نوعیت کی ہوتی ہیں اور اگر چہ وہ کیفیتیں قابل تعریف ہوتی ہیں لیکن پھر بھی وہ اپنی جگہ پر ہوتی ہیں اور شریعت کا ضابطہ اور اصول اپنی جگہ پر ہوتا ہے، ان کیفیات سے شریعت کے اصول وضوابط نہیں بدلتے۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ وقت ختم ہوگیا ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه
وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد
واله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین
والحمد للہ رب العلمین

صبر کا صلہ

کبھی کبھی جو ناخوشگوار باتیں سامنے آتی ہیں، مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اس سے مقبولیت عند اللہ میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس میں اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں، ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو ان آفتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ بندوں کا مرتبہ بلند کرنا ہوتا ہے، اور مرتبہ اس وجہ سے بڑھتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ناخوشگوار بات پیش نہ آئے تو آپ یہ کیسے جانیں گے کہ صبر کسے کہتے ہیں؟ صبر تو کہتے ہی اسی کو ہیں کہ آپ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے اس وقت آپ اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے حدود اور دائرے میں رکھیں۔ معلوم ہوا کہ صبر کی فضیلت اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے چاہے وہ مالی تکلیف ہو، چاہے وہ بدنی تکلیف ہو اور چاہے وہ کوئی اور چیز کی تکلیف ہو۔ جب آپ اور ہم صبر کریں گے تو ہمارا مرتبہ بلند ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صبر کا صلہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مَآ أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ ۗ وَمَن يُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ يَهْدِ قَلْبَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١﴾ سُورَةُ التَّغَابُن

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْم وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! گذشتہ جمعہ سورہ تغابن کی چند آیتیں تلاوت کی گئیں تھیں جنکا مفہوم اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے۔ ان آیتوں میں صاف طور پر یہ بتلادیا گیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ فرش و عرش کی تمام مخلوقات کو جمع فرمائیں گے جسکو یوم الجمع بھی کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ

اس دن ان لوگوں کو بہت بڑی کامیابی ملے گی جن کے دلوں میں ایمان ہوگا۔ جن کے پاس نیک اعمال ہوں گے۔

ایک عام اشکال اور اسکا قرآنی جواب اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہم ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جو واقعتہً ایمان لائے ہیں اور نیک کام کئے ہیں تو ہمیں ایسا نظر نہیں آتا کہ وہ کامیاب ہیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بڑی بڑی تکلیفوں اور بڑی بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہیں، بڑی بڑی آفتوں کے شکار ہیں۔ یہ کیسی کامیابی ہے؟ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کے بعد اب جو مضمون بیان کیا جارہا ہے اس میں اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ فرمایا کہ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ دنیاوی مصیبت میں گرفتار ہونا کامیابی کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے

جس کامیابی کا ذکر فرمایا ہے اگر ہم اور آپ اس کامیابی کو نہ سمجھیں گے تو یقیناً ہم یہ اعتراض کریں گے کہ ہم نے بڑے بڑے خاصانِ خدا اور بڑے بڑے اولیاء اللہ کو دیکھا ہے کہ ایسی ایسی تکلیفوں میں گرفتار ہوئے ہیں کہ ان تکلیفوں کو دیکھا نہیں جاتا جبکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ ایمان اور عملِ صالح والے بڑے کامیاب ہیں؟ اس کیلئے سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہئے کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟

بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دنیا کی ریل پیل کا نام کامیابی ہے۔ اولاد ہوں، بڑی دولت ہو، حشم وخدم ہوں، راحت وآرام کے تمام سامان میسر ہو، بڑے بڑے منصب ہوں اسی کا نام کامیابی ہے لیکن یاد رکھئے: اللہ کی نظر میں اس کا نام کامیابی نہیں ہے کیونکہ اگر اسی کا نام کامیابی ہوتی تو انبیاء کرام سے بھی زیادہ کامیاب قارون ہوتا، اس لئے کہ قارون کے پاس روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں تھیں لیکن آپ نے دیکھا کہ ایک پیغمبر کی توہین کرنے کی وجہ سے عذابِ الٰہی کے طور پر اسے زمین میں دھنسا دیا گیا۔

قارون کی کہانی حدیث پاک کی زبانی قارون کا واقعہ یوں لکھا ہے کہ وہ دراصل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی چچازاد بھائی تھا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بیسویں پارے میں فرمایا کہ

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى

قارون موسیٰ علیہ السلام کے قوم کا آدمی تھا۔ اور قرآن کریم نے تو صرف اتنا ہی بتایا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری اور قوم کا آدمی تھا لیکن حدیث میں اس کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے کہ جب قارون نے اپنے چچازاد بھائی (۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قوم میں ان کا بڑا احترام ہے، ان بڑی عزت ووقعت ہے اور میں

(۱) جلالین ج ۲، ۳۳۳، سورۃ القصص /۷۶

اتنا بڑا صاحب دولت وثروت ہوں مگر قوم کے اندر میرا احترام اور میری عزت نہیں ہے۔ اس لئے قارون نے اس بات کی کوشش کی کہ اگر میں اپنی عزت نہیں بڑھا سکتا تو کم از کم موسیٰ کی عزت تو گرادوں۔

لیکن یاد رکھئے! اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا، اسلام اس کو بدترین قسم کا جرم قرار دیتا ہے، اگر آپ اپنی عزت پیدا کرتے ہیں یہ بڑی اچھی بات ہے لیکن عزت حاصل کرنے کا یہ طریقہ غلط ہے کہ آپ عزت والوں کی عزت کو خاک میں ملادیں تاکہ آپ کی عزت بڑھ جائے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ قارون نے یہی طریقہ اختیار کیا، اس نے ایک عورت کو تیار کیا، اس کو بڑی دولت دی اور یہ کہا کہ تو بھرے مجمع کے اندر قوم اور برادری کے لوگوں کے سامنے موسیٰ پر زنا کا الزام لگادے۔ جب تو موسیٰ پر الزام لگادے گی تو وہ قوم کی نظروں سے گرجائیں گے اور ان کی جگہ قوم کی نظروں میں میرا مقام پیدا ہوجائے گا وہ عورت اس کیلئے تیار ہوگئی۔ چنانچہ اس کیلئے ایک بہت بڑا مجمع جمع کیا گیا۔ لیکن جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے، جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے دلوں کو بدل دیتا ہے (۱)۔ اللہ نے اس عورت کا دل بھی بدل دیا۔ جیسے ہی وہ عورت بھرے مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر الزام لگانے کیلئے آئی اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوگیا، اس کا ضمیر اس بات کو گوارہ نہیں کیا کہ میں ایسی محترم ذات پر الزام لگاؤں چنانچہ اس نے بھرے مجمع میں یہ کہدیا کہ قارون نے مجھے موسیٰ پر الزام لگانے کیلئے دولت دے کر یہاں لایا ہے لیکن میں یہ اعلان کرتی ہوں کہ موسیٰ نے میرے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کی، ان کا دامن بالکل پاک ہے۔

قارون کی رہی سہی عزت بھی چلی گئی، حدیث میں آتا ہے من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب جو اللہ کے کسی مقبول بندہ کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے، ان کی دشمنی

(۱) مسلم / ۴۷۹۸، مسند احمد / ۶۲۸۱

پر اتر آتا ہے فرمایا کہ وہ دراصل بندہ سے نہیں لڑ رہا ہے بلکہ خدا سے مقابلہ کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قارون کو معہ اسکی دولت کے، معہ اس کے محل کے زمین میں دھنسا دیا۔

دنیا کی بہتری رضاءِ خداوندی کی دلیل نہیں

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعضے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کامیابی کے معنیٰ "دنیا کی خوب ریل پیل" ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خدا کی نظر میں یہ کامیابی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کا حال یہ تھا کہ کبھی کبھی آپؐ کے گھر میں کھانا بھی نہیں پکتا تھا، فاقہ کی نوبت آجاتی تھی (۱)۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا

جب کفار کے سامنے خدا کے احکام اور خدا کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ ایمان والوں سے اور مسلمانوں سے کہتے تھے أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ہم اور تم دو فریق ہیں، تم ہم پر اسلام پیش کرتے ہو، تم ایک فریق ہو اور ہم پر اسلام پیش کیا جارہا ہے ہم دوسرے فریق ہیں اور یہ فیصلہ تو خیر بعد میں کریں گے کہ تمہیں ہم پر اسلام پیش کرنا چاہئے یا نہیں، پہلے یہ فیصلہ کرلو کہ ہم دونوں فریقوں میں سے مالی اعتبار سے کون اچھا ہے؟ چلو ہمارے ساتھ ہمارے ساتھ گھر چلو اور دیکھو کہ کتنا شاندار ہے۔ مقام کا ترجمہ محل ہے، اور ندی عربی میں بیٹھک کو کہتے ہیں، یعنی جہاں ہم اپنی نشست لگاتے ہیں ذرا وہاں کا سامان چل کر دیکھو، ہم تمہارے گھر چلتے ہیں تم ہمارے گھر چلو، ہم تمہاری بیٹھک دیکھتے ہیں تم ہماری بیٹھک دیکھو پھر فیصلہ کرو کہ ہم دونوں میں سے کس کے دولت و ثروت زیادہ ہے؟ اگر محل ہمارا اچھا ہے، اگر بیٹھک ہماری اچھی ہے، اگر سازوسامان ہمارے پاس زیادہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے نزدیک ہم مقبول ہیں تم مقبول نہیں ہو، اگر تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو کیا فاقہ کرتے؟ اگر تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو کیا اللہ تعالیٰ تمہیں ہم سے بہتر گھر نہ دیتا؟ اگر تم خدا کے

(۱) مسلم ج ۲/ ۴۰۹۔ ۴۱۰

مقبول بندے ہوتے تو کیا تمہارے پاس ہم سے بہتر سازوسامان نہ ہوتا؟ ہمارے سازوسامان کی افراط یہ بتلا رہی ہے کہ ہم خدا کے مقبول بندے ہیں اور تمہاری سامان سے محرومی یہ بتلا رہی ہے کہ تم خدا کی نظر میں مبغوض ہو۔ فرمایا کہ

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا

ترجمہ:۔ (اور جب ان منکر لوگوں کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ کافر لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریقوں میں مکان کس کا زیادہ اچھا ہے اور محفل کس کی اچھی ہے) (معارف القرآن)

اب اللہ تعالیٰ ان کا جواب دیتے ہیں اور ایسا جواب دیا کہ ہمیشہ کیلئے انہیں لاجواب کر دیا۔ فرمایا کہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا

ترجمہ:۔ (اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے ایسے ایسے گروہ ہلاک کئے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے بھی کہیں زیادہ اچھے تھے) (معارف القرآن)

کبھی کبھی دولت بھی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اگر تمہارا یہی خیال ہے کہ جسکا گھر بہتر ہو، جسکو پاس سازوسامان زیادہ ہو وہ خدا کا مقبول بندہ ہے اور جس کے گھر چولھا نہ جلے وہ نعوذ باللہ خدا کا مردود بندہ ہے۔ اگر تم اسی کو مقبولیت عند اللہ کا معیار سمجھتے ہو تو تم ہمیں یہ لکھ کر دے دو پھر ہم تم سے یہ پوچھتے ہیں کہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا

کیا تاریخ یہ نہیں بتلاتی ہے کہ تم سے بڑے بڑے صاحب دولت وثروت، تم سے اچھے اچھے محلات میں داد عیش وعشرت دینے والے، تم سے زیادہ سے زیادہ سامان تعیش جمع کرنے والے گذرے ہیں کیا وہ خدا کے عذاب سے ہلاک نہیں ہوئے؟ اگر سامان کی بہتات خدا کے نزدیک مقبول ہونے کی نشانی ہے تو پھر ان کے اوپر قہر الٰہی

کیوں آیا؟ کیا جواب دو گے؟ معلوم ہوا کہ تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ جس کے پاس ساز و سامان اور مال و دولت زیادہ ہو وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور وہی کامیاب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی قومیں جو دنیا میں عیش و عشرت میں رہتی تھیں، جو ہر وقت سونے اور چاندی کے اندر کھیلتی رہتی تھیں اچانک اللہ کا قہر و عذاب آیا اور آناً فاناً انہیں ہلاک اور نیست و نابود کر دیا۔ معلوم ہوا کہ تم نے کامیابی کیلئے جو معیار بنایا ہے اور اس معیار سے دیکھنا کہ فلاں مقبول ہے اور فلاں غیر مقبول ہے صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کفار مکہ کا طعنہ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبول اسلام سے پہلے بہت بڑے تاجر تھے (۱)۔ ان کی تجارت کا پھیلاؤ اتنا زیادہ تھا کہ دوسرے آدمی ان کی تجارت سنبھالتے تھے۔ لیکن جب حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اسلام قبول کیا تو جتنے اثاثے جمع تھے وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور کاروبار سے بھی دلچسپی کم ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آپؓ کے بدن پر جو کرتا تھا وہ بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا، اس میں پیوند لگے ہوئے تھے عاص بن وائل جو ایک بڑا بے باک اور گستاخ کافر تھا، چلتے پھرتے مسلمانوں پر جملے کسا کرتا تھا اس نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہا کہ اتنا بڑا دولت مند آدمی اور آج غربت کی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ کرتا بھی جگہ جگہ سے پھٹا ہوا ہے، یہ اسلام کی نحوست سے ہوا ہے۔ اسلام (نعوذ باللہ) ایک منحوس مذہب ہے جس کی نحوست سے آج تیرے اوپر غربت آ گئی ہے۔ اگر اب بھی تو چاہتا ہے کہ اپنی پہلی حالت پر واپس آ جائے تو اسلام کو چھوڑ کر اپنے پہلے مذہب پر واپس آ جا! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کبھی کبھی انسان کو رونا اس لئے بھی آتا ہے کہ کہنے والا

(۱) تاریخ اسلام ج ۱/ ۳۱

کیسی نا سمجھی کی باتیں کر رہا ہے، اگر مجھ سے پوچھے تو بتاؤں کہ حقیقت کیا ہے؟

قران کریم کا فیصلہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ سرکار دوعالم ﷺ سے ذکر کیا، آپؐ نے سکوت فرمایا تھوڑی دیر کے بعد فرمایا کہ ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی یہ سورۃ نازل فرمائی ہے۔

وَٱلْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ ٱلْإِنسَٰنَ لَفِى خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلْحَقِّ وَتَوَاصَوْا۟ بِٱلصَّبْرِ ﴿٣﴾

ترجمہ۔ (قسم ہے زمانہ کی انسان بڑے خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو (اعمال کی) پابندی کی فہمائش کرتے رہے)

اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ پیسے کی کمی کا نام خسارہ نہیں ہے، دولت سے محرومی کا نام خسارہ نہیں ہے، عاص بن وائل نے جو یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کی وجہ سے تمہیں نقصان اور گھاٹا ہو گیا، تمہارے پاس پیسہ نہیں رہا، تم تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ انتہائی غلط بات ہے، پیسہ نہ ہونا بربادی نہیں ہے، دولت کا نہ ہونا بربادی نہیں ہے، غربت کا ہونا تباہی نہیں ہے بلکہ اصل تباہی ایمان اور عمل صالح سے محروم رہنا ہے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اگر آپ کے پاس سے دنیاوی دولت و ثروت کم ہوئی ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایمان اور عمل صالح کی دولت عطا فرمائی ہے۔ تو یہ سودا خسارے کا سودا نہیں ہے یہ بڑا سستا اور نفع کا سودا ہے۔ معلوم ہوا کہ پیسہ کی کمی کا نام خسارہ رکھنا غلط ہے۔ اصل خسارہ ایمان سے محرومی ہے۔

علم وادب سے محروم یتیم اصلی ہے میں نے یہ بات اس لئے عرض کی کہ آجکل لوگوں کے ذہن اور خیالات الگ الگ ہوتے ہیں، عربی کے ایک شاعر نے بڑی اچھی بات کہی ہے، اخلاق کا سبق دیا ہے، کہتا ہے کہ دنیا میں جس سے پوچھو کہ یتیم کسے کہتے

ہیں؟ وہ یہی کہتا ہے کہ جسکا باپ مرجائے یا جسکی ماں مرجائے اور وہ بھی بلوغیت سے پہلے پہلے۔ اس لئے کہ بالغ ہونے کے بعد اگر باپ یا ماں مرجائے تو وہ یتیم نہیں کہلاتا ورنہ ساری دنیا یتیم بن جائے گی۔ بالغ ہونے سے پہلے اگر باپ کا سایہ اٹھ جائے یا ماں کا سایہ اٹھ جائے بعضوں نے کہا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا سایہ اٹھ جائے تو یتیم کہلاتا ہے اور بعضوں نے کہا کہ نہیں! باپ کا سایہ اٹھ جائے تو یتیم کہلاتا ہے۔ تو ہمارے اور آپ کے نزدیک یتیم کی یہی تعریف ہے مگر عربی کا شاعر کہتا ہے کہ میری نظر میں یہ یتیم نہیں ہے میری نظر میں یتیم اور ہے، کہتا ہے کہ ؎

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والادب

میں اسے یتیم نہیں سمجھتا ہوں جو باپ سے محروم ہوجائے، میرے نزدیک یتیم وہ شخص ہے جو علم سے محروم ہوجائے جو ادب واخلاق سے محروم ہوجائے۔ فرمایا کہ ؎

لیس الیتیم الذی قدمات والدہ

بل الیتیم یتیم العلم والادب

اب بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔ اسلام کی نظر میں دولت کی ریل پیل کا نام کامیابی نہیں ہے دنیا کا چین اور آخرت کی نجات کا نام کامیابی ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں فاقہ ہوجائے، اگر کسی کو بیماری آجائے، اگر کسی کے اوپر کوئی مصیبت آجائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ یہ تو اللہ کے بڑے مقبول بندے تھے پھر یہ مصیبت کہاں سے آگئی؟ کیا اسی کا نام کامیابی ہے؟ ہاں! کامیاب ہونے کے باوجود بھی یہ مصیبتیں آسکتی ہیں!

زمانہ فترت میں آپ ﷺ کی حالت

اندازہ لگایئے کہ سرکار دوعالم ﷺ سے بڑھ کر کسی کے کامیاب اور مقبول عند اللہ ہونے کا کوئی تصور بھی ہمارے

اور آپ کے ذہنوں میں نہیں آسکتا لیکن حضور اکرم ﷺ پر بھی بڑی بڑی مصیبتیں اور بڑے بڑے تکالیف آئے ہیں، بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی ہماری اور آپ کی وہ کیفیت نہیں ہوتی جو حضور اکرم ﷺ کی ہوتی تھی،

فترت وحی زمانہ میں جب کچھ دن کیلئے وحی بند ہوگئی تھی اس وقت آپ ﷺ کی حالت ناقبل بیان تھی اس لئے ایک تو آپؐ وحی کی لذت سے محروم ہوگئے تھے، ایک ایسی ذات سے گفتگو کی لذت سے محروم ہوگئے تھے جس سے بڑی ذات کوئی نہیں ہے فرمایا کہ

وَلَهُ ٱلْكِبْرِيَآءُ فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾

اس پوری کائنات میں صرف اسی ذات کو بڑائی زیب دیتی ہے آج آپؐ کی بات اس ذات سے نہیں ہورہی ہے، وحی کی لذت کا سلسلہ منقطع ہوگیا، اور دوسری وجہ یہ کہ مخالفین اور دشمن یہ کہنے لگے کہ محمدؐ کا رب محمدؐ سے ناراض ہوگیا ہے اور چونکہ محمدؐ کا رب ان سے ناراض ہوگیا ہے اس لئے ہمیں بڑی خوشی ہے، تو حضور اکرم ﷺ کو دو قسم کی تکلیفیں تھیں۔ فارسی کا ایک مشہور مقولہ ہے

"نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ"

پہلے سے ہی اس کا غم تھا کہ گھر میں چوری ہوگئی ہے، نقصان پہنچ گیا ہے دوسرا صدمہ اس بات کا ہے کہ پڑوس میں جو دشمن رہتے ہیں وہ بھی ہنس رہے ہیں، خوشی منا رہے ہیں۔ ایک اپنے سرمایہ کا نقصان، اور دوسرا دشمنوں کی ہنسی کا صدمہ۔

آپ ﷺ کو بھی یہی دو تکلیفیں تھیں، ایک وحی کا بند ہونا اور دوسری دشمنوں کا ہنسنا اور خوش ہونا، اور اس تکلیف کا احساس آپؐ کو اس قدر شدید تھا کہ خود آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ اور اتنی تکلیف تھی کہ کبھی کبھی میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ میں اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹیوں پر لے جاکر نیچے گرادوں۔ حالانکہ نبی

(۱) بخاری شریف / ۶۹۸۲، مسلم شریف / ۲۳۱

ے کوئی ایسا کام نہیں ہو سکتا ہے جو اعتدال کے خلاف ہو، یہ تو ہماری اور آپ کی کمی اور کوتاہی ہے کہ ہم اعتدال سے ہٹ کر کام کرتے ہیں لیکن نبی سے یہ ممکن نہیں، آپ ﷺ نے ان الفاظ سے اپنے جذبات و احساسات اور تکلیف کی شدت کو بیان فرمایا ہے

مصیبت بھی بلندی درجات کا سبب بنتی ہے

معلوم ہوا کہ کبھی کبھی جو نا خوشگوار باتیں سامنے آتی ہیں، مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اس سے مقبولیت عند اللہ میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس میں اللہ کی بڑی بڑی حکمتیں ہوتی ہیں، ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو ان آفتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ بندوں کا مرتبہ بلند کرنا ہوتا ہے، اور مرتبہ اس وجہ سے بڑھتا ہے کہ اگر آپ کی زندگی میں کوئی ناخوشگوار بات پیش نہ آئے تو آپ یہ کیسے جانیں گے کہ صبر کسے کہتے ہیں؟ صبر تو کہتے ہی اسی کو ہیں کہ آپ پر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے اس وقت آپ اپنے آپ کو اسلامی تعلیمات کے حدود اور دائرے میں رکھیں۔ معلوم ہوا کہ صبر کی فضیلت اسی وقت مل سکتی ہے جب زندگی میں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے کوئی تکلیف دہ بات پیش آئے چاہے وہ مالی تکلیف ہو، چاہے وہ بدنی تکلیف ہو اور چاہے وہ کوئی اور چیز کی تکلیف ہو۔ جب آپ اور ہم صبر کریں گے تو ہمارا مرتبہ بلند ہو گا۔

مصیبت پر صبر کے صلہ میں کیا ملے گا

حدیث میں آتا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو وہ دیکھیں گے کہ بہت سے خوش نصیب لوگ ایسے ہیں جو بڑی بلندیوں کے اوپر موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں۔ اہل جنت ملائکہ سے پوچھیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں کہ جن کو اتنا اونچا مقام اور اتنا اونچا درجہ دیا گیا ہے؟ انہیں جواب دیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے دنیا میں مصائب بھیجے تھے اور اس پر انہوں نے صبر کر کے دکھایا تھا، اسی صبر کے نتیجہ میں انہیں یہ درجہ ملا ہے۔ تو جن پر دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں نہیں آئی ہوں گی وہ یہ کہیں گے کہ کاش! اگر ہمیں

یہ معلوم ہوتا کہ صبر کا اتنا بڑا درجہ اور اتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے تو ہم اللہ سے دعا کرتے کہ ہمارے اوپر بھی ایسے حالات آجائیں کہ جن پر ہمیں صبر کرنے کا موقعہ ملے۔ اگر ہماری کھالوں کو بھی قینچیوں سے کاٹا جاتا اور ہمیں یہ خبر ہوتی کہ صبر کا اتنا اونچا درجہ ہے تو ہم بھی صبر کرکے دکھلادیتے۔ معلوم ہوا کہ مصیبتوں کا آنا اللہ کے نزدیک مردود ہونے کی نشانی نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ان مصیبتوں کی وجہ سے بندہ کا درجہ بلند کردیتا ہے۔ مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں اگر ان حکمتوں کو بیان کیا جائے تو دو تین مجلسیں بھی اس کیلئے کافی نہیں ہوگی، ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ بندہ سو رہا ہے۔ غافل ہے۔ خراٹے لے رہا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ چونکہ اس کا نقصان ہو رہا ہے اس لئے یہ اٹھ کر بیٹھ جائے تو اس کے حق میں اچھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوتے ہوئے کو جھنجھوڑا جاتا ہے کہ اٹھ کر بیٹھ اور وہ کام کر جو کرنے کا ہے۔ تیرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ تو جب کبھی اللہ کے کسی خاص بندے پر کوئی ناگواری اور مصیبت آتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جھنجھوڑ کر خواب غفلت سے بیدار کر رہا ہے اور اسے موقعہ دے رہا ہے کہ سنبھل جائے۔

حدیث میں آتا ہے

رب اشعث اغبر مدفوع عن الباب

کتنے پیارے الفاظ ہیں۔ عربی میں "اشعث" کہتے ہیں اس شخص کو جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں۔ بکھرے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ پراگندہ بال ہے۔ پریشانی کی وجہ سے نہ بال دھونے کا موقعہ ملا ہے نہ کنگھی کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور "اغبر" چہرہ غبار آلود ہے۔ مدفوع عن الباب، اور حالت یہ کہ جس کے پاس جاتا ہے کوئی نہیں بٹھاتا ہے۔

حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کی تحقیق

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نیک اور خاص بندوں کیلئے کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے حالات اس لئے پیدا کئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ میرا یہ بندہ سب کی طرف نظریں پھیر کر میری طرف آجائے، وہ اپنے باپ پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے استاذ پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے دوست پر بھروسہ کرتا ہے، اپنے رشتہ داروں پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات اس طریقہ پر بنا دیتا ہے کہ وہ اپنے باپ کے پاس جاتا ہے، باپ کہتا ہے جاؤ یہاں سے، بھائی کے پاس جاتا ہے، وہ کہتا ہے ہٹو یہاں سے، دوسرے کے پاس جاتا ہے وہ بھی کہتا ہے بھاگو یہاں سے۔ جب ہر دروازہ سے دھتکار دیا جاتا ہے پھر اس کا دل بھر آتا ہے اور خدا کے دربار میں آکر گڑگڑا کر کہتا ہے کہ اے اللہ! میں نے سب کو دیکھ لیا سب دروازوں کو آزمالیا۔ اب میں تیرے در کو پکڑتا ہوں، اب میں تیرا در چھوڑ کر کسی جگہ اور کسی در پر نہیں جاؤں گا۔

اندازہ لگایئے کہ یہ کیفیت جو اس وقت اس کے اندر پیدا ہورہی ہے یہ اس وجہ سے پیدا ہورہی ہے کہ اللہ نے اس کیفیت کے اسباب پیدا کئے تھے۔ فرمایا کہ

رب اشعث اغبر مدفوع عن الباب

اس کی حالت یہ ہے کہ بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں، ہر دروازہ سے دھیکارا جارہا ہے مگر خدا کی نظر میں اس کو مرتبہ کیا ہے؟ فرمایا کہ اللہ کی نظر میں اس کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ کسی بات پر اڑ جائے اور قسم کھالے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھ کر اس کی قسم کو پورا کردیتا ہے۔

برگزیدہ بندوں کو بھی آزمایا جاتا ہے

جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کی طرف سے کبھی کبھی ناخوشگوار حالات مراتب کو بلند کرنے کیلئے آتے ہیں۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسی کیسی آزمائشوں سے گذرے ہیں! کیا نعوذ باللہ! وہ اللہ

کے نزدیک مقبول نہیں تھے ؟ کیا کوئی بد بخت بھی یہ خیال کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ آزمائشیں ان کے اعمال کا نتیجہ تھیں ؟ ان کے گناہوں اور انکی کوتاہوں کا نتیجہ تھیں ؟ نہیں ! وہ تو نبی ہیں، معصوم ہیں، انہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہیں کیا مگر آزمائشوں سے انہیں بھی گذرنا پڑا جس کا نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند کئے اور عزت و مرتبہ سے نوازا۔ فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ہم آپ کو امامت کا مقام اور قیادت کا درجہ عطا فرماتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ ناخوشگوار حالات اور مصیبتوں اور آزمائشوں میں اللہ کی مصلحت کبھی مرتبہ بلند کرنا ہوتی ہے کبھی خواب غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو اٹھا دینا ہوتی ہے اور کبھی مصلحت یہ ہوتی ہے کہ اس کے جتنے بھی گناہ ہیں وہ سب دنیا ہی میں معاف ہو جائیں اور اسکی آخرت بے فکری سے گذر جائے۔

ایسی دعا مانگنے سے بچئے اسی لئے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ ! آخرت میں مجھے جو سزا اور جو عذاب ملنا ہے وہ سب کے سب دنیا ہی میں مل جائے تاکہ آخرت میں مجھے کوئی تکلیف نہ ہو۔ مگر بزرگوں نے اس طریقہ سے دعا مانگنے سے منع کیا ہے، فرمایا کہ کسی مؤمن کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اس طرح سے دعا مانگے، کیوں؟ فرمایا کہ تم آخرت کا چین و سکون اللہ سے مانگو اور یہ دعا مانگو کہ اے اللہ ! مجھے دنیا میں بھی عافیت دے اور آخرت میں بھی عافیت عطا فرما۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ نعوذ باللہ ! جب تک اللہ تعالیٰ دنیا میں عذاب دے کر اپنا بدلہ نہیں چکالیں گے اس وقت تک ہمیں جنت میں نہیں بھیجیں گے ؟ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔

کسی شخص نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شعر پڑھا۔ تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی ! یہ شعر تو بڑا اچھا ہے لیکن مجھے پسند نہیں ہے کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ اس شعر میں بندے کی وہ شان ظاہر نہیں ہوتی جو ہونی چاہئے۔ اس نے یہ شعر پڑھا

تھا فرمایا کہ ؎

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اگر آپ راحت دیں گے ہم اس کے لئے تیار ہیں اور اگر آپ عذاب دیں گے تو ہم اس کیلئے بھی تیار ہیں، ہمیں کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے۔ حضرت مولانا تھانوی ؒ نے فرمایا کہ یہ شعر تو اچھا ہے مگر اس میں جس جذبہ کا اظہار کیا گیا ہے اس میں بندہ کی طرف سے ایک قسم کی بے نیازی معلوم ہوتی ہے اور دربار خداوندی میں کسی کو شان بے نیازی اختیار نہیں کرنی چاہئے۔ آپ کہاں سے ایسے بہادر آگئے جو یہ کہیں کہ اگر بخشے زہے قسمت ہے نہ بخشے تو شکایت کیا؟ کیا کوئی مقابلہ کا سامان لیکر اللہ کے دربار میں جا رہے ہو؟ فرمایا کہ یہ شعر اگرچہ اپنی جگہ قابل تعریف ہے مگر فرمایا کہ مجھے تو عاجزی اور بندگی پسند ہے، بے نیازی پسند نہیں ہے، پھر مولانا نے اس شعر میں تبدیلی کی اور واقعی وہ انہیں کا مرتبہ تھا جو انہوں نے ایسی بہترین تبدیلی کی۔ فرمایا کہ اس شعر کو اس طرح پڑھو۔ فرمایا کہ

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو کروں زاری
کہ اس بندہ کی کیوں خواری، مزاج یار میں آئے

کبھی ایسے بھی سوچیے یہ سوچتے ہی کیوں ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دے گا؟ یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمیں عذاب میں مبتلا کرکے اپنے جذبات کو تھوڑا ہی تسکین دینا ہے؟ وہ تو ہمارے گناہوں کو معاف کرکے بھی ہمیں بخش سکتا ہے۔ لیکن اللہ کی جانب سے خاص بندوں کیلئے کبھی کبھی اسکا انتظام ہوتا ہے کہ اس کے جتنے گناہ ہیں ان کا کفارہ دنیا ہی میں ادا ہوجائے چنانچہ وہ بیمار پڑتا ہے، گناہ معاف ہوتا ہے، فاقہ میں مبتلا ہوتا ہے گناہ معاف ہوتا ہے، کسی اور مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے، گناہ معاف ہوتا

ہے۔ اب جب یہ آخرت میں پہنچے گا تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ بالکل اس طرح سے غسل کرکے آیا ہے کہ کہیں گناہ کا داغ دھبہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی کرکے اس کی ساری خطائیں دنیا ہی میں معاف کردیا۔

میرے دوستو! اگر کسی کامل مومن کو یہ بات معلوم ہوجائے تو میرا خیال یہ ہے جب اس پر کوئی مصیبت آئے گی تو وہ دونوں ہاتھوں سے اسے چومے گا اور پیار کرے گا کہ اس کی بدولت شاید میرے گناہ معاف ہوجائیں گے۔

آمدم برسر مطلب خطبہ میں میں نے یہ آیت پڑھی تھی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

جو کوئی مصیبت کسی پر آتی ہے تو وہ اللہ کے حکم سے آتی ہے۔ اور جب اللہ کے حکم سے آتی ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فلاں تو پکا مومن تھا، پکا مسلمان تھا، بڑا نیک کام کرتا تھا پھر کیوں مصیبت میں گرفتار ہوگیا؟ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء اللہ اور بزرگان دین بڑی بڑی آزمائشوں سے گذرے ہیں، مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ علیہ کا ایک شعر یاد آگیا۔ انہوں نے تو اس کو بزرگی کا کوالیفکیشن قرار دیا ہے فرمایا کہ ؎

تا بلا کے قضانہ کنیم

نام اور ازاولیاء نہ کنیم

ہم اپنے دوستوں کی فہرست میں کسی شخص کا نام اس وقت تک نہیں لکھتے جب تک کہ وہ آزمائشوں سے، سختی اور مصیبت کی منزل سے نہ گذر جائے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور محفل سماع حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آگیا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بے پناہ لوگ ان کے معتقد تھے یہاں تک کہ جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے تھے وہ بھی ان کے مرتبہ کے معترف تھے۔ ان کے یہاں محفل سماع ہوتی تھی، اور آجکل کا زمانہ تو گانے بجانے کا

زمانہ ہے اس لئے لوگوں کو یہ بتادینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کی محفل سماع گانے بجانے کی آلات پر مشتمل نہیں ہوتی تھی. طبلہ اور سارنگی بجانے کا نام محفل سماع نہیں تھا۔ البتہ اتنا ہوتا تھا کہ ملکر اشعار پڑھے جاتے تھے اسی طرح ذکر کا حلقہ بناتے تھے اور ملکر ذکر وغیرہ کیا جاتا تھا تو بعض علماء نے اس کو منع کردیا۔ لیکن جو لوگ منع کرنے والے تھے وہ بھی حضرت سلطان جیؒ کے مرتبہ اور ان کے مقام سے واقف تھے۔ کہتے تھے کہ یہ خدا کے بڑے مقبول بندہ ہیں لیکن جہاں تک شریعت کا معاملہ ہے ہم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔

ایک باندی کا پیمانہ بزرگی ایک مرتبہ حیدرآباد دکن کے کوئی رئیس ان کے پاس آئے۔ان کے ساتھ ایک نوکرانی بھی تھی جسکو اس زمانے میں باندی کہتے تھے،معلوم نہیں شرعاً بھی وہ باندی تھی یا نہیں؟ لیکن بہرحال وہ باندی تھی۔ وہ رئیس حضرت سلطان جیؒ کی خدمت میں اسے لیکر آئے اور پیش کردیا کہ یہ آپ کی خدمت کرے گی، آپ کا کھانا، ناشتہ وغیرہ تیار کرے گی، پھر آکر اس رئیس نے اپنی باندی سے کہدیا کہ میں نے تجھے سلطان جی کے حوالہ کردیا ہے، تم ان کی خدمت کرنا۔ باندی نے کہا، آپ نے مجھ سے مشورہ کئے بغیر مجھے سلطان جی کے حوالہ کردیا؟ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ آپ ان کے معتقد ہیں لیکن میں ان کی معتقد نہیں ہوں۔ اس نے کہا، اری بے وقوف! ساری دنیا ان کی معتقد ہے پھر تو ان کی معتقد کیوں نہیں ہے؟ باندی نے کہا، میں اس لئے ان کی معتقد نہیں ہوں کہ میرا بھی ایک معیار ہے اس معیار پر حضرت سلطان جی پورے نہیں اترتے۔

اور واقعی اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے بڑا اعلیٰ معیار تجویز کیا، اس نے کہا کہ میرا معیار یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اہل بیت رسولؐ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، اولیاء اللہ ائمہ مجتہدین سب کے سب بڑی بڑی تکلیفوں اور

مشقتوں سے، بڑی بڑی مخالفتوں سے گذرے ہیں، انہیں ایسی ایسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے کہ جو جان پر بنا دیتی تھیں۔

تو میرا یہ خیال ہے کہ سلطان جی اگر رسول اللہ ﷺ کے راستہ پر ہیں، اگر اہل بیت کے راستہ پر ہیں، اگر صحابہ کرام کے راستہ پر ہیں، اگر اولیاء اللہ کے راستہ پر ہیں تو ان کے مخالفین بھی ہونے چاہئیں۔ میں نے تو ان کا کوئی مخالف ہی نہیں دیکھا ہے اس لئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر نہیں ہیں۔

رئیس یہ سن کر حیران ہو گیا، کہنے لگا کہ تو نے بڑی عجیب بات کہی ہے، میں اس کا کیا جواب دے سکتا ہوں لیکن میں نے چونکہ وعدہ کرلیا ہے اس لئے میں تجھے چھوڑ کر جاتا ہوں، دو چار دن یہاں ٹھہر کر دیکھ اگر تیرا دل نہ لگے تو واپس آجانا۔ وہ کام کرنے لگی۔ اگلے دن علی الصبح جب گھر سے نکلی تو دیکھا کہ پڑوس کے ایک گھر سے دھواں اٹھ رہا ہے، وہ اس گھر میں گئی اور جا کر کہنے لگی میں حضرت سلطان جی کی نوکرانی ہوں، ان کیلئے ناشتہ تیار کرنا اس لئے تھوڑی سی آگ دے دو۔ پڑوسن نے کہا کہ تو سلطان جیؒ کی نوکرانی ہے؟ اور یہ کہہ کر اس نے حضرت سلطان جیؒ کو بہت سی گالیاں دیں اور ان کی شدید مخالفت اور دشمنی کا اظہار کیا اور کہا کہ آگ تو ہمارے یہاں ہے لیکن سلطان جی کیلئے ہم ایک بھی انگارا نہیں دیں گے۔ نوکرانی چپ چاپ واپس چلی آئی اور کہنے لگی کہ آج مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت سلطان جیؒ بھی رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر ہیں، آج مجھے پتہ چلا کہ ان کے بھی مخالفین اور دشمن ہیں۔

میرے دوستو! یہ مقبولیت کے خلاف نہیں ہے۔ فرمایا کہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

رضاء خداوندی کی اصل علامت

ہم جسے ہدایت دیتے ہیں تو اس کے دل کو ہدایت دیتے ہیں۔ ہدایت تو ہاتھ پاؤں کو بھی ہوتی ہے لیکن فرمایا کہ اصل ہدایت دل کی ہدایت

ہے۔ ہماری زبان ایمان لاتی ہے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں ایمان لاتے ہیں۔ ہماری آنکھ ایمان لاتی ہے۔ مگر جب دل ٹٹولا جاتا ہے تو بالکل خالی ہوتا ہے فرمایا کہ

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

جو اللہ پر ایمان لاتا ہے تو اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور جب دل کو ہدایت ملتی ہے تو اسکی علامت اور اسکی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ہر مصیبت کو دیکھ کر وہ یہ کہتا ہے کہ خدا نے میرے حق میں بہتر کیا ہے، وہ خدا سے ناراض نہیں ہوتا، وہ خدا کو برا بھلا نہیں کہتا۔ یہ دل کی ہدایت ہے۔

یہ کیسے مسلمان ہیں؟ دہلی میں ایک مرتبہ اولہ پڑا اور اولہ پڑنے نے ایک صاحب کا سارا کا سارا باغ برباد ہو گیا، وہ صاحب سبزی منڈی کے اندر مجھ سے کہنے لگے مولانا! میں نے اللہ میاں کا کیا بگاڑا تھا جو میرے باغ کو تباہ و برباد کر دیا؟ میں نے ان سے کہا کہ صاحب! جتنے سال تم اس باغ کا پھل کھاتے رہے کیا کبھی تم نے اس پر غور کیا اور سوچا کہ تم نے کون سا اچھا کام کیا تھا جس کے بدلہ میں تمہیں یہ سب کچھ ملتا رہا؟

میرے دوستو! بعض انسانوں میں خدا کی طرف سے جو یہ ناراضگی پیدا ہوتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دل ہدایت یافتہ نہیں ہے، کیونکہ جب دل ہدایت یافتہ ہوتا ہے تو وہ ہر مصیبت کو اللہ کی نعمت سمجھتا ہے، اپنے حق میں اس کو بہتر سمجھتا ہے، تو میرے دوستو! اللہ تعالیٰ جس کو یہ کیفیت عطا فرمادیتے ہیں اس کی دونوں آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ فوراً یہ کہنے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مصیبت نازل کر کے میرے اوپر بڑا احسان کیا ہے اگر اللہ کی طرف سے یہ احسان نہ ہوتا تو میرا بڑا نقصان ہو جاتا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کی مختصر کہانی وقت ختم ہو رہا ہے۔ قرآن کریم کا ایک واقعہ مختصر طور پر عرض کر کے ختم کر دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰ اور خضر علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان جب معاہدہ ہو گیا اور حضرت خضر علیہ السلام

نے فرمایا کہ بھائی! تم ہمارے ساتھ چلو لیکن میری باتوں پر اعتراض نہ کرنا۔ چونکہ میرا کام اللہ کے اس کائنات میں انتظام برقرار رکھنا ہے اور آپ نبی اور پیغمبر ہیں۔ آپ کا کام قانونی ہے۔ میرے کاموں میں جائز و ناجائز نہیں ہے۔ براہ راست خدا کے حکم کی اطاعت ہے اور آپ کی کتاب میں جائز و ناجائز کے احکام ہیں اس لئے آپ میرے کاموں پر اعتراض نہیں کریں گے۔

خیر! پہلے ایک کشتی کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک گلی سے گذر رہے تھے۔ ایک بڑا حسین اور خوبصورت بچہ گلی میں کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام آگے بڑھے اور اس بچہ کو ایک تھپڑ اس طرح سے مارا کہ وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل بے چین ہوگیا۔ فوراً منہ سے یہ الفاظ نکلے فرمایا کہ

أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا

قتل اور قتل بھی ایک معصوم بچہ کا! نیز یہ بچہ کسی کا قاتل بھی نہیں تھا کہ تم نے اس کے قتل کے بدلہ میں اس کو قتل کردیا؟ یہ تو ایسا کام ہے جسے میں برداشت نہیں کرسکتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا! اگر آپ برداشت نہیں کرسکتے ہیں تو الگ ہوجائیں! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ اچھا ایک موقعہ اور دے دیجئے۔ چنانچہ وہ دونوں آگے چلے۔ ایک بستی میں پہنچے۔ بستی والوں نے ضیافت سے انکار کردیا۔ وہاں ایک دیوار تھی جو گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آگے بڑھ کر اس دیوار کو درست کردیا۔ یہاں مجھے پورا قصہ بیان کرنا نہیں ہے۔ مختصر طور پر اتنا سمجھئے کہ جب وہ دونوں الگ ہوتے ہیں تو حضرت خضرؑ فرماتے ہیں کہ بھائی دیکھو! رنجش سے الگ نہیں ہونا چاہئے اس لئے آپ نے جو کچھ دیکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کی وضاحت اور صفائی آپ کے سامنے پیش کردوں۔ انہوں نے کہا۔ اچھا! بتایئے! فرمایا کہ۔

وَاَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

یہ کشتی کے واقعہ کی وضاحت اور صفائی ہے

وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا

وہ بچہ جسے میں نے قتل کردیا تھا، اس کا قصہ یہ ہے کہ اس کے ماں باپ خدا اور اس کے رسول عاشق تھے، پکے مؤمن تھے، ان کے دل میں غیر اللہ کی محبت بالکل نہیں تھی، وہ ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے لیکن جب سے اللہ تعالیٰ نے یہ بچہ انہیں عطا فرمایا ہے روز بروز ان کی محبت خدا سے کم ہوکر بچہ سے زیادہ ہورہی تھی اور خطرہ یہ تھا کہ اگر یہ رکاوٹ راستہ سے ہٹائی نہ جائے تو ان کا دل مکمل طور پر خدا کی طرف سے ہٹ کر بچہ کی طرف چلا جائے گا لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ اس بچہ کے والدین کا مستقبل خراب نہ ہو، ان کا ایمان داغدار نہ ہو، ان کے ایمان کو نقصان نہ پہنچے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس بچہ کو ختم کرکے اس رکاوٹ کو راستہ سے ہٹا دیا جائے جو اس کے والدین کیلئے خدا کی محبت کے درمیان تھی، فرمایا کہ

وَاَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ اَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا

حاصل کلام میرے دوستو! اندازہ لگایئے کہ اب جو وہ ماں باپ جب جنت میں پہنچیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ میرے ایمان کے راستہ کی سب سے بڑی رکاوٹ میرا بچہ تھا، وہ نعمت تو بے شک تھا لیکن وہ نعمت تو ایسی تھی جو ایک نہ ایک دن چھننے والی تھی، اگر اللہ تعالیٰ بچپن ہی میں اسے دنیا سے نہ اٹھا لیتا اور اسکی وجہ سے میری آخرت برباد ہوجاتی تو پھر وہ نعمت کس کام کی تھی، تو وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! یہ تیرا بہت بڑا احسان ہے کہ تو نے اس رکاوٹ کو دور کرکے ہمارے ایمان کی حفاظت کی۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے ایسے آفات ومصائب کبھی ایمان جیسی دولت کی حفاظت کیلئے بھی نازل کی جاتی ہیں۔ فرمایا کہ

وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ

جس کے قلب میں ہدایت ہوتی ہے وہ کبھی خدا سے ناراض نہیں ہوتا وہ ہر مصیبت کو لبیک کہتا ہے۔ وہ ہر قسم کی آفتوں کی خندہ پیشانی سے برداشت کرتا ہے۔

مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ نے بجا لکھا ہے

مولانا عبد الماجد دریا بادی رحمہ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی ہے اور واقعی وہ بات سوچنے کی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ دنیا میں اسلام کو آئے ہوئے چودہ سو سال ہو رہے ہیں۔ ان چودہ سو سالوں میں شروع سے آج تک کسی مؤمن نے بلا ومصیبت سے پریشان ہو کر خودکشی نہیں کی۔ آپ کہیں گے کہ صاحب! ہم تو روزانہ خودکشی کی خبریں اخبارات میں پڑھتے ہیں پھر یہ بات انہوں نے کیسے لکھی؟ انہوں نے صحیح لکھا ہے کیونکہ انہوں نے لفظ مسلم استعمال نہیں کیا ہے لفظ مؤمن استعمال کیا ہے اور مؤمن اس آدمی کو کہتے ہیں جس کے دل میں ایمان کی کیفیت ہو، وہ ہمیشہ اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ میرے لئے جو کچھ کرے گا بہتر کرے گا۔ ایسا آدمی مصیبت میں کبھی اتنا ہراساں نہیں ہوتا ہے کہ وہ خودکشی کرلے۔ اسے اس بات سے تسلی مل جاتی ہے کہ آج کی مصیبت مستقبل میں میرے لئے بہتر ہے اس لئے خودکشی کی نوبت ہی نہیں آتی۔ اور مسلم کہتے ہیں ظاہری اطاعت وفرمانبرداری کرنے والے کو۔

وقت ختم ہوگیا۔ اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم

صل علی سیدنا ومولینا محمد صلوۃ تنجینا

بھا من جمیع الاھوال والآفات وتقضی لنا بھا جمیع

الحاجات وتطھرنا بھا من جمیع السیئات وترفعنا

بھا اعلی الدرجات وتبلغنا بھا اقصی الغایات

من جمیع الخیرات فی الحیوۃ وبعد الممات

انک علی کل شئی قدیر برحمتک

یا ارحم الراحمین

الله

فضیلت جمعہ

اس کائنات میں جتنی مخلوقات کو پیدا کیا جانا تھا وہ سب کی سب جمعہ کے دن تک پیدا ہو کر جمع ہو گئیں کیونکہ اس دن تخلیق کائنات کی تکمیل ہو گئی، تو اللہ کو جتنی چیزوں کو پیدا کرنا تھا، نباتات، جمادات، حیوانات، اور فلکیات، ارضیات وغیرہ سب کو جمعہ کے دن تک اللہ نے پیدا کر دیا۔ لہذا یہ دن مخلوقات کے اجتماع کا دن ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں نے اس دن کو سید الایام اور افضل الایام قرار دیا ہے کہ ساری ملت اور ساری قوم آج کے دن جمع ہو کر اللہ کے حضور میں نماز ادا کریں۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہے کہ دراصل عبادت و اجتماع کیلئے وہ دن ہونا چاہئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے والی مخلوق کو پیدا کیا، عبادت کرنے والوں سے میری مراد "انسان" ہے۔ کیونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اللہ کی عبادت اور بندگی نہ کرتی ہو۔ اس کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جو خدا کی تسبیح و تحمید نہ کرتا ہو اگر چہ ہم اور آپ ان کی زبان نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں عبادت سے میری مراد وہ عبادت ہے جو مکلف اپنے اختیار اور اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ اسی کو درحقیقت عبادت کہتے ہیں۔ (ارشاد حضرت خطیب الامتؒ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فضیلت جمعہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ
عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا
مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ
لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْٓا اِلَیْھَا وَتَرَکُوْکَ قَآئِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سورۃ الجمعۃ)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

سب سے زیادہ محترم دن

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! سورہ جمعہ کی یہ آخری آیتیں ہیں جنہیں میں نے گذشتہ جمعہ بھی تلاوت کیا تھا، اور میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان آیتوں میں چند باتیں ہمارے سمجھنے اور یاد رکھنے کی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام نے ہمیں یہ بتایا کہ ہفتہ میں سب سے زیادہ محترم دن، سب سے زیادہ بزرگی اور کرامت والا دن جمعہ کا دن ہے۔

یوم العروبہ

اس سلسلہ میں میں نے یہ بات بھی عرض کی تھی کہ اس دن کو اسلام سے تقریباً پانچ چھ سو سال پہلے "یوم العروبہ" کہا جاتا تھا۔ عربی میں ع۔ ر۔ ب۔ کے معنی آتے ہیں ظاہر ہونے کے۔ جسکا مطلب یہ ہوا کہ یہ دن سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ ممتاز دن ہے بعد میں چل کر خاندان قریش کے ایک مشہور شخص نے اس دن کا نام "یوم الجمعۃ" رکھا۔ اور پھر یہ نام لوگوں میں جاری و ساری ہو گیا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ

جب دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت اس دن کو "یوم العروبہ" کے بجائے "یوم الجمعۃ" ہی کہا جاتا تھا۔

افضل الایام کے انتخاب میں اہل کتاب کی منطق گذشتہ جمعہ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہفتہ میں ایک محترم دن کے انتخاب میں یہود نے بھی غلطی کی نصاریٰ نے بھی غلطی کی، اور یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حضور اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہود ونصاریٰ نے "سید الایام" اور "افضل الایام" کے انتخاب میں غلطی کی۔ یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دنوں میں اس کائنات کو پیدا کیا، اتوار کے دن سے ابتداء کی اور جمعہ کے دن فارغ ہوئے اور ہفتہ کا دن فراغت کا دن تھا۔ چھٹی کا دن تھا، لہذا یہ عبادت اور اجتماع کا دن ہے۔ اور نصاریٰ نے یہ کہا کہ چونکہ تخلیق کائنات کی ابتداء اتوار کے دن سے ہوئی ہے اور ہمیں یہ دین صرف اتوار کی بدولت ملا ہے لہذا اتوار کا دن قابل احترام ہے، اور یہی دن سید الایام اور افضل الایام ہے۔

اہل اسلام کی اصابت رائے لیکن گذشتہ جمعہ یہ بات رہ گئی تھی کہ مسلمانوں نے اس کے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی، بالکل صحیح انتخاب کیا، ان کے سوچنے کا انداز یہ ہے کہ جس دن قدرت نے تخلیق کائنات کا کام شروع کیا اس دن اس کے یہاں اجتماع کا دن نہیں تھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کا کام اتوار کے دن شروع کیا اور یہ کام جمعہ تک جاری رہا اور جمعہ کے دن ختم ہوگیا۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات میں جتنی مخلوقات کو پیدا کیا جانا تھا وہ سب کی سب جمعہ کے دن تک پیدا ہوکر جمع ہوگئیں کیونکہ اس دن تخلیق کائنات کی تکمیل ہوگئی، تو اللہ کو جتنی چیزوں کو پیدا کرنا تھا، نباتات، جمادات، حیوانات، اور فلکیات، ارضیات وغیرہ سب کو جمعہ کے دن تک اللہ نے پیدا کردیا۔ لہذا یہ دن مخلوقات کے

اجتماع کا دن ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں نے اس دن کو سید الایام اور افضل الایام قرار دیا ہے کہ ساری ملت اور ساری قوم آج کے دن جمع ہو کر اللہ کے حضور میں نماز ادا کریں۔

دوسری وجہ اسکی یہ بھی ہے کہ دراصل عبادت و اجتماع کیلئے وہ دن ہونا چاہئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے عبادت کرنے والی مخلوق کو پیدا کیا، عبادت کرنے والوں سے میری مراد "انسان" ہے۔ کیونکہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو اللہ کی عبادت اور بندگی نہ کرتی ہو فرمایا کہ۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ

اس کائنات کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے۔ جو خدا کی تسبیح و تحمید نہ کرتا ہو اگر چہ ہم اور آپ ان کی زبان نہیں سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہاں عبادت سے میری مراد وہ عبادت ہے جو مکلف اپنے اختیار اور اپنے ارادہ سے کرتا ہے۔ اسی کو در حقیقت عبادت کہتے ہیں

حقیقت عبادت

اور ایک معنی عبادت کے تسبیح و تہلیل اور تعریف و توصیف کرنا ہے۔ یہ ملائکہ اور فرشتے بھی کرتے ہیں، پرندے اور درندے بھی کرتے ہیں لیکن اس عبادت میں مکلف کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ملائکہ جس عبادت میں لگے ہوئے ہیں اگر اس کے خلاف کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ ملائکہ و نباتات، جمادات، تسبیح و تحمید اور جس عبادت پر انہیں لگایا گیا ہے اس پر وہ مجبور ہیں، اگر درخت کو اللہ نے کھڑے ہونے کی عبادت پر لگا دیا ہے تو وہ کسی وقت بیٹھ یا لیٹ نہیں سکتا، پانی کو اللہ نے بہنے کی عبادت پر لگا دیا ہے تو اسی کام پر لگا ہوا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ لیکن انسان جس عبادت پر مامور ہے وہ اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے اس عبادت کو کرتا ہے۔ اس پر وہ مجبور نہیں ہوتا، اگر وہ اس کے خلاف کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

تو عبادت سے مراد وہ عبادت ہے کہ جو ارادہ اور اختیار سے ہو اور وہ اللہ نے

صرف انسانوں کو عطا فرمائی ہے۔ اور جس دن سب سے پہلا انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ہیں وہ جمعہ کا دن تھا۔

اہمیت یوم الجمعہ

اور صرف یہی نہیں کہ جمعہ کے دن پیدا ہوئے بلکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ ہی کے دن پیدا ہوئے، جمعہ ہی کے دن انہیں جنت میں جانے کا حکم ملا، جمعہ ہی کے دن جنت سے آکر زمین پر آباد ہوئے، جمعہ ہی کے دن ان کی توبہ قبول ہوئی اور جمعہ ہی کے دن انہوں نے وفات پائی۔ تو فرمایا کہ عبادت وبندگی کیلئے دراصل وہ دن ہونا چاہئے کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے اس مخلوق کو پیدا کیا جو عابد کہلاتی ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے۔

معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں یہود ونصاریٰ کا نقطۂ نظر صحیح نہیں ہے اور اہل اسلام نے جس دن کا انتخاب کیا ہے وہ حقیقت کے بالکل قریب ہے اسی لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تثبیت فرمائی۔

جمعہ کیلئے جماعت شرط ہے

دوسری بات عرض کرنے کی یہ ہے کہ اس دن جو اجتماعی عبادت ہوتی ہے اس میں دو خطبے ہیں اور یہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔ خطبہ کے معنی آتے ہیں "خطاب کرنا" اور ظاہر ہے کہ خطاب در ودیوار سے نہیں ہوتا، درختوں سے نہیں ہوتا، جسکا مطلب یہ ہے کہ خطاب کیلئے مخاطب کا ہونا ضروری ہے اسی لئے جمعہ کی نماز کو اجتماعی طریقہ پر ادا کیا جانا ضروری ہے، انفرادی طریقہ پر ادا نہیں کی جاسکتی۔ اگر کسی وجہ سے اجتماع نہ ہوسکے تو پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے گی، جمعہ کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

نماز جمعہ کیلئے تین اذانیں

تیسری بات اس سلسلہ میں میں نے یہ عرض کی تھی کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ" جب نماز جمعہ کیلئے ندا دی جائے، پکارا جائے جسکو شریعت کی اصطلاح میں اذان کہا جاتا ہے۔ اذان

کے معنی بھی اعلان کے آتے ہیں، اس کے بارے میں گذشتہ جمعہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جمعہ کی نماز میں تین اذانیں ہیں اور باقی نمازوں کے اندر صرف دو اذانیں ہیں۔

تکبیر بھی اذان ہے تکبیر کو بھی میں نے اذان اس لئے کہا کہ جب جماعت کھڑی ہوتی ہے تو اذان ہی کے کلمات دہرائے جاتے ہیں جسکو ہم اقامت بھی کہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تکبیر اور اقامت میں دو مرتبہ قدقامت الصلوۃ کا اضافہ کیا جاتا ہے چنانچہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ بچہ پیدا ہو تو اس کے دونوں کانوں میں اذان دی جائے تو اسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر اور اقامت کہی جائے۔ کیونکہ ہیں دونوں اذان ہی؛ فرق صرف، اتنا ہے کہ ایک اذان وہ ہے جو اس بات کیلئے اعلان ہوتی ہے کہ نماز کا وقت داخل ہو گیا۔ اور دوسری اذان وہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جماعت کھڑی ہونے والی ہے۔

بچوں کو مسلمان بنایا جاتا ہے عام طور پر عورتیں یہ کہتی ہے کہ یہ جو بچوں کے کانوں میں اذانیں دی جاتی ہیں دراصل اس سے بچوں کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔ ان کے اندر یہ بات مشہور ہے کہ بچہ جب تک مسلمان نہ ہوجائے اس وقت تک اسے دودھ نہیں پلایا جاسکتا۔ اسی لئے مولوی صاحب کان میں اذان دے کر اسے مسلمان بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے، اسکی ماں بھی مسلمان ہے اور اس کا باپ بھی مسلمان ہے۔ جبکہ حدیث تو یہ کہتی ہے کہ یہودی، نصرانی اور مجوسی کے گھر میں بھی اگر بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ فطرت اسلام اور صلاحیت اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ

کل مولود یولد علی فطرة الاسلام فابواه یھودانه اوینصرانه ا ویمجسانه (اوکما قال علیه الصلوة والسلام)

ہر بچہ جب وہ پیدا ہوتا ہے تو وہ فطرت اسلام ہی پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں

باپ اور اس کا ماحول اسے یہودی بنادیتا ہے، نصرانی بنادیتا ہے یا مجوسی بنادیتا ہے۔ لہذا جو بچہ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہے۔ جس کے ماں باپ مسلمان ہیں اسے مسلمان بنانے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر بالفرض مسلمان بنانے کا ہی مسئلہ ہوتا تو پھر یہ کہا جاتا کہ بھائی! ایک کان میں کلمہ طیبہ اور دوسرے کان میں کلمہ شہادت پڑھو۔ جیسے کسی غیر مسلم کو جب آپ مسلمان بناتے ہیں تو اسے کلمہ پڑھاتے ہیں۔

نومولود کے کان میں اذان دینے کی حکمت | بات دراصل یہ ہے کہ شریعت کے جتنے بھی احکام ہیں ان کے نکتوں کو اور ان کے باریکیوں کو درحقیقت وہی لوگ سمجھتے ہیں جنہیں اللہ کی معرفت حاصل ہے اور جو اللہ کے مقبول بندے ہیں، یہی لوگ اللہ کے احکامات کی حکمتوں کو صحیح طور پر سمجھتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کے کانوں میں اذان دینے اور تکبیر کہنے کی حکمت یہ ہے کہ آنے والے نئے انسان کے کان میں اذان و تکبیر کہہ کر اسے یہ خبر دی جاتی ہے کہ تم کہاں آئے ہو؟ اور یہاں پر تمہیں کتنے دن ٹھہرنے ہیں؟

جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کے کان میں اذان و تکبیر کہہ کر گویا یہ بتارہے ہیں کہ اے آنے والے مہمان! تمہاری اذان بھی ہوچکی ہے اور تمہاری تکبیر بھی ہوچکی ہے، اب صرف نماز جنازہ کی جماعت باقی رہ گئی ہے۔ یعنی تمہاری کل زندگی کا وقفہ اتنا ہی ہوگا جتنا کہ اذان و تکبیر کے بعد جماعت کے کھڑی ہونے کیلئے ہوتا ہے۔

(آئے ہوئی اذان، گئے تو ہوئی نماز   اس مدت قلیل میں آئے چلے گئے) (از مرتب)

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ ہر نماز کے لئے دو اذانیں دی جاتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز کیلئے تین اذانیں دی جاتی ہیں۔ تیسری اذان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شروع ہوئی اور تمام صحابہ نے اس کو مان لیا اور اس پر اجماع کیا۔

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کی حقیقت | یہ میں نے اس لئے عرض کیا ہے کہ شریعت

کے احکام میں جہاں یہ دلیل ہے کہ یہ قرآن میں ہے۔ یہ حدیث میں ہے وہاں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ یعنی تمام صحابہؓ نے جمع ہو کر اس مسئلہ پر اتفاق کرلیا ہے کہ یہاں ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور جس حکم پر صحابہ کا اجماع ہو جائے ۔ آنے والی اگر ساری امت بھی مل کر اس حکم کو بدلنا چاہیں تو نہیں بدل سکتے۔ صحابہؓ کا اجماع بہت بڑی حیثیت رکھتا ہے۔ غرضیکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تیسری اذان شروع ہوئی اور تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع قائم ہو گیا۔ لہذا اسکی تردید نہیں کی جا سکتی ہے۔

سعی الی الجمعہ حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ

اے ایمان والو! جب نماز جمعہ کیلئے اذان دے دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو۔ س۔ع۔ی۔ کا معنیٰ ہے "کوشش کرنا" آپ حضرات اس کا مطلب یہ نہ سمجھیں کہ قرآن کریم نے تو فاسعوا کہا ہے لہذا آہستہ آہستہ چل کر مسجد نہیں جانا چاہیے بلکہ دوڑ کر جانا چاہیے۔ یہ مطلب غلط ہے۔

لفظوں پر نہ جاؤ میں اکثر یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے کیلئے محاورات کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ہی مقصود کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا یہی اصول ہے۔ وہ ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ لفظوں پر نہ جاؤ! منشاء اور مقصود کو سمجھو! جو لوگ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں انہیں یہ سمجھ لینا چاہیے۔ مثال کے طور پر اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ بندر روڈ (BANDHAR ROAD)۔ صبح کے چار بجے تک چلتی ہے۔ پھر آپ میں سے کوئی صاحب بندر روڈ پر جا کر بیٹھ جائیں کہ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ روڈ صبح چار بجے تم چلتی ہے۔

ذرا دیکھیں کہ کیسے چلتی ہے؟ تو آپ آکر یہی کہیں گے کہ صاحب! ہم تو وہاں چھ بجے تک بیٹھے رہے وہ تو وہیں کی وہیں رہی ایک قدم بھی نہیں چلی۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ درحقیقت سڑک چلنا یہ ایک محاورہ ہے۔ اسکا مفہوم یہ ہے کہ سڑک پر آدمی چلتے ہیں۔ لیکن اگر آپ لفظوں پر جائیں گے تو آپ کلام والے کا مطلب کبھی نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح بہت سے الفاظ ایسے ہیں جو محاورہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ آپ اپنے گھر میں جائیں، آپ کی والدہ، آپکی ہمشیرہ یا آپ کی بیوی روٹی پکارہی ہوں اور آپ پوچھیں کہ کیا پکارہی ہو؟ وہ کہنے لگے گی کہ روٹی پکارہی ہوں۔ تو آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ تو غلط کہہ رہی ہیں، آپ روٹی تو نہیں پکارہی ہیں آپ تو آٹا پکارہی ہیں۔ آٹا جب پک جاتا ہے تب اسکا نام روٹی ہوتا ہے۔ کیونکہ محاورہ کے اندر ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ جو چیز آگے چل کر جو شکل اختیار کرنے والی ہے محاورہ کے اندر اس کو وہی نام دے دیا جاتا ہے۔

سعی کا مطلب سعی کا مطلب واقعی دوڑنا نہیں ہے بلکہ نماز کیلئے تو دوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے قدم قدم پر ہمیں تہذیب سکھائی ہے۔ سنجیدگی اور وقار کا سبق دیا ہے، یہاں تک کہ اگر آپ نماز کیلئے وضو کر کے مسجد میں آرہے ہیں اور امام رکوع میں چلا گیا، آپ دوڑتے ہوئے چلے جارہے ہیں تاکہ رکوع مل جائے۔ اسلام نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ یہ سنجیدگی کے خلاف ہے۔ اس کیلئے تو سب سے بہتر طریقہ یہ تھا کہ آپ ذرا پہلے آتے۔ لیکن اگر آپ تاخیر سے آتے ہیں تو خدا کے گھر میں اس وقار کو برقرار رکھئے جو اس کے گھر کا تقاضہ ہے۔ اس طریقہ سے دوڑنے میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے۔ علاوہ ازیں نماز کے اندر جو خشوع و خضوع کی ضرورت ہے یہ اس کے بھی خلاف ہے، عجلت کی وجہ سے ایک آستین اتری ہوئی ہے ایک نہیں اتری ہوئی ہے، صحیح طور پر اللہ اکبر ادا نہیں ہوا ہے، ہاتھ بھی صحیح طریقے پر

نہیں بندھے ہوئے ہیں۔

تو فَاسْعَوْا کے معنی دوڑنے کے نہیں بلکہ کوشش کرنے کے اور عمل کرنے کے ہیں۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی تم چلنا شروع کردو اللہ کے ذکر کی طرف، اور ذکر سے مراد خطبہ جمعہ ہے۔

خطبہ کا ثبوت اوراس کے اقسام سرکار دوعالم ﷺ نے خطبہ کی کئی قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ خطبہ نکاح، خطبہ جمعہ، خطبہ پند و نصیحت۔ قرآن کریم میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب آپؐ لوگوں کو توحید کا وعظ کہیں، توحید کا مفہوم سمجھائیں اور توحید کی تقریر کریں تو تقریر شروع کرنے سے پہلے خطبہ پڑھیں۔ انیسویں پارے کی آخری آیت میں فرمایا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

تقریر سے پہلے آپ اپنی زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا کریں۔ یعنی مضمون کو شروع کرنے سے پہلے آپ خدا کی حمد اور اسکا شکر ادا کریں پھر اللہ کے برگزیدہ بندوں پر صلوٰۃ وسلام بھیجیں۔ اسی کا نام خطبہ ہے۔ فرمایا کہ

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ءٰٓاللّٰہُ خَیْرٌ اَمَّا یُشْرِکُوْنَ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

یہاں سے مضمون توحید اور دلائل توحید شروع ہوگیا۔

مولوی اپنے گھر سے نہیں لائے بعض روشن خیال لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دقیانوسی طریقہ ہے یہ مولویوں کا طریقہ ہے کہ آپ کھڑے ہوکر پہلے الحمد اللہ پڑھیں۔ ارے بھائی! یہ مولویوں کا طریقہ نہیں ہے۔ مولوی اپنے گھر سے نہیں لائے ہیں بلکہ انہوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی پیروی کی ہے اور آپ ﷺ نے قرآن کریم کی پیروی کی ہے اسی سے آپ حضرات جو مختصر ترین خطبہ سنے ہوں گے اس کے اندر یہی الفاظ ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

بالکل وہی الفاظ ہیں جو قرآن کریم نے بتائے ہیں۔

خطبہ جمعہ کی حیثیت اور اسکا حکم تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ آیت جمعہ میں ذکر اللہ سے مراد خطبہ ہے اور جمعہ میں دو خطبے ہیں، اور ان کی دو حیثیتیں ہیں، یہ پند و نصیحت اور وعظ بھی ہے، ایک قسم کی تبلیغ بھی ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ نماز کی دو رکعتوں کی طرح فرض بھی ہیں۔ یعنی جس طرح نماز میں کھانے پینے کی، بولنے چالنے کی ممانعت ہے اسی طریقہ سے ان دو خطبوں کا حکم ہے۔ اور ان دونوں خطبوں کا سننا ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ نماز کی دو رکعتیں واجب ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس میں تبلیغ بھی ہے۔ احکام بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ پند و نصیحت کی باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں۔

خطبہ کا وقت اب مسئلہ یہ ہے کہ یہ خطبے نماز سے پہلے ہوں یا نماز کے بعد؟ اس سلسلہ میں بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ابتداء میں یہ طریقہ تھا کہ نماز پہلے ہوجاتی تھی خطبے بعد میں ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ ایسا آیا کہ حضور اکرم ﷺ خطبہ دے رہے ہیں، اسی اثناء میں تجارت کا ایک قافلہ آگیا، اور اس زمانہ میں جب تجارت کا قافلہ آتا تھا تو نقارہ بجایا جاتا تھا یا کسی اور طریقہ سے اعلان کیا جاتا تھا کہ لوگو دوڑو! تجارت کا قافلہ آگیا ہے۔ جنکو غلے کی ضرورت ہے یا کسی اور چیز کی ضرورت ہے وہ لے جائیں۔ پھر آناً فاناً چیزیں ختم ہوجاتی تھیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ جہاں جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں وہاں اس اعلان کی آواز آئی تو کچھ لوگ اٹھ کر چلے گئے۔

ہمارے اور صحابہ کرام کے درمیان نقطۂ امتیاز اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو ہمیشہ دنیا کے مقابلے میں دین کو مقدم رکھتے تھے۔ ان کے متعلق ہم یہ کیسے سمجھ لیں کہ وہ نماز کو چھوڑ کر چلے گئے؟ ہمارے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہی تو فرق ہے کہ وہ جذبہ اور شوق سے نمازیں ادا کرتے

تھے ۔ہم اور آپ ایسے ہیں کہ نمازیں ادا کرنے کیلئے دل نہیں لگتا۔یہی فرق ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ہم پر چار رکعتیں فرض ہیں اور ان پر سولہ یا بیس رکعتیں فرض تھیں۔ہم پر تیس دن کے روزے فرض ہیں اور ان پر ساٹھ دن کے روزے فرض تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ماکانوا اکثر صلوۃ ولا صیاما ولکن شئی وقر فی القلب

صحابہ کرام پر بھی یہی نمازیں فرض تھیں۔یہی روزے فرض تھے جو ہم اور آپ پر فرض ہیں لیکن ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کی محبت اس طرح گاڑدی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ محبت ان کے خون کے ساتھ رگوں میں سرایت کر گئی ہے۔ہمارا معاملہ جو دین کے ساتھ ہے وہ اوپر اوپر کا معاملہ ہے جبکہ صحابہ کرام کے ضمیر میں اور ان کے خون کے اندر دین کی محبت داخل ہو گئی تھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ایک بڑے صحابی ہیں۔ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک باغ تھا جس میں بہت پھل آیا ہوا تھا۔ایک دن یہ اپنے باغ کے اندر عصر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ایک پرندہ کے پھڑپھڑانے کی آواز آئی، اور باغ اتنا گنجان تھا کہ اسے باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔جس کی وجہ سے نماز ہی میں یہ خیال آیا کہ میرا یہ باغ کتنا پھلدار ہے اور کس قدر سرسبز وشاداب ہے کہ پرندہ باہر نکلنا چاہتا ہے مگر باغ اس قدر گھنا ہے کہ نکل نہیں پاتا،لیکن پھر فوراً یہ خیال آیا کہ یہ خیالات نماز کے اندر مناسب نہیں ہے۔ لاحول ولا قوہ الا باللہ پڑھے اور نماز سے فراغت کے بعد حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) میں اس باغ کو اللہ کی راہ میں دے دینا چاہتا ہوں۔کیونکہ وہ باغ جو نماز کے اندر مجھے خدا کی یاد سے غافل کردے میں اسے اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔

استدلال تو جب صحابہ کرامؓ کا نماز کے ساتھ یہ شغف تھا تو ہم کیسے سمجھیں کہ تجارتی قافلہ کے آنے کا اعلان ہوتے ہی صحابہ کرام نماز جمعہ کو چھوڑ کر چلے گئے ہوں گے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ در حقیقت اس زمانہ میں خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔ بعض صحابہ نے جو نماز کے بعد خطبہ سن رہے تھے کہ یہ سمجھا کہ خطبہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو ایک عام وعظ وتقریر کی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وعظ وتقریر اور پند ونصیحت کا یہی حکم ہے کہ سننا بہتر ہے لیکن اگر نہیں سنے تو حکم کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہے۔ یہ سمجھ کر بعض صحابہؓ اٹھ کر چلے گئے اور یہ سوچکر خطبہ کے ختم ہونے کا انتظار نہیں کیا کہ کہیں قافلہ کا سامان ختم نہ ہو جائے اور وہاں جاکر خرید وفروخت میں مصروف ہوگئے۔ قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ

خطبہ جمعہ عبادت ہے سرکار دوعالم ﷺ کے خطبہ میں کل بارہ صحابی باقی رہ گئے تھے۔ جن میں خلفائے راشدین اور دیگر اکابر صحابہ ہیں۔ اس آیت کے نازل ہونے پر یہ معلوم ہوا کہ در حقیقت خطبہ جمعہ کی حیثیت عام وعظوں کی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت نماز کی ہے۔ یعنی اسکا سننا واجب ہے لہذا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا کہ اس کو نہ بغیر اٹھ کر قافلہ کیلئے چلے جائیں اس آیت کے ذریعہ سے ان کو تنبہ ہوگیا، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ وہ لوگ پھر واپس آگئے۔ لیکن بہرحال آئندہ کیلئے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ خطبہ محض پند ونصیحت اور وعظ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عبادت ہے، اسکا درجہ نماز کا درجہ ہے۔

اسکا سننا واجب ہے بہرحال شروع زمانہ میں خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا پھر اسکو نماز سے پہلے پڑھا جانے لگا۔ یا ہوسکتا ہے کہ شروع زمانہ میں بھی نماز سے پہلے ہی پڑھا جاتا

ہوا اس لئے کہ یہ جو میں نے کہا کہ خطبہ نماز کے بعد ہوا کرتا تھا یہ بعض حضرات کی رائے ہے۔ جبکہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ شروع سے ہی یہ دونوں خطبے نماز سے پہلے ہوتے تھے مگر صحابہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اسکی حیثیت نماز کی حیثیت ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو معلوم ہوا کہ اسکا سننا واجب ہے۔ دوران خطبہ اگر کوئی کچھ سوال کرے تو اشارہ سے چپ کردے۔ جواب نہ دے۔ بولنا جائز نہیں۔ کھانا پینا جائز نہیں۔ سلام کرنا جائز نہیں۔ سلام کا جواب دینا جائز نہیں۔ کوئی اور کام کرنا جائز نہیں۔

درود پڑھنا بھی درست نہیں یہاں تک کہ جب سرکار دو عالم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی آئے تو درود پڑھنا بھی درست نہیں ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کیلئے آپ کے نام کی سب سے بڑی تعظیم یہی ہے کہ آپ ﷺ پر درود بھیجیے

"صلی اللہ علیہ وسلم" کہے یا اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید پڑھے یا کوئی اور درود پڑھے۔ یہ سرکار دو عالم ﷺ کے نام کی سرکاری تعظیم ہے۔

سرکاری تعظیم سرکاری تعظیم سے میری مراد یہ ہے کہ تعظیم کا یہ طریقہ خود شریعت نے ہمیں بتایا ہے۔ بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ جو لوگ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی سنیں اور آپ پر درود نہ بھیجیں وہ بخیل ہیں، اور اس وقت جب اللہ تعالیٰ کی رحمت عام ہوگی یہ لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ کیوں؟ اس لئے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بخل کیا۔

ترجمہ قرآن کیلئے شرط اول فرمایا کہ

إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ

کاروبار چھوڑ دو اور ذکر اللہ کیلئے سعی کرو۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ قرآن کریم کا ترجمہ محاورہ کے سمجھے بغیر نہیں سمجھ سکتے۔ قرآن کریم نے کہا،

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

اے ایمان والو! حرام کے ذریعہ جو مال آئے خواہ وہ رشوت کا ہو یا حاکم کے پاس مقدمہ لے جاکر سفارش کے ذریعہ اس سے فیصلہ کراکر ہو اُسے مت کھاؤ۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صاحب! قرآن کریم نے تو صرف کھانے سے منع کیا ہے چنانچہ میں نے کھایا نہیں ۔میں نے اس کا سوٹ بنوالیا ۔میں نے اس سے جائداد خریدلی ۔میں نے فلاں کام کرلیا ہے ۔یہ سب تو کھانے میں شمار نہیں ہے؟ آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا اسکا یہ کہنا صحیح ہے؟ اسے یہی بتایا جائے گا کہ بھائی! یہ "لَاتَاْكُلُوْا" درحقیقت عنوان ہے۔ جسکا مطلب انتفاع حاصل کرنا اور فائدہ اٹھانا ہے،خواہ وہ کھانے پینے کے ذریعہ ہو،خواہ وہ پہننے اوڑھنے کے ذریعہ ہو، خواہ وہ کسی کے دینے اور لینے کے ذریعہ ہو، خواہ وہ کسی اور استعمال کے ذریعہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے حرام مال کا استعمال جائز نہیں ہے۔ عنوان "لَاتَاْكُلُوْا" ہے۔

اسی طرح فرمایا "وَذَرُوْا الْبَيْعَ" کاروبار چھوڑدو۔ مطلب یہ ہے کہ ہروہ کام جو تم کررہے ہو وہ ترک کردو۔ اگر بیٹھ کر باتیں کررہے ہو تو اب باتیں کرنا جائز نہیں، کھانا کھانا جائز نہیں، کھیلنا کودنا جائز نہیں اور ایسا کوئی مشغلہ جائز نہیں جو نماز کیلئے مخل ہو، یہ سب کے سب چھوڑدو۔ عنوان "وَذَرُوْا الْبَيْعَ" ہے۔

تجارت سے ممانعت کی حکمت

علماء نے اس کی وجہ یہ لکھا ہے کہ ذکر اللہ کی طرف آنے کے راستے میں ہماری دراصل تجارتیں ہی رکاوٹ بنتی ہیں۔ ایک آدمی دوکان پر بیٹھا ہے، نماز کا وقت ہورہا ہے، گاہک آرہے ہیں، سودا کرتے کرتے دیر ہوگئی۔ نماز چھوڑدیا۔ رفتہ رفتہ وہ دین سے دور ہوتا چلاجاتا ہے۔ بیوی کا برقعہ اترواتا ہے پھر سرپر ہیٹ (HAT) لگاتا ہے۔ اور درجہ بدرجہ وہ اپنے اندر تبدیلیاں کرتا چلاجاتا ہے یہاں تک کہ ایک منزل آتی ہے جب وہ سمجھنے لگتا ہے کہ اب میرے لئے نماز کی

بالکل حاجت نہیں ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود وایاز میں آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ اگر آپ بڑے حاکم ہوگئے، اگر آپ وزیر ہوگئے، اگر آپ وزیر اعظم ہوگئے، اگر آپ صدر ہوگئے تو آپ کی شان میں یہ فرق آتا ہے لیکن آپ نے امریکہ کے صدر کو دیکھا ہوگا، اسکی کتنی بڑی شخصیت ہے! لیکن جب وہ ہندوستان آیا ہے تو اتوار کے دن وہ آگرہ کے اندر تھا۔ وہاں اس کے لئے گرجا میں انتظام کیا گیا اور وہ وہاں گیا۔ برطانیہ کی موجودہ ملکہ اور اس کا شوہر دونوں جب پاکستان آئے ہیں تو اتوار کے دن پشاور کے اندر تھے۔ وہاں ان کیلئے سرکاری طور پر گرجا میں جانے کا پروگرام تھا۔ اب آپ مجھے بتایئے کہ گرجا میں جانے سے ان کی شان میں کوئی فرق آیا؟ اگر اتنے بڑے ہونے کے باوجود بھی ان کی شان میں فرق نہیں آیا تو معاف کیجئے ہماری اور آپ کی شان ہی کیا ہے جس کے اندر فرق آتا ہے۔

جمعہ کی تعطیل بعض لوگ جب ذرا اونچے درجے کے افسر ہوجاتے ہیں تو بیٹھے ہوئے کام کرتے رہتے ہیں ادھر نماز ہوتی رہتی ہے، اور بہت سے ماتحت ان کی وجہ سے رُکے رہتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ میں تو خود نماز نہیں پڑھتا ہوں ساتھ دوسروں کیلئے بھی نماز سے رکاوٹ بن رہا ہوں۔ اسی لئے ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ فیصلہ رہا ہے کہ جمعہ کا دن تعطیل اور چھٹی کا دن ہے۔ کاروبار بھی بند، دفاتر بھی بند اور وہ تمام مصروفیتیں بند جو نماز میں حارج ہوتی ہوں۔ رکاوٹ بنتی ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم نے کہا ہے "فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ" تم وہ تمام کاروبار اور مشغلے ترک کردو جو سعی الیٰ ذکر اللہ میں رکاوٹ بنتے ہوں۔ سی لئے پاکستان کے اندر ہمیشہ سے مسلمانوں کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ چھٹی بجائے اتوار کے دن کے جمعہ کے دن ہونی چاہئے۔

مانع بیع اذان بہرحال؛ جس اذان سے کاروبار اور دیگر تمام چیزیں حرام ہوجاتی ہیں

وہ کون سی اذان ہے؟ علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں اذان سے مراد وہ پہلی اذان ہے جو بارہ یا ساڑھے بارہ بجے دی جاتی ہے۔ لیکن امت میں جب اختلاف ہوتا ہے تو وہ رحمت بن جاتا ہے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے فرمایا کہ جس اذان سے کاروبار بند ہوجاتا ہے وہ دوسری اذان جس سے خطبہ کا آغاز ہوتا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اس میں کچھ گنجائش نکلتی ہے۔ مگر تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہو تو وہ پہلو اختیار کرنا چاہئے جو احتیاط کے مطابق ہو۔ اور احتیاط اسی میں ہے کہ اذان سے پہلی اذان مراد لی جائے اگرچہ فائدہ اٹھانے کیلئے تو دوسرے قول سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ ایک واقعہ مجھے یاد آگیا۔ حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ کو آخری زمانہ میں دستوں کی بیماری ہوگئی تھی۔ اکثر ان کو اجابت ہوتی رہتی تھی۔ اور اسکی وجہ سے تقریباً دس دس بارہ بارہ دن میں خانقاہ میں تشریف لے جاتے تھے۔ بہت سے لوگ دور دراز سے آکر وہاں ٹھہرے ہوئے ہوتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ حضرت! یہیں پر بیت الخلاء کا انتظام ہے اور بیماری کے زمانے میں خانقاہ ہی میں رہیں تو بہتر ہوگا۔ ہماری یہی خواہش ہے۔ مولاناؒ نے فرمایا کہ خود میرا جی بھی یہی چاہتا ہے لیکن یہاں پر بیت الخلاء فاصلہ پر ہے اور مجھ میں بار بار وہاں جانے کی تحمل نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا، حضرت! یہ مسجد تو آپ ہی کے زیر انتظام ہے، اس کے جو استنجاء خانے ہیں ان کو اپنی ضرورت کیلئے بیت الخلاء میں تبدیل کرلیجئے؟ فرمانے لگے کہ یہ بات تو علماء سے پوچھنی پڑے گی کہ آیا یہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں! حالانکہ مولاناؒ خود بہت بڑے عالم تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! آپ کی مجلس میں بڑے بڑے علماء بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی موجود ہیں، آپ خود بڑے مفتی ہیں آپ حضرت مفتی صاحبؒ سے دریافت فرمالیں۔۔۔ مولانا نے فرمایا کہ مرید کا فتویٰ شیخ کے حق میں

معتبر نہیں ہے۔ اور وہ مجھ سے بیعت ہوئے ہیں انکو مجھ سے محبت ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ان کی رائے میں انکی محبت کا دخل ہو جائے اور بات تقویٰ کی راہ سے ہٹ جائے۔ اس لئے ان سے استفادہ نہیں کرنا چاہئے غیروں سے کرنا چاہئے۔

احتیاط کا پہلو تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ تقویٰ اور احتیاط کا تقاضہ یہی ہے کہ مذکورہ آیت میں اذان سے مراد پہلی اذان لیں اسی سے تمام مشاغل اور کاروبار کو حرام قرار دیں ۔ بلکہ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اس اذان کے بعد جو کاروبار کیا جائے گا وہ ازروئے شرع درست ہی نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی نے اذان کے بعد بکرا خریدا تو فرمایا کہ نہ بیچنے والے کی ملکیت میں قیمت جاتی ہے اور نہ خریدنے والے کی ملکیت میں وہ بکرا جاتا ہے۔ اگرچہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ معاملہ تو ازروئے شرع درست ہو جائے گا البتہ بیچنے والا اور خریدار دونوں گنہگار ہوں گے۔ اس لئے ہمارے اور آپ کے اوپر ضروری ہے کہ ہم اس کا خاص اہتمام کریں۔

یہ چند باتیں تھیں جو عرض کی گئیں۔ اس سلسلہ کی بعض باتیں اور رہ گئی ہیں جو انشاء اللہ پھر عرض کی جائیں گی۔ وقت ختم ہو گیا ہے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ اللھم
صلی علی سیدنا و مولینا محمد صلوۃ تنجینا
بہا من جمیع الاھوال والآفات، وتقضی لنا بہا

الحاجات، وتطهرنا بها من جميع السيئات، وترفعنا
بها اعلى الدرجات، وتبلغنا بها اقصى الغايات،
من جميع الخيرات في الحيوة وبعد الممات،
انك على كل شئ قدير برحمتك
يا ارحم الراحمين۔



مقام نبوت وولایت

کامل درجہ کا عمل وہ ہے جس میں خدا اور مخلوق دونوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہوں۔ ہمارے اور آپ کے اور نبی کے عمل میں یہی فرق ہے۔ معاف کیجئے گا! ہماری اور آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جب ہم بیوی بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے کمائی میں لگ جاتے ہیں تو بس! کمائی میں لگ گئے۔ نماز غائب، تلاوت غائب، روزہ غائب، رمضان غائب۔ دین سے ہٹ کر مکمل طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر حقوق العباد کا کوئی خیال ہمیں نہیں رہتا۔ بعض عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن بغیر اطلاع کئے ہوئے گھر سے غائب رہتے ہیں۔ ساری رات نہیں آتے۔ گھر والے دروازہ کھولے ہوئے ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یاد رکھئے! یہ دینداری نہیں ہے، یہ سرکار دوعالم ﷺ کا طرز عمل نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقامِ نبوت وولایت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا
مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ
لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

أَمَّا بَعْدُ. فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ أَنتَ بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾
وَذَكِّرْ فَإِنَّ ٱلذِّكْرَىٰ تَنفَعُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! سورۂ ذٰریٰت کے سلسلے میں گذشتہ اور گذشتہ سے پیوستہ جمعہ میں یہ مضامین پیش کئے گئے تھے کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے مختصر طور پر ان قوموں کا حال بیان کیا ہے جنہوں نے اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی اور مخالفت کی، اللہ کے ساتھ شرک کیا اور رسول کے ساتھ نافرمانی اور بغاوت کی۔ ان لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قومِ لوطؑ اور قومِ فرعون اور قومِ عاد وقومِ ثمود کے واقعات بیان کئے، اور جب ان کی تباہی کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کردیا گیا تو اب قرآن نے یہ کہا کہ دیکھو! حق کے راستے پر آجاؤ اور وہ راستہ توحید ورسالت کا راستہ ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے توحید کا مضمون بیان کیا گیا فرمایا کہ

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ پھر رسالت کا مضمون بیان کیا گیا کہ رسول کی اطاعت کرو، فرمانبرداری کرو اور انکے ساتھ گستاخی کا برتاؤ نہ کرو لیکن جیسا کہ قرآن کریم نے کہا کہ یہ لوگ ہر نبی اور ہر پیغمبر کے متعلق یہ کہتے رہے کہ یا تو یہ مجنون ہیں یا جادوگر ہیں۔

الزام کیلئے قرینہ چاہیئے میں نے گذشتہ جمعہ یہ عرض کیا تھا کہ آدمی کو الزام دیتے ہوئے بھی کچھ لحاظ ہونا چاہیئے۔ اگر خوشی کی کوئی خبر سن کر آپ رونے لگیں یا غم کی کوئی خبر سن کر آپ خوشی کے مارے رقص کرنے لگیں تو ساری دنیا ملکر یہ کہے گی کہ ان کا دماغی توازن صحیح نہیں ہے، یہ دیوانہ ہے۔ کیونکہ خوشی کی بات پر خوش ہونا اور غم کی بات پر غمگین ہونا یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اس کے احساسات صحیح کام کر رہے ہیں۔ اور جب کسی کے احساسات صحیح صحیح کام کر رہے ہوں تو اس پر کوئی الزام دینے کا جواز نہیں رہتا

اخلاق نبوی ﷺ کی عظمت جو لوگ حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ مجنون کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انکی تردید ان الفاظ میں فرمائی ہے فرمایا کہ۔

انک لعلیٰ خلق عظیم

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "کان خلقه القران"

یعنی سرکار دو عالم ﷺ کی پوری حیات طیبہ اور آپ کے کریمانہ اخلاق وہی ہیں جو قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔ تو آپ ایمانداری سے بتایئے کہ جن کے کریمانہ اخلاق بہت اعلیٰ ہوں اور اخلاق کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے محل میں ہو۔ خوشی اپنے محل میں ہو اور غمی اپنے محل میں ہو تو کون ایسا پاگل ہو گا جو ان پر الزام لگایئے گا؟

فرزند رسالتمآب ﷺ کی وفات حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے ایک صاحبزادے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ سے تھے جنکا نام حدیث میں ابراہیم بیان کیا گیا ہے، عرب کے دستور کے مطابق جب ان کو کسی گھرانے کے اندر تربیت اور پرورش کے لئے دے دیا گیا تھا تو اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی، نزع کا عالم طاری ہو گیا، خبر دینے والے نے حضور ﷺ کو خبر دی کہ صاحبزادے کی حالت نازک ہے آپ فوراً تشریف لے چلیں۔ حضور ﷺ تشریف لے گئے اور جاکر آپ ﷺ نے

صاحبزادے کو گود میں لیا۔ آپکی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور آپ ﷺ فرمارہے ہیں۔ انا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون(۱)

اے ابراہیم! میں تمہاری جدائی سے بڑا غمزدہ ہوں، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپؐ تو نبی ہیں، آپؐ تو پیغمبر ہیں، آپ بھی روتے ہیں؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا لخت جگر ہے، یہ میرا بیٹا ہے، اسکی جدائی پر اتنا غم ہونا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ہے جو مجھے ادا کرنا ہے۔

امت کے لئے سبق جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ بتادیا کہ اس وقت یہاں دو حق جمع ہیں، ایک حق اللہ کا ہے، اور ایک جدا حق ہونے والے بیٹے کا ہے، اللہ کا حق یہ ہے کہ کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جو اللہ کی مشیت ورضا کے خلاف ہو اور جدا ہونے والے بیٹے کا حق یہ ہے کہ اس کی جدائیگی پر آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

تو یہ نبوت کا کمال ہے کہ ایک ہی وقت میں آپ ﷺ نے مخلوق کا حق بھی ادا کیا اور خالق کا حق بھی ادا کیا۔ ایسے موقع پر ہمارے اندر جو بڑے بڑے صاحب کمال لوگ ہیں ان کے اندر بھی " بمصداق حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء " کے عام طور پر کمزوری ہوتی ہے، انہیں ایک چیز نظر آتی ہے اور بہت سی چیزیں نظروں سے غائب ہوجاتی ہیں۔ لیکن نبی کی شان یہ نہیں ہے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ رونے کی بات پر رونا یہ اس بات کی نشانی ہے کہ احساسات صحیح صحیح کام کر رہے ہیں لیکن اگر اس حالت میں کوئی خوش ہو تو کہا جائے گا کہ بھائی! عجیب بات ہے! انکا دماغی توازن ٹھیک نہیں معلوم ہوتا ہے۔

(۱) بخاری شریف / ۱۲۲۰، مسلم شریف / ۳۲۰۹، ابوداؤد / ۹۱۰، مسند احمد / ۱۲۵۳۳

حضرت فضیل بن عیاض علیہ الرحمہ کی سرگذشت | حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر ایک ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ یہ سلسلہ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ اور ولی اللہ ہیں۔ لیکن ان کی جوانی کا زمانہ بے انتہا، لاپروائی میں گذرا۔ چوروں کے ساتھ رہتے تھے، چوری کرتے اور ڈاکہ ڈالتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نوجوان لڑکی کو دیکھکر اس پر فریفتہ ہوگئے اور اعلان کردیا کہ آج اس زندہ مال میں ڈاکہ ڈالا جائے گا۔ لوگ سب کے سب سہم گئے کہ آج ہماری جان محفوظ نہیں ہے۔

حضرت فضیل بن عیاض اپنے ارادے کے مطابق مکانوں کی چھتوں کے اوپر سے پھلانگتے ہوئے اس مکان میں جانے کی کوشش کر رہے ہیں، جس میں لڑکی رہتی تھی۔ رات کا وقت ہے، بالکل سناٹا چھایا ہوا ہے۔ خدا کی شان دیکھئے کہ اللہ کا ایک بندہ قرآن کریم کی تلاوت کررہا ہے ان کے کان میں آواز آئی جس سے یہ سمجھے کہ شاید کوئی میرے خلاف باتیں کررہا ہے انہوں نے اس آواز کی طرف کان لگایا۔ بس! کان لگانا تھا کہ پڑھنے والے نے یہ آیت تلاوت کی۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ
وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تیرا دل اللہ کے ذکر کے آگے جھک جائے بس! یہ سننا تھا کہ دل گھبرا گیا، ایسا معلوم ہوا کہ جیسے یہ آیت ابھی ابھی اللہ تعالیٰ نے فضیل بن عیاض کیلئے ہی نازل فرمائی ہے۔ فوراً بے اختیار ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا۔ "بلیٰ یارب قد آن"۔ ہاں! اے میرے پروردگار! وقت آگیا، میرا دل جھک گیا، اور اب میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ سے کوئی گناہ نہیں کروں گا۔ اور لکھا ہے کہ اتنا روئے کہ فرشِ زمین آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ اللہ کے یہاں

صرف یہی نہیں کہ انکی توبہ قبول ہوئی بلکہ اللہ نے ان کو ولایت کا مرتبہ عطا فرمایا۔

حضرت فضیل بن عیاض توبہ کے بعد اس واقعہ کے بعد تیس (۳۰) سال تک حضرت فضیل بن عیاض زندہ رہے لیکن دیکھنے والوں نے یہ کہا کہ اس تیس سال کے عرصہ میں ہم نے کبھی انکو مسکراتے نہیں دیکھا۔ اپنی پرانی زندگی کا انہیں اتنا غم۔ اتنا رنج اور اتنا صدمہ تھا کہ کبھی ان کو ہنسی نہیں آتی تھی، ہر وقت یہ خیال رہتا تھا کہ میری پرانی زندگی کو اللہ کیسے معاف کرے گا اور کس طریقے پر میری توبہ قبول کرے گا۔

بہر حال، اللہ تعالیٰ نے ان کو ولایت کا مرتبہ عطا فرمایا، یہ سلسلہ چشتیہ کے بڑے بزرگ اور ولی تھے۔ ان کا بھی ایک عمل آپ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن پہلے آپ رسول اللہ ﷺ کا عمل اپنے سامنے رکھئے کہ صاحبزادے کا انتقال ہو رہا ہے، آپ انہیں گود میں لیکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو بہہ رہا ہے۔ اور آپ فرما رہے ہیں۔ انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون

اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے بڑے غمزدہ ہیں۔ اب آپ دوسری طرف ایک ولی کا نمونہ اپنے سامنے رکھئے۔

حضرت فضیل کا ایک انوکھا واقعہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جوان اور اکلوتے بیٹے کا انتقال ہو گیا، جوان میں نے اس لئے کہا کہ موت کا صدمہ تو خیر سبھی کو ہوتا ہے لیکن جوانی کی موت کا صدمہ انتہائی سخت ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ "این ماتم سخت است کہ گویند جواں موت"

یہ بہت سخت ماتم ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض کے جوان بیٹے کا انتقال ہوا، کسی خبر دینے والے نے خبر دی کہ آپکے بیٹے کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے سن کر فرمایا "الحمد للہ" آنکھوں سے آنسو نہیں بہہ رہے ہیں، کوئی اور جملہ زبان پر نہیں ہے۔ بس "الحمد للہ" کا جملہ کہا اور فرمایا کہ جب غسل دے کر اسکی میت

کو لے جاؤ تو مجھے اسکی شکل دکھا دینا میں بڑھاپے کی وجہ سے وہاں جانے سے معذور ہوں۔

چنانچہ جب تجہیز وتکفین ہو گئی تو لوگ بیٹے کی میت کو باپ کے پاس لائے۔ اب دیکھئے اور بھی تعجب کی بات ہے۔ بیٹے کی شکل دیکھی اور مسکرا کر فرمارہے ہیں۔ اللہ کی امانت اللہ کے حوالے۔ اللہ کی امانت اللہ کے حوالے۔

اسوہ رسول ﷺ ہی معیار اتباع ہے اب آپ بتائیے! ایک نمونہ عمل آپ کے سامنے حضرت فضیل بن عیاض کا ہے جو ولی ہیں اور ایک نمونہ عمل آپ کے سامنے سرکار دوعالم ﷺ کا ہے۔ ان دونوں نمونوں میں سے کونسا نمونہ بہتر ہے؟ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ صاحب! ہمیں تو فضیل بن عیاض کا نمونہ بہتر معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے جوان اور اکلوتے بیٹے کی موت کی خبر سن کر "الحمد اللّٰہ" کہا ہے۔ وہ راضی برضا ہیں۔ اسکا یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔

نبی کا ہر عمل معیاری اور کامل ہوتا ہے یاد رکھئے! صرف یہی نہیں کہ نبی کا ہر عمل درجہ کمال پر ہوتا ہے بلکہ نبی کا عمل معیار کمال بھی ہے۔ معیار کمال کا مطلب یہ ہے کہ نبی کے ہر عمل کی ہو بہو نقل اتارو۔ اگر آگے بڑھو گے تب بھی ناقص، اور اگر پیچھے رہو گے تب بھی ناقص، سرکار دوعالم ﷺ معیار کمال ہیں آپ کے نمونے سے کردار کو ناپا جاتا ہے، جسکا کردار آپ ﷺ کے عمل سے ملتا ہے وہ کامل ہے اور جسکا کردار آپ ﷺ کے عمل سے نہیں ملتا ہے وہ ناقص ہے۔ خواہ وہ کردار ولی کا ہو۔ خواہ قطب کا ہو، خواہ غوث کا ہو، خواہ ابدال کا ہو۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض جو ولی ہیں ان کا عمل کم درجہ کا ہے اور سرکار دوعالم ﷺ کا عمل کامل درجہ کا ہے اور یہ کوئی بحث نہیں ہے۔ الحمد اللہ تمام مسلمانوں کو یہ معلوم ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی کا درجہ بڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو نبی کا نمونہ عمل ہے وہ کامل ترین ہو گا۔

مولانا رومیؒ کا مقام حضرت سلطان العارفین مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو اور بھی واضح کردیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی کا درجہ بڑا ہے۔ مولانا رومیؒ کا جب جلوس نکلتا تھا تو بہت سے علماء پیچھے پیچھے ہوتے تھے اور گھوڑوں، گدھوں، اور خچروں کے اوپر کتابیں لدی ہوئی ہوتی تھیں۔ بڑا شاہانہ جلوس ہوتا تھا کیونکہ ان کے زمانہ میں ان کے پائے کا کوئی عالم ہی نہیں تھا۔ حضرت شمس تبریزؒ آپ کے شیخ اور پیر ہیں۔ یہ علم کتابی کے عالم نہیں ہیں لیکن سلوک و معرفت کے تمام راستے طے کئے ہوئے ہیں اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے سینے میں کتب خانے کے کتب خانے محفوظ ہیں۔ حضرت شمس تبریزؒ پیر ہیں اور پیر بھی ایسے ہیں کہ جنکے بارے میں خود مولانا رومیؒ اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں، فرمایا کہ ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تاغلام شمس تبریزی نہ شد

جب تک میں شمس تبریزیؒ کا غلام نہیں ہوگیا حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک مجھے علم کا ذائقہ نہیں آیا۔

رومیؒ و تبریزیؒ کی ملاقات مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ مولانا رومیؒ کا جلوس جارہا تھا اور یہ بیچارے اللہ والے درویش حضرت شمس تبریزؒ کسی دودھ والے دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے، شور کی ایک آواز آئی، دودھ والے سے پوچھا کہ شور کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ اس نے کہا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کا جلوس آرہا ہے، کہا، ہاں جلوس نکلتا ہے؟ وہ کہنے لگا، ارے صاحب! کوئی ایسا ویسا جلوس نکلتا ہے، پیچھے علماء و مشائخ ہوتے ہیں، کتب خانہ ہوتا ہے، بڑے شاندار طریقے سے ان کا جلوس نکلتا ہے۔ حضرت شمس تبریزؒ فرمانے لگے، آج ہم بھی انکا جلوس دیکھیں گے اور دکان سے نیچے اتر کر کھڑے ہوگئے، دیکھا کہ مولانا جلال الدین رومیؒ کی سواری آرہی ہے، جب مولانا

قریب آگئے تو حضرت شمس تبریزؒ نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لیا اور کہا کہ فقیر کا ایک سوال ہے اسے حل کر کے جاؤ، مولانا رومیؒ بڑے زبردست جید عالم تھے، ہر وقت اسکی تلاش میں رہتے تھے کہ کوئی سوال کرے ۔ میں اس کے جواب میں علم کا دریا بہادوں۔ فرمایا، سوال کرو کیا سوال کرنا چاہتے ہو؛ لوگ حیران ہیں کہ سر بازار ایک شخص جو بظاہر علمِ کتابی کا عالم بھی نہیں ہے لگام پکڑ کے کھڑا ہو گیا ہے اور مولانا جلال الدین رومیؒ سے کہہ رہا ہے کہ آپ میرے سوال کا جواب دیں۔

حضرت شمس تبریزیؒ کا سوال اور مولانا رومی کا جواب سوال یہ کیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی کا؟ مولانا جلال الدین رومیؒ کو بہت غصہ آگیا کہ اتنے بڑے عالم سے وہ سوال کیا جو اگر پرائمری اسکول (PRIMARY SCHOOL) کے لڑکے سے بھی کرتے تو جواب مل جاتا ،کون مسلمان ہے جو اس بات کو نہیں جانتا؟ انہوں نے بڑی حقارت کے ساتھ دیکھا اور فرمایا کہ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہے ،ولی کا درجہ چھوٹا ہے۔ اور فرمایا کہ نبی کی مثال ایسی ہے جیسا کہ عالیشان محل ہے اور ولی کی مثال ایسی ہے جیسے اس محل کا ایک روم (ROOM) ایک کمرہ یعنی ولایت ، نبوت کے محل کا ایک کمرہ ہے ، نبوت سارے محل پر حاوی ہے اور ولایت ایک کمرہ تک محدود ہے۔

رومیؒ کے جواب پر تبریزیؒ کا اعتراض حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا کہ اس جواب پر ایک اعتراض ہے اسے حل کر دیجئے ،پوچھا ،کیا اعتراض ہے؟ فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ نبی ہیں اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ولی ہیں ،اب میں دونوں کے اقوال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں ، آپ مجھے سمجھا دیجئے ؛ سرکار دوعالم ﷺ نبی ہوتے ہوئے فرماتے ہیں۔　"ما عرفناک حق معرفتک"

اللہ نے مجھے معرفت کی دولت عطا کی ہے مگر میں نے حقِ معرفت ادا نہیں کیا

ہے۔ یہ تو نبی کا قول ہے اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ بغداد کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے ہیں "اولیائی تحت قبائی لایعرفه سوائی"۔
جسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے اتنی معرفت دی ہے کہ کسی کو نہیں دی ہے۔ تو نبی کہتے ہیں کہ حق معرفت ادا نہیں کیا اور ولی کہتے ہیں کہ اللہ نے مجھے حق معرفت اتنا دیا کہ کسی کو اتنا نہیں دیا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ولی کی معرفت زیادہ ہے۔ تو پھر آپ کیسے کہتے کہ نبی کا درجہ بڑا ہے؟

مولانا رومیؒ کا تحقیقی جواب مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کے بعد میرا بدن کانپ اٹھا، کیونکہ یہ معمولی سوال نہیں تھا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو قابو میں کرتے ہوئے یہ جواب دیا کہ جس طرح نبی کا درجہ بڑا ہوتا ہے اسی طرح نبی کی معرفت کا برتن بھی بڑا ہوتا ہے اور جس طرح ولی کا درجہ چھوٹا ہوتا ہے اسی طرح اسکی معرفت کا برتن بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ولی کو معرفت عطا فرماتے ہیں اور اسکا برتن بھر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرا برتن چھلکنے لگا۔ لیکن نبی اگر معرفت کے سمندر کے سمندر بھی چڑھا جائیں تو ان کا برتن اتنا بڑا ہے کہ وہ نہیں بھرتا۔ لہذا وہ یہی کہیں گے کہ حق معرفت ادا نہیں کیا۔

حضرت شمس تبریزیؒ کی کرامت مولانا جلال الدین رومیؒ کے اس جواب پر شمس تبریزیؒ چیخ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ مولانا رومیؒ نے طالب علموں سے کہا انہیں اٹھا کر مدرسہ پہنچادو۔ ابھی تک انہیں یہی نہیں معلوم کہ یہ کون ہیں۔ حضرت شمس تبریزؒ کو مدرسہ پہنچادیا گیا۔ شام کے وقت مولانا جلال الدین رومیؒ حوض پر بیٹھ کر کتاب دیکھ رہے تھے۔ حضرت شمس تبریزؒ اٹھ کر آئے اور پوچھا کہ یہ کون سی کتاب ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے! انہوں نے اسے لیکر حوض میں ڈال دیا، پھر پوچھا یہ کونسی کتاب ہے؟ اسے بھی حوض میں ڈال دیا۔ غرض وہاں پر جتنی کتابیں تھیں سب

کو حوض میں ڈالدیا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میری زندگی کا ذخیرہ تم نے حوض میں ڈال دیا۔ حضرت شمس تبریزؒ نے فرمایا کہ آپ ناراض نہ ہوں، میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔ اب انہوں نے جو کتابیں حوض سے نکالیں تو پانی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا، یہ حضرت شمس تبریزکی کرامت تھی۔

مولانا رومیؒ، شمس تبریزیؒ کے آستانہ پر مولانا جلال الدین رومیؒ سمجھ گئے کہ یہ کوئی اللہ والے درویش ہیں، ہاتھ میں ہاتھ دیا اور مرید ہوگئے۔ اور سارے مناظرے اور علم کی نمائش چھوڑ دی، کتابوں کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ

جُملہ اوراق وکُتب درنار کن

سینہ راز نورِ حق گلزار کن

مثنوی کا مقام اہل نظر کی نظر میں مولانا رومیؒ نے کتاب دیکھنا چھوڑ دیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں مثنوی لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جس کے متعلق کہا جاتا ہے

ہست قرآن در زبان پہلوی۔ فارسی زبان کا قرآن ہے۔

بہر حال، اس واقعہ سے مولانا جلال الدین رومیؒ نے واضح کردیا کہ سرکار دوعالم ﷺ کا عمل کامل درجہ کا ہے اور فضیل بن عیاض کا عمل اگرچہ ہمارے اور آپ کے مقابلے میں بہت اعلیٰ وارفع ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مقابلے میں کم درجہ کا اور ناقص ہے۔

امت کے عمل میں اعتدال کا فقدان ہے کامل درجہ کا عمل وہ ہے جس میں خدا اور مخلوق دونوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہوں۔ ہمارے اور آپ کے اور نبی کے عمل میں یہی فرق ہے۔ معاف کیجئے گا، ہماری اور آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو صرف ایک آنکھ سے دیکھتا ہے۔ جب ہم بیوی بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے کمائی میں لگ جاتے ہیں تو بس، کمائی میں لگ گئے۔ نماز غائب، تلاوت غائب، روزہ غائب،

رمضان غائب۔ دین سے ہٹ کر مکمل طور پر دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور جب ہم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر حقوق العباد کا کوئی خیال ہمیں نہیں رہتا۔

بغیر اطلاع کے گھر سے غائب رہنا دینداری نہیں ہے بعض عورتیں شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن بغیر اطلاع کئے ہوئے گھر سے غائب رہتے ہیں۔ ساری رات نہیں آتے۔ گھر والے دروازہ کھولے ہوئے ان کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ یاد رکھیئے! یہ دینداری نہیں ہے۔ یہ سرکار دوعالم ﷺ کا طرز عمل نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا کریمانہ اخلاق سرکار دوعالم ﷺ کا طرزِ عمل تو یہ کہ ایک دفعہ رات کے وقت گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مہمان ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمادیا تھا کہ بھائی! میرے گھر میں۔ کھانے پینے کا کوئی اور سامان تو ہے نہیں۔ البتہ بکری ہے۔ اسکا دودھ دُوھ کر پی لیا کرو اور میرے لئے بھی رکھ دیا کرو۔ ایک دن حضور ﷺ کو اتفاق سے آنے میں دیر ہوگئی تو حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوچا کہ آج شاید حضور ﷺ کی دعوت ہے اس لئے وہ سارا دودھ پی گئے۔ تھوڑی دیر میں حضور اکرم ﷺ تشریف لائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ڈر کے مارے جاکر چپ چاپ لیٹ گئے جیسے سو رہے ہیں۔

حدیث میں آتا کہ حضور ﷺ تشریف لائے "اور فتح الباب رويدا واغلق الباب رويدا۔ سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب! آپ ﷺ نے نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا کہ کہیں مہمان کی آنکھ نہ کھل جائے اور آہستہ سے دروازہ بند کیا اور آہستہ سے سلام کیا کہ اگر جاگ رہے ہوں تو سن لیں اور اگر سو رہے ہوں تو میرے سلام سے آنکھ نہ کھل جائے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چپکے سے سلام کا جواب دیا لیکن ڈر کے مارے یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں جاگ رہا ہوں۔ حضور ﷺ

برتن کے طرف تشریف لے گئے اور دیکھا تو دودھ نہیں ہے، ناراض نہیں ہوئے۔ بلکہ ہاتھ اٹھائے اور فرمایا۔ "اللھم اطعم من اطعمنی"

اے اللہ! اس وقت مجھے بھوک لگی ہوئی ہے، جو میرے پیٹ بھرنے کا ذریعہ بن جائے اسے تو خوشحالی عطا فرما، سبحان اللہ! کیا کریمانہ اخلاق تھے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کا دعا مانگنا تھا کہ مجھے یقین ہوگیا کہ نبی کی دعا تو خالی نہیں جاسکتی لہذا میں اٹھا اور جاکر بکریوں کے تھنوں کو دیکھا جس سے ابھی ابھی میں دودھ نکال چکا تھا میں نے دیکھا کہ تھن دودھ سے بھری ہوئی ہے، میں نے دودھ نکالا حضور اکرم ﷺ کو پیش کردیا۔ یہ ہے دینداری۔

اصل دینداری کیا ہے؟ یاد رکھئے! دینداری کے معنی یہ ہیں کہ ایک طرف مخلوق کا حق ادا کرو اور دوسری طرف خالق اور خدا کا حق ادا کرو۔ جب تک ہماری زندگی میں یہ توازن اور یہ بیلنس (BALANCE) پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری زندگی کامل اور اعلیٰ درجہ کی نہیں ہوگی۔

نبوت وولایت کا نقطہ امتیاز حضور اکرم ﷺ کی زندگی میں درجۂ کمال یہی ہے کہ آپ نے یہ دونوں حقوق ادا کئے، ایک طرف جدا ہونے والے بیٹے کا حق بھی ادا کیا اور دوسری طرف خالق کا حق بھی ادا کیا۔ لیکن ہمارے ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ نے اللہ کا حق تو ادا کیا اور اللہ کی مرضی میں اتنے مستغرق ہوئے اتنے مستغرق ہوئے کہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ادا نہیں کیا۔ حضرت فضیل ابن عیاضؒ کے عمل میں یہ کمی اور یہ نقص باقی رہ گیا تھا کہ انہوں نے مخلوق کا حق ادا نہیں کیا۔

اسلامی تہذیب کی قدر کیجئے معلوم ہوا کہ قیامت تک حضور اکرم ﷺ کے عمل سے، آپ کی عبادت سے، آپ کے اخلاق سے، اور آپ کی تہذیب وتمدن سے بہتر نہ آپ تہذیب پیش کرسکتے ہیں نہ تمدن پیش کرسکتے ہیں۔ اس زمانے میں لوگوں نے

صرف لباس پہننے کا نام تہذیب رکھ دیا ہے، یا آپ زیادہ سے زیادہ کسی پر چوٹ کردیں آجکل یہی تہذیب ہے۔ ارے تہذیب سیکھئے اللہ والوں سے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا مہذب اخلاق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک عمر رسیدہ عورت برقعہ پہنے ہوئے آئی اور آپ جانتے ہیں کہ جب عمر زیادہ ہوجاتی ہے تو بدن قابو میں نہیں رہتا۔ جب وہ بیچاری بڑی بی بیٹھنے لگیں تو ان کا وضو ٹوٹ گیا جسکی آواز بھی آئی۔ اب وہ بیچاری بڑی شرمندہ ہوئیں کہ ہائے! حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ایسا ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحب ان کی شرمندگی کو سمجھ گئے اور فرمایا کہ کیسے آئیں بڑی بی! انھوں نے کہا، حضور! میں تعویذ لینے آئی ہوں، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ذرا زور سے کہو! انھوں نے پھر زور سے کہا، شاہ صاحب اور آگے کو سرک کر آئے اور فرمایا کہ اور زور سے کہو اور کان اسکی طرف لگادیا۔ انھوں نے اور زور سے کہا، دراصل شاہ صاحبؒ ان کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ جس آواز کی وجہ سے تم شرمندہ ہوئیں وہ آواز میں نے نہیں سنی ہے۔ یہ ہے اللہ والوں کی تہذیب! کسی نے بالکل سچ کہا،

اصل تہذیب احترام آدم است

تہذیب کی حقیقت کیا ہے؟ اصل تہذیب یہ ہے کہ انسان، انسان کا احترام کرنا سیکھے، چھوٹے بڑوں کی تعظیم کرنا سیکھیں، بڑے چھوٹوں پر شفقت کرنا سیکھیں، برابر والے برابر والوں سے صحیح برتاؤ کرنا سیکھیں۔ سرکار دوعالم ﷺ کے اسوہ پر چلنا، آپ ﷺ کی سنت اختیار کرنا ہی اصل تہذیب ہے۔ دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی آپ کے اسوہ سے بہتر اسوہ نہیں پیش کرسکتا، کوئی بڑے سے بڑا سائنٹسٹ (SCIENTIST) بھی نہیں پیش کرسکتا۔

احساس کمتری کی چادر اتار پھینکئے

میں نے یہ باتیں اس لئے عرض کیں تاکہ ہم اپنے ذہنوں سے احساس کمتری کو دور کریں اور سرکار دوعالم ﷺ کی زندگی کو اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ سمجھ کر اپنے سامنے رکھیں۔ خوشی میں ہو، غمی میں ہو، تجارت میں ہو یا کسی چیز کے اندر ہو عورتوں کیلئے ہو یا مردوں کیلئے ہو، نمونہ ہمیشہ حضور ﷺ کی زندگی کو بنانا چاہئے۔

اب دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ اے اللہ! مردوں کو، عورتوں کو، بچوں کو، بوڑھوں کو سب کو حضور ﷺ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم سب کو دلوں کو حضور ﷺ کی محبت سے لبریز فرما۔ اے اللہ! ہمیں حضور اکرم ﷺ کا عاشق ودیوانہ بنا۔ اے اللہ! ہمیں تیرے دین کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم کمزور و گنہگار ہیں ہماری خطاؤں کو بخش دے اور معاف فرمادے۔ اے اللہ! ہماری مشکلات اور پریشانیاں کو دور فرما۔ اے اللہ! جتنے بیمار ہیں ان کو شفاء کاملہ اور تندرستی عطا فرما۔

(آمین)

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا

وارزقنا اجتنابه ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من

لدنک رحمة انک انت الوھاب ربنا تقبل منا انک انت السمیع

العلیم سبحان ربک رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین

والحمد للہ رب العلمین برحمتک یاارحم الراحمین

پیری مریدی کی حقیقت

انسان کی اصل شرافت اس کے اعلیٰ اخلاق ہیں۔ اور فرمایا کہ اگر تمہاری زبان اچھی ہے تو تم اعلیٰ درجہ کے انسان ہو، اگر تمہارا قلب اچھا ہے تو تم اعلیٰ درجہ کے انسان ہو۔ معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل سیرت کا نام ہے صورت کا نام نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جانوروں میں سے انسانوں کی ایک جماعت بنائی۔ کیسے بنایا؟ کیا آج ہم اور آپ اس لائن اور اس طرز پر کوشش نہیں کرسکتے؟ آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ ہوگئی ہے۔ اور اس قسم کی چیزوں کو بند کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ آج ایک سو غنڈے پکڑے گئے، آج چار سو غنڈے پکڑے گئے، آج آٹھ سو پکڑے گئے، آج ایک ہزار پکڑے گئے۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ سارا کا سارا ملک ہی کہیں بند نہ ہوجائے۔ لیکن آپ ایمانداری سے بتائیے کہ کیا بے ایمانی، بددیانتی اور خیانت ختم ہوگئی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیری مریدی
کی
حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ
وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ
اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ
فَلَا هَادِیَ لَہٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ
وَنَشْهَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ
وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ⑤ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ⑥ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ⑦ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ⑨ وَاِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ⑩ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ⑪ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ⑬ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ⑭ یَّصْلَوْنَهَا یَوْمَ الدِّیْنِ ⑮ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِیْنَ ⑯ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑰ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ ⑱ یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا ۚ وَالْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ⑲

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَار

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْكَرِیْمُ
وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاكِرِیْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

نقشِ اولین | بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! آج جس جلسہ میں ہم اور آپ جمع ہیں یہ ایک تبلیغی اور اصلاحی جلسہ ہے، جسکی غرض وغایت اور جس کا مقصد اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو پہنچانا اور دین کے وہ اصول اور وہ احکام بیان کرنا ہے جن سے ہماری اور ہمارے معاشرہ کی اصلاح ہوسکے۔ بالخصوص اس زمانے میں جبکہ ہم اور آپ اپنے جسم وقالب کو اور اپنے بدن کو خوبصورت اور حسین بنانے میں مصروف ہیں۔ اگر آپ کراچی میں دیکھیں تو یہاں آپ کو ایسی دکانیں، ایسے ادارے اور ایسی انجمنیں مل جائیں گی جہاں جاکر لوگ اپنے بالوں کو حسین بناتے ہیں جہاں جاکر لوگ اپنے جسم کو

سڈول اور ہموار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جہاں جسم کے اعضاء کو خوبصورت بنانے اور زینت دینے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔

تو آجکل کا زمانہ بالخصوص صورت سازی کا زمانہ ہے۔ آج لوگ اپنے اپنے جسم اور بدن کو حسین اور خوبصورت بنانے کی طرف متوجہ ہیں لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ایسے ادارے میں جاتے ہیں جہاں اخلاق کو حسین بنایا جاتا ہے۔ عادتیں سنواری جاتی ہیں، جہاں انسان کے باطن اور اسکی روح کو زینت دی جاتی ہے، مگر کتنے لوگ ایسے اداروں میں جاتے ہیں؟

پیری مریدی کا غلط تصور اول تو اس زمانے میں لوگوں کے دلوں میں خانقاہوں میں جانے کا شوق باقی نہ رہا۔ اور جو لوگ جاتے بھی ہیں عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ ان کو اپنے اخلاق سنوارنے کی طرف توجہ نہیں رہتی۔ ان سے یہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی عادتوں کو سنواریں بلکہ وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شیخ کے مرید ہوجائیں جسکی وجہ سے ہمارا بوجھ دنیا میں ہلکا ہوجائے گا۔ اور آخرت میں لے جاکر ہمیں بخشوادیں گے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ آپ کا جو پیر ہے وہ دراصل آپ کا ٹھیکدار ہے۔ اس نے آپ کی نجات اور شفاعت کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ اب آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے سارا کام اسی کو کرنا ہے۔ وہ آخرت میں لے جاکر آپ کو بخشوادے گا اور جنت میں پہنچادے گا۔ حالانکہ بڑی سے بڑی نسبت اور بڑے سے بڑے تعلقات کی بناء پر بھی آخرت میں انسان کی نجات ممکن نہیں۔

صرف نسبت نجات کے لئے کافی نہیں حضور اکرم ﷺ کی صاحبزادی جن کا نام حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ہے۔ آدم کی اولاد میں ان سے زیادہ بڑی نسبت اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ایک تو نبی اور پیغمبر کی نسبت، پھر نبیوں میں بھی ایسے نبی اور پیغمبر کی نسبت جو تمام انبیائے کرام کے امام اور سردار کا

درجہ رکھتے ہیں ،امام الانبیاء ہیں ،اور بعض علماء نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام تو اپنی اپنی امتوں کے انبیاء ہیں اور حضور اکرم ﷺ اپنی امت کے بھی نبی ہیں اور انبیاء کرام کے بھی نبی ہیں ،نبی الانبیاء ہیں۔

اندازہ لگائیے کہ جب حضور اکرم ﷺ کا یہ مقام اور یہ مرتبہ ہے تو اگر آپؐ کی نسبت کسی کو حاصل ہو جائے تو اس سے بڑی بھی کوئی نسبت ہو سکتی ہے ؟

پہلی شہادت (دلیل) لیکن آپ ﷺ نے دو موقعوں پر اس نسبت کی نفی فرمائی ،ایک تو اس موقعہ پر فرمائی جب ایک عورت جسکا نام فاطمہ ہے ،قبیلہ مخزوم کی رہنے والی ہے ،چوری کے جرم میں پکڑی ہوئی حضور ﷺ کے پاس آئی ،کسی صحابیؓ نے سرکار دوعالم ﷺ سے یہ سفارش کردی کہ یارسول اللہ ! یہ عورت ذات ہے اسے چھوڑ دیجیے ! اور یہ سفارش ؛ دراصل ان سے چوک ہو گئی ،اس لئے کہ کسی معصیت اور گناہ میں سفارش کرنا بھی گناہ ہے۔ اگر کسی مجرم نے چوری کی ہے ،اگر کسی مجرم نے قتل کیا ہے ،اگر کسی مجرم نے کسی کا حق غصب کیا ہے اور آپ کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ یہ آدمی مجرم اور گنہگار ہے تو اس کی سفارش کرنا اس کے جرم میں شرکت کرنا ہے ،اس لئے یہ جائز نہیں ہے ،وہ صحابیؓ جنہوں نے سفارش کی تھی ان سے یہ ایک چوک ہو گئی لوگوں کے کہنے پر اور اس خیال سے کہ یہ عورت ذات ہے اسکو سزا دینے سے کیا فائدہ انہوں نے سفارش کردی۔ حدیث میں آتا ہے کہ غصہ کے مارے حضور اکرم ﷺ کا چہرہ انور سرخ ہو گیا اور آپؐ نے فرمایا ،الفاظ پر ذرا غور کیجئے ؛ فرمایا کہ یہ تو قبیلہ مخزوم کی فاطمہ ہے ،خدا کی قسم ،اگر فاطمہ بنت محمد بھی یہ جرم کرتی تو میں بخشنے والا نہیں ہوتا جسکا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ نبی زادی ہو چاہے وہ عام عورتوں میں سے کوئی عورت ہو قانون سب کیلئے برابر ہے ،اصول سب کیلئے ایک ہے ، ایسے معاملات میں نسبت کی وجہ سے کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا ،ایک تو یہ موقعہ ہے جہاں سرکار دوعالم ﷺ نے

نسبت کے فائدے کی نفی فرمائی۔

دوسری شہادت (دلیل) دوسرا موقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطور نصیحت خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔اس کے الفاظ یہ ہیں۔

یافاطمة انقذی نفسک من النار فانی لااغنی عنک من الله شیئا

اے فاطمہ! آتش جہنم سے بچنے کیلئے تم اپنے عمل سے کوشش کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ میں نبی کی بیٹی ہوں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔اب آپ اندازہ لگایئے کہ حضور اکرم ﷺ یہ بات اپنی صاحبزادی کے بارے میں فرمارہے ہیں جنکو اتنی بڑی نسبت حاصل ہے کہ صرف نبی اور پیغمبر ہی کی نہیں بلکہ نبی الانبیاء کی بیٹی ہیں۔فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نجات ایمان اور اعمالِ صالح پر ہے۔

فیصلہ خود کیجئے اب آپ بتایئے کہ دنیا میں وہ کونسا پیر اور کونسا شیخ ہے کہ جس سے نسبت حاصل ہوجانے کی وجہ سے آپ عمل سے مکمل طور پر فارغ ہوگئے؟اب آپ کو کچھ نہیں کرنا ہے۔ اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے آپکو درست کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بیڑا پار ہوگیا۔ان کے متعلق ہمارے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں نے فرمایا کہ۔

راہبر تو بس بتادیتا ہے راہ

راہ چلنا راہرو کا کام ہے

یہی وجہ ہے کہ اس سلسلہ میں لوگوں کو بڑی غلط فہمیاں ہوگئی ہیں جسکی وجہ سے لوگوں نے پیری مریدی کو ہی بدنام کردیا۔کہنے لگے پیری مریدی دنیا میں سب سے بری چیز ہے۔حالانکہ یہ بری نہیں ہے۔

پیری مریدی کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی وجہ اصل میں یہ ہے کہ لوگ پیری

مریدی کا مطلب نہیں سمجھے ہیں، پیری مریدی کا کام نہیں سمجھے ہیں۔ پیری مریدی دراصل دو ایسے آدمیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہے جن میں سے ایک آدمی واقف ہے اور ایک آدمی ناواقف ہے۔

جیسے کوئی شخص لندن (LONDON) سے چل کراچی آئے اور یہاں آکر اپنے ساتھ کسی گائیڈ (GUIDE) اور رہبر کو ساتھ لے لے اور یہ کہے کہ بھائی! میں کراچی کے سڑکوں اور اس کے گلی کوچوں سے ناواقف ہوں، اسکے قواعد وضوابط اور اصول سے ناواقف ہوں اور تم واقف ہو، یہاں کے رہنے والے ہو اس لئے تم میرے ساتھ رہو تم بتاتے جانا اور میں تمہارے بتائے ہوئے طریقوں پر راستوں پر چلتا رہوں گا۔۔۔ تو دونوں کے درمیان جو معاہدہ ہوتا ہے وہ اس بات کا ہوتا ہے کہ تم ناواقفیت کے موقعہ پر ہم سے پوچھنا اور ہم اس موقعہ پر تمہیں اپنے تجربہ سے فائدہ پہنچائیں گے اور تمہیں راستہ بتائیں گے۔ پیر و مرید کے درمیان بھی یہی معاہدہ ہوتا ہے۔

عصرِ حاضر میں پیری مریدی کا مفہوم

لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے پیری مریدی کا یہ مطلب سمجھ لیا ہے کہ پیر صاحب جب اپنا سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ ٹیکس (TAX) وصول کرنے کیلئے آتے ہیں اور ہم ٹیکس ادا کردیتے ہیں تو بس! سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے، علامہ اقبال مرحوم نے بھی ایسے پیروں کی خبر دی ہے، اپنی کتاب میں ایک عنوان مقرر کیا ہے "باغی مرید" اس کے تحت فرمایا ہے کہ ؂

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی || گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن!
نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا || ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن!

فرمایا کہ یہ جو ٹیکس وصول کرتے ہیں یہ دراصل رشوت اور سود ہے، ہدیہ نہیں ہے!

ملفوظاتِ گنگوہیؒ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آجکل پیروں کا حال یہ ہوگیا ہے کہ اگر کوئی شخص صافہ میں ہاتھ ڈال کر سر کھجا رہا ہو تو پیر

صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ نوٹ نکال رہا ہے ہمیشہ دل ادھر ہی لگا رہتا ہے۔ فرمایا کہ ؎

ہر خرقۂ سالوس کے اندر ہے مہاجن! ‖ نذرانہ نہیں! سود ہے پیرانِ حرم کا
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن! ‖ میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد

ان گھونسلوں کے اندر یہ بیٹھے ہوئے ہیں وہ گھونسلے کوّوں کے نہیں ہیں، چیلوں کے نہیں ہیں، گدھوں کے نہیں ہیں لیکن آج ان گھونسلوں میں گدھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کوّے بیٹھے ہوئے ہیں۔ کسی زمانے میں اس میں شاہین اور عقاب بیٹھا کرتے تھے، اس مقام پر اللہ والے بیٹھ کر انسانوں کی اصلاح کیا کرتے تھے ان کے بعد آج ہم جانشین اور گدی نشین بن گئے ہیں۔ فرمایا کہ ؎

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

علامہ اقبال کی مراد علامہ اقبال مرحوم نے جو شکایت کی ہے یہ ان پیروں کی ہے جو تاجرانہ قسم کے پیر ہیں، جو درحقیقت پیری مریدی کے مقصد کو نہیں سمجھتے ہیں بلکہ تحصیل اور وصول کے بارے میں سمجھے ہیں کہ یہ پیری ہے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، پیری مریدی دراصل دونوں کے درمیان ایک معاہدہ کا نام ہے۔

پیر صاحب کی ذمہ داری لیکن یاد رکھئے! جیسے چوراہے پر کھڑا ہوا ٹریفک پولیس (TRAFFIC POLICE) والا آپ کو بتاتا ہے کہ یہاں سے آپ سیدھے چلے جایئے، آگے جاکر آپ کو پیلے رنگ کی ایک عمارت ملے گی، اس عمارت سے ملا ہوا ایک مکان ہے وہی آپ کی منزل ہے جہاں آپ جانا چاہتے ہیں۔ وہ آپ کو گود میں بٹھا کر وہاں تک نہیں پہنچائے گا، اس کا کام صرف راستہ بتانا ہے۔ اسی طریقہ سے پیر صاحب کوئی حمّال اور مزدور نہیں ہیں جو آپ کو کندھے پر بٹھا کر جنت میں چھوڑ آئیں۔

فرمایا کہ راہبر تو بس بتادیتا ہے راہ ‖ راہ چلنا راہرو کا کام ہے
تجھکو رہبر لے چلے گا دوش پر ‖ یہ ترا رہرو خیالِ خام ہے

وہ مجھکو جنت میں چھوڑ نہیں آئے گا۔ اور اس زمانہ کا جو پیر ہے پتہ نہیں وہ بیچارہ خود بھی جنت میں جائے گا یا نہیں۔ تمہیں کہاں سے جاکر چھوڑ آئے گا؟

جاہل پیر کی کہانی حضرت تھانویؒ کی زبانی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور لطیفہ کے بیان فرمایا کہ کسی مرید نے اپنے پیر صاحب سے آکر کہا کہ حضرت! رات میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ پیر صاحب نے کہا، جلدی بیان کرو۔ اس نے کہا، میں نے یہ دیکھا ہے کہ ایک مقام پر ہم اور آپ موجود ہیں، وہ بڑی عالیشان جگہ ہے، ہم دونوں وہاں موجود ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری انگلی پاخانہ میں بھری ہے اور آپ کی انگلی شہد میں بھری ہوئی ہے، پیر صاحب بڑے خوش ہوئے۔ ان سے صبر نہیں ہوسکا، فوراً بولے کہ تم نے بالکل ٹھیک دیکھا، اس لئے کہ پاخانہ جو ہے وہ دراصل دنیا کی غلاظت ہے اور شہد جو ہے وہ دینداری اور تقویٰ کی نشانی ہے، تو دنیا کا کتا ہے اس لئے تیری انگلی میں پاخانہ لگا ہوا تھا اور میں چونکہ بزرگ ہوں، پاکیزہ ہوں اس لئے میری انگلی میں شہد لگا ہوا تھا، اس لئے تونے بالکل سچ دیکھا، اس نے کہا، حضور! آپ نے اتنی جلدی تعبیر دے دی ابھی تو میرا خواب پورا ہوا ہی نہیں، انہوں نے کہا، اور کیا رہ گیا ہے، اس نے کہا، حضور! میں نے یہ بھی دیکھا کہ میری انگلی آپ چاٹ رہے ہیں اور آپ کی انگلی میں چاٹ رہا ہوں، پیر صاحب بڑے ناراض ہوئے، کہا، ارے گستاخ، نکل جا یہاں سے!

انسان پیدائشی حسین ہے تو یہ بات یہاں سے نکلی تھی کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے جسم اور بدن کو سنوارنے کے پیچھے پڑے ہیں، کہیں بالوں کو گھونگریالہ بنایا جاتا ہے، کہیں جسم کو سڈول بنایا جاتا ہے، کہیں رنگ کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، حالانکہ حق تعالیٰ شانہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اے انسان، ہم نے تجھے جتنا حسین اور خوبصورت ڈھانچہ دیا ہے اس سے بہتر اور زیادہ حسین ڈھانچہ نہیں

بنایا جاسکتا ہے۔ کیا تجھے اس حسن پر قناعت نہیں ہے؟ خدا کی قسم اس کائنات میں کوئی چیز۔ حتیٰ کہ چاند اور سورج بھی اتنا حسین نہیں ہے جتنا حسین اللہ نے انسان کو بنایا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک عورت روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی کہ حضرت جی! میں مصیبت میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ میرے شوہر نے آج مجھ سے یہ کہہ دیا ہے کہ اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں ہے تو تجھے تین طلاق! میں تو اتنی حسین نہیں ہوں۔ مجھ پر طلاق واقع ہو گئی۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہیں! جاتو اپنے شوہر کے پاس رہ۔ تجھ پر ایک طلاق بھی واقع نہیں ہوئی۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ حسین بنایا ہے؟ خدا کی قسم! تو چاند سے زیادہ حسین ہے۔ تجھ پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے کہ فرمایا کہ چاند میں روشنی اور نور تو ہے لیکن اس کے اندر ہرن کی جیسی آنکھیں، بادام اور نرگس کے پھول کی طرح آنکھیں نہیں ہیں۔

شاعروں کی باہمی لفظی جنگ چاند کے اندر وہ قد وقامت نہیں ہے جس کے متعلق شاعر کہتا ہے کہ میرے محبوب کا قد ایسا ہے جیسا سرو کا درخت ہے۔ چمک اور نور اس کے اندر بے شک ہے لیکن قد وقامت کہاں ہے؟ فرمایا کہ ؎

وائے برشاعران نادیدہ
غلطی را بخود پسندیدہ

شاعر کہتا ہے دوسرے شاعروں کے بارے میں کہ یہ شعراء جو ہیں یہ بھی بڑے بے وقوف ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے محبوب کے قد کے بارے میں یہ کہدیا کہ محبوب کا قد ایسا ہے جیسے سرو کا درخت ہوتا ہے، اور اس طریقہ سے انہوں نے محبوب کے قدوقامت کی توہین کردی۔ اس لئے کہ سرو کے درخت پر ہاتھ پھیر کر دیکھو تمہیں

کھردرا کھردرا معلوم ہوگا اور محبوب کے قدوقامت پر ہاتھ پھیر کر دیکھو تو کھردرا پن نظر نہیں آئے گا۔ ارے ظالمو! تم نے سرو کے ساتھ اسکو تشبیہ دے کر محبوب کی توہین کردی۔ فرمایا کہ ؎

وائے برشاعر ان نادیدہ ‖ غلطی را بخود پسندیدہ
سرو را قد یاری گویند ‖ سرو چو بیست ناتراشیدہ

سرو ایک ناتراشیدہ لکڑی ہے۔ تمہیں شرم بھی نہیں آتی کہ تم نے محبوب کے قدوقامت کو اس کے ساتھ تشبیہ دے دی۔

حضورؐ کو تشبیہ دینے سے پہلے سوچئے میں کل بھی ایک جگہ عرض کررہا تھا کہ ایک صحابیؓ نے دوسرے صحابیؓ سے پوچھا کہ بتایئے! رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی جو چمک تھی اور آپؐ کے چہرہ کا جو نور تھا وہ کیا ایسا تھا جیسا کہ دھوپ میں چمکتی ہوئی تلوار کی چمک ہوتی ہے۔ دوسرے صحابیؓ نے یہ سن کر کہا کہ خبردار! توبہ کرو! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کا مرتبہ اور آپؐ کی عظمت اتنی بڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد ساری عظمتیں آپؐ پر ختم ہیں؟ اس لئے خبردار! رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کی تشبیہ کبھی تلوار سے نہ دینا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تلوار مہلک اور قاتل ہے اور جو چیز قاتل ہو اس کے ساتھ تشبیہ دینا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر تو مُردوں میں بھی زندگی اور حیات پیدا ہوجاتی ہے۔

آب حیات کی تلاش یہاں تک کہ علما نے لکھا ہے کہ جب کوئی شخص قرآن کریم کی اس آیت کو جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے تلاوت کرلیتا ہے تو جس دن وہ تلاوت کرتا ہے اس دن اسکو موت نہیں آئے گی۔ اس دن وہ موت سے محفوظ ہوجائے گا۔ اور وہ سورہ توبہ کی یہ آیت ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْم

اب اگر آپ یہ کہیں کہ مولوی صاحب! یہ تو آپ نے بڑا اچھا نسخہ بتادیا ہے، اب تو ہم کبھی مریں گے ہی نہیں۔ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ قدرت کا نظام بڑا حکیمانہ ہے جس دن موت آنی ہوگی اس دن یہ آیت پڑھنا بھول جاؤ گے اور موت اپنے وقت پر آئے گی۔

اندازہ لگایئے کہ قرآن کریم کی وہ آیت جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا تذکرہ ہے، جب اس آیت کی خاصیت یہ لکھی ہے کہ جس دن آپ اس آیت کی تلاوت کریں گے اس دن موت نہیں آئے گی پھر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ کو تلوار کے ساتھ تشبیہ دینا جبکہ تلوار مہلک اور قاتل ہے کیسے درست ہو سکتا ہے۔

کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے تلوار اٹھائی ہے؟ پھر کیا کبھی رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو قتل کیا ہے؟ کیا آپؐ کے ہاتھ سے کسی کا خون ہوا ہے؟ کبھی نہیں ہوا! البتہ غزوہ احد کے موقعہ پر آپ ﷺ تلوار لیکر صحابہؓ کے درمیان تشریف لائے اور فرمایا کہ من یاخذ هذاالسیف میری یہ تلوار کون لے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پروانہ وار ٹوٹ پڑے یارسول اللہ ﷺ! ہمیں دے دیجئے، یارسول اللہ ﷺ! ہمیں دے دیجئے۔ فرمایا کہ ٹھہرو! یہ تلوار اس آدمی کو ملے گی جو اس کا حق ادا کرے گا۔ تم میں سے کون اس کے حق ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب سب سناٹے میں رہ گئے، صحابہؓ نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے صرف لڑنے والوں کو مارا جائے۔ اس سے عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اس سے بوڑھوں اور معذوروں کو قتل نہ کیا جائے، اس سے مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کو قتل نہ کیا جائے۔

اسلام کے اصولِ جنگ کے اندر یہ باتیں ہیں کہ صرف لڑنے والے دشمنوں کو قتل کیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کیا جائے، گونگوں کو قتل نہ کیا جائے راہبوں کو قتل نہ کیا جائے، جو عبادت خانوں میں بیٹھے ہوئے عبادت کر رہے ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

دوسری روایت میں یہ آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ نے یہ جواب دیا کہ اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے لڑنے والوں کو اتنا مارنا اتنا مارنا کہ مارتے مارتے اور قتل کرتے کرتے تلوار ٹیڑھی ہو جائے۔ تم میں سے کون اسکا حق ادا کرے گا؟

حضور ﷺ کی تلوار حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے لی

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا کہ یارسول اللہ ﷺ! مجھے دیدیجئے! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آپ کی تلوار کا حق ادا کروں گا، رسول اللہ ﷺ نے انہیں دے دیا۔ حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھا ہے کہ جب اعلانِ جنگ ہوتا تھا تو میدانِ جنگ میں سرخ جوڑا پہن لیتے تھے اور اس طریقہ سے شوخیاں اور اٹکھیلیاں کرتے ہوئے جاتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ آج جتنی خوشی ابودجانہ کو ہے اتنی خوشی کسی کو عید میں بھی نہیں ہوتی ہوگی ایک مرتبہ یہ اسی طرح اٹکھیلیاں کرتے ہوئے آرہے تھے کہ حضور اکرم ﷺ نے دیکھ لیا۔ فرمایا کہ اے ابودجانہ! عام حالات میں یہ رفتار اللہ کو پسند نہیں ہے لیکن چونکہ تم میدان جہاد میں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے آرہے ہو اس لئے یہ ادا خدا کو پسند ہے۔ بہرحال! حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے وہ تلوار لیا، پھر کفار کو اتنا مارا اتنا مارا کہ واقعۃً اس تلوار کا حق ادا کر دیا۔

حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو تلوار کی چمک سے تشبیہ دینا غلط ہے

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ کر مُردوں میں بھی حیات کی لہر دوڑ جاتی تھی اس لئے حضورؐ کے چہرہ انور کو تلوار سے تشبیہ دینا درست نہیں ہے، پھر دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے چہرہ کا نور آنکھوں کیلئے آبِ حیات ہے

جبکہ تلوار کی وہ چمک جو دھوپ میں محسوس ہوتی ہے ڈاکٹروں سے پوچھ لیجئے یہ بینائی کو کمزور کرتی ہے۔ بلکہ وہ رنگ جسے سفیدی کہتے ہیں، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ سفیدی کسے کہتے ہیں تو اس کی تعریف آپ زبان سے نہیں کر سکیں گے۔ سفیدی کی چمک انسان کی بینائی کو کمزور کرتی ہے اسی لئے اگر آپ سورج کی شعاعوں کی طرف دیکھیں گے تو آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ سفید لائٹ کی طرف دیکھیں گے تو آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔

ذرا یہ بھی پڑھئے اسی لئے بعض ایسے ممالک والے جو آپ سے زیادہ متمدن، آپ سے زیادہ مہذب اور دنیوی ترقی میں آگے ہیں ابھی تک اپنے ملکوں میں ٹیلی ویژن (TELEVISION) کو جاری نہیں کیا ہے یہ سمجھ کر کہ اس سے ہمارے ملک کے لوگوں اور خصوصاً بچوں کی بینائی خراب ہو جائے گی، میری مراد جنوبی آفریقہ (SOUTH AFRICA) ہے، جہاں پر خالصتہً سفید فام انگریزوں کی حکومت ہے۔ اور اس زمانہ میں وہاں پر ڈچ (DUTCH) ہیں۔

باطل کی پختہ زناری بھی دیکھ وہاں کی بعض اور باتیں بھی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، مثلاً وہاں اتوار کے دن اور رات کو سنیما بالکل بند رہتا ہے، میں نے وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ کیا بات ہے؟ ہمارے یہاں تو یہ قصہ ہے کہ جنہوں نے شاید پورے ہفتے کبھی کوئی تماشہ نہ دیکھا ہوگا وہ بھی جمعہ کے دن صبح سے لیکر شام تک اور شام سے لیکر رات گئے تک سنیما اور تماشے دیکھتے اور دکھاتے ہیں! یہاں کیا قصہ ہے کہ بالکل سناٹا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہاں کی حکومت نے کہا کہ آج کے دن ہماری مذہبی عبادت اور ہماری نماز کا دن ہے اس لئے آج اس قسم کی لغویات اور خرافات کی اجازت نہیں ہے۔ ہم آج کے دن اس کو روا نہیں رکھتے، اس لئے آج سنیما بند ہے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، جنوبی آفریقہ کے اور لوگ بھی آپ کو مل جائینگے ان سے پوچھ لیجئے!

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر .... اور اگر آپ یہ فریاد کریں گے کہ صاحب!

یہ کیا بات ہے کہ ہر پکچر (PICTURE) جب شروع ہوتی ہے تو جمعہ کے دن سے شروع ہوتی ہے، اسٹیڈیم (STADIUM) کے اندر اگر آپ کا کوئی میچ (MATCH) شروع ہوتا ہے تو جمعہ کے دن سے شروع ہوتا ہے تو آپ کی بات پر کوئی کان نہیں لگائے گا۔ ذرا یورپ (EUROPE) کے ملکوں میں جائیے اور اس قسم کے خرافات اتوار کو شروع کر کے دیکھئے!

جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ زندہ قومیں ہیں اور ہم اور آپ باوجود اس کے کہ اپنے آپ کو آزاد کہتے ہیں لیکن ہمارا ضمیر غلام ہے، ہمارا دل و دماغ غلام ہے، ہمارے اندر دینی حمیت نہیں رہی۔ اور آج کل تو بڑے بڑے مجتہد پیدا ہوگئے ہیں، اگر کسی سے کہئے کہ صاحب! آج کا دن مقدس دن ہے، آج عبادت کا دن ہے تو کہنے لگیں گے کہ صاحب! یہود و نصاریٰ کی طرح ہمارے یہاں رہبانیت نہیں ہے کہ آج ہم کوئی کام ہی نہ کریں، اور کہیں سے قرآن کریم کی یہ آیت سن لی اور کہدیا کہ قرآن کہتا ہے،

وابتغو من فضل اللّٰہ

اللہ کا فضل اور روزی تلاش کرنے میں لگ جاؤ۔ پتہ نہیں ان لوگوں کو کس نے قرآن پڑھایا، ارے اللہ کے بندے! وابتغو من فضل اللّٰہ کو تو یاد کرلیا لیکن اسی آیت میں اس سے پہلے کی عبارت کو نہیں دیکھا، فرمایا کہ

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشر وا فی الارض وابتغو من فضل اللّٰہ

جسکا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کا سارا دن تیاری میں لگاؤ نماز پڑھو پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو بے شک اپنی روزی روٹی تلاش کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے،

وابتغو من فضل اللّٰہ

"صبح آٹھ نو بجے سے شروع نہیں ہوتا، دس گیارہ بجے سے شروع نہیں ہوتا بلکہ شام کے چار بجے سے شروع ہوتا ہے۔

خیر! تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ دنیا میں ایسی قومیں بھی موجود ہیں جنہوں نے اپنے یہاں ٹیلی ویژن کی اجازت اس لئے نہیں دی کہ اس سے بچوں کی نگاہیں کمزور ہو جائیں گی، ان کے اخلاق خراب ہو جائیں گے۔ یورپ (EUROPE) میں بہت سی فلمیں ایسی ہیں کہ جنہیں غیر شادی شدہ بچے نہیں دیکھ سکتے۔ دراصل جو قوم یہ چاہتی ہے کہ ہماری قوم کی صحیح تربیت ہو صحیح تعلیم ہو اس قوم کے اندر زندگی کی یہ سب باتیں ہوتی ہیں اور جب کوئی شخص سمجھ لے کہ ہماری قوم جس طرح چاہے زندگی گزارے اور ساری قوم کو بھیڑ بکریوں کی طرح سمجھے تو اس کے اندر یہ جذبات واحساسات نہیں ہوتے۔

چین کا آنکھوں دیکھا حال ہم چین (CHINA) میں گئے کتنا بڑا ملک ہے! اور یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ چین دراصل افیمچیوں کا ملک تھا۔ افیم کھاتے تھے پڑے رہتے تھے لیکن آج اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چین نے مادی اعتبار سے بھی ترقی کی ہے اور اخلاقی اعتبار سے بھی ترقی کی ہے، پورے ملک میں آپ کو کوئی چور نہیں ملے گا، وہ آٹھ کروڑ کا ملک نہیں ہے۔ ستر اسی کروڑ کا ملک ہے۔ میں نے وہاں چینیوں سے پوچھا کہ صاحب! آپ کے ملک میں ہمیں کوئی گرامر اسکول (GRAMMAR SCHOOL) مشنری اسکول (MISSINARY SCHOOL) سنیٹ جوزف اسکول (ST. JOSEPH SCHOOL) اور عیسائیوں کے دوسرے تبلیغی اسکول نظر نہیں آئے! کیا وجہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم آزاد ہوئے اور ہمیں عقل و سمجھ آئی تو ہم نے اپنے ملک سے ایک ایک کر کے تمام تبلیغی اداروں کو باہر نکال دیا۔

میں نے اپنے مکان پر شاہین بنایا تھا لیکن زمانہ چونکہ شاہینی اور عقابی کا نہیں ہے، چیل اور گدھ کا زمانہ ہے اس لئے یار لوگوں نے اسکو چیل مشہور کر دیا ورنہ میں نے نے تو شاہین بنایا تھا۔

شاہین اور چیل میں کیا فرق ہے؟ جسکا مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ

شاہین اور عقاب کو نہیں جانتے ہیں گدھ اور چیل کو جانتے ہیں۔ اس لئے کہ گدھ کا کام یہ ہے کہ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ کہیں مردار ملے کہ میں چونچ ماروں جبکہ شاہین کی صفت یہ ہے کہ وہ فاقہ کر لیتا ہے لیکن کسی مردار کو نہیں کھاتا، وہ کہتا ہے کہ میں زندہ شکار کھیلتا ہوں، میں فاقہ کرنا پسند کرتا ہوں لیکن مردہ سے پیٹ نہیں بھرتا۔ چنانچہ وہ فاقہ کرتا ہے اور فاقہ کر کے اپنا کردار اور اپنی سیرت کو باقی رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے شاہین کا پر بادشاہوں کے تاجوں میں لگایا جاتا ہے لیکن کیا کہیں آپ نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کسی بادشاہ نے اپنے تاج میں چیل اور گدھ کا پر لگایا ہے؟ کوے کا پر لگایا ہے؟ نہیں! دونوں میں یہ فرق کیوں ہے جبکہ شکل وصورت اور بناوٹ میں کوئی خاص فرق نہیں ہے؟ اس لئے ہے کہ شاہین کے اخلاق بہت بلند اور اعلیٰ ہیں اور گدھ اور چیل کے اخلاق انتہائی گھٹیا ہیں۔ فرمایا کہ ؎

حسن سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز
ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

تو میں نے عرض کیا کہ انسانیت اصل میں نام ہے اچھے اخلاق کا، انسانیت اصل میں نام ہے اچھی تہذیب کا، انسانیت اصل میں نام ہے اچھی عادتوں کا، معاف کیجئے گا! اونچے اونچے مکانات کا نام، اونچے اونچے ملوں کا نام، اونچی اونچی فرموں کا نام اور بہترین بہترین لباس کا نام انسانیت نہیں ہے۔ انسانیت دراصل حسن اخلاق کا نام ہے۔

شاہ حبشہ کے دربار میں کفار مکہ کی بکواس مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے ایک وفد حبشہ کی طرف گیا جس میں حضرت جعفر طیارؓ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان کے پیچھے پیچھے کفار قریش بھی پہنچے اور جا کر وہاں کے بادشاہ نجاشی سے کہا کہ یہاں مسلمان آئے ہیں، یہ لوگ ایک نئے نبی اور پیغمبر کو مانتے ہیں، آپ انہیں اپنے ملک سے نکال دیجئے! شاہ

نجاشی نے کہا کہ بھائی! جب تک میں ان لوگوں کو بلا کر بات نہ کرلوں گا اس وقت تک میں انہیں نہیں نکالوں گا، پہلے میں ان لوگوں سے بات کرلیتا ہوں، چنانچہ مسلمانوں کا وہ وفد نجاشی کے دربار میں آیا اور کفار قریش بھی آئے اور انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ حضور! ذرا دیکھئے ان مسلمانوں کو! کتنے چھوٹے چھوٹے قد کے ہیں۔ ان کی پرسنالٹی (PERSONALTY) اور شخصیت دیکھئے کوئی وقار اور وجاہت نہیں ہے، بھلا یہ لوگ سنجیدہ ہوسکتے ہیں؟

حضرت جعفر طیارؓ کا دنداں شکن جواب یہ سنتے ہی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ اے شاہ حبشہ! اے نجاشی! میری بات بھی سن لے پھر فرمایا کہ الانسان باصغریہ لمبے لمبے قد وقامت کا نام انسان نہیں ہے۔ سرخ وسفید رنگ کا نام انسان نہیں ہے۔ انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے، وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ الانسان باصغریہ القلب واللسان انسان دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ اگر کسی کا قلب اچھا ہے تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہے اگر کسی کی زبان اچھی ہے تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہے۔ اگر کسی کے لمبے لمبے قد وقامت تو موجود ہیں لیکن نہ اس کا دل اچھا ہے نہ اس کی زبان اچھی ہے تو وہ انسانوں میں شمار کرنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ سن کر نجاشی بڑا متاثر ہوا۔

انسانیت اسی کا نام ہے معلوم ہوا کہ انسانیت دو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا نام ہے۔ انسان کا قلب کیسا ہے اور اس کی زبان کیسی ہے؟ انہیں دونوں پر انسانیت کا دارومدار ہے۔ اس لئے کہ جس کی زبان مہذب ہوگی وہ سب کی دلداری کرے گا، کسی کے دل کو تکلیف نہیں پہنچائے گا اور جو آدمی زبان کا بڑا بے باک اور بڑا بد تمیز ہوگا وہ اپنی زبان سے ایسے برچھے لگائے گا جس کا زخم مندمل نہیں ہوسکتا۔ کسی عربی کے شاعر نے کہا، فرمایا کہ ؎

جراحات السنان لها التیام

ولا یلتام ما جرح اللسان

تلوار اور نیزوں کے زخم تو بھر سکتا ہے لیکن زبان جو زخم پہنچاتی ہے وہ زخم کبھی نہیں بھرتا۔

مسلمان کو کیسا ہونا چاہئے اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا

لیس المؤمن بطعان

مسلمان کی شان طعنہ دینا نہیں ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا پہلے عورتوں کے اندر یہ مرض تھا کہ عورتوں کو یہ الزام دیا جاتا تھا کہ عورتیں ایک دوسرے کے اوپر طعنہ بازی کرتی ہیں لیکن آج جب ہماری سوسائیٹی (SOCIETY) گر گئی ہے مردوں میں بھی یہ بیماری آگئی ہے، آج مرد بھی ایک دوسرے کو طعنہ دیتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد سن لیجئے: فرمایا کہ

لیس المؤمن بطعان ولا لعّان ولا فحاش

مؤمن کی شان طعنہ دینا نہیں ہے، مؤمن کی شان کسی پر لعنت بھیجنا نہیں ہے اور مؤمن کی شان فحش گوئی کرنا نہیں ہے۔ فحش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو غیرت کے خلاف ہو، انسانی تہذیب ووقار کے خلاف ہو۔ فرمایا کہ یہ مؤمن کی شان نہیں ہے۔

اسی لئے میں نے بار با تقریروں میں یہ عرض کیا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر کسی کے ساتھ مذاق نہیں کیا، آج ہماری اور آپ کی سوسائیٹی کا یہ عالم ہے کہ گویا پاکستان کا سب سے بڑا آدمی اور سب سے بڑا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ مذاق کرے، میں نے اپنی آنکھوں سے ایسے لوگوں کو مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے، بعضے تو ان میں سے دنیا سے رخصت ہوگئے اور بعضے موجود ہیں، ایک دوسرے کو مذاق کے اندر

ایسی ایسی گالیاں دیتے ہوئے سنا ہے کہ توبہ توبہ! ایک ایک گالی ڈھائی ڈھائی من کی ہوتی تھی معمولی آدھ سیر، چھٹانک بھر کی گالی نہیں بلکہ ڈھائی من کی گالی دیتے تھے، پھر پتہ چلا کہ دراصل ان کا مذاق ہی یہی ہے کہ یہ اسکو گالی دیتے ہیں وہ اسکو گالی دیتے ہیں۔ یہ ہے آج کل کی مہذب سوسائٹی!

مذاق اور مزاح میں کیا فرق ہے؟ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر کسی کے ساتھ مذاق نہیں کیا صرف اس لئے کہ مذاق میں طعنہ دیا جاتا ہے، مذاق میں چوٹ کی جاتی ہے، مذاق میں حملہ کیا جاتا ہے، دوسروں کا دل دکھایا جاتا ہے۔ البتہ آپ ﷺ نے مزاح فرمایا ہے مزاح کے معنی آتے ہیں خوش طبعی کی باتیں کرنا، اس میں چوٹ نہیں ہوتی، اور جہاں چوٹ ہوتی ہے وہ مذاق کہلاتا ہے۔ اور یہی مذاق ہے جو کبھی کبھی آپسی دشمنی کا ذریعہ بن جاتا ہے اسی لئے سرکار دوعالم نے خود بھی کبھی مذاق نہیں کیا ہے اور مسلمانوں کو بھی اس سے منع کیا ہے۔ میں ابھی آپ حضرات کے سامنے پیش کئے دیتا ہوں جس میں چوٹ کی جاتی ہے۔

فیضی اور عرفی کا مذاق اکبر کے زمانے کے ابوالفضل اور فیضی کا نام آپ نے سنا ہوگا، یہ دونوں پکے بے دین تھے، اور بادشاہ کے ارد گرد جب سارے کے سارے "نورتن" بے دین ہوجائیں تو پھر وہ بادشاہ کو بھی بوتل میں اتار لیتے ہیں، وہ بھی ایسے ہی بے دین ہوجاتا ہے۔ ابوالفضل اور فیضی یہ دونوں بھی انہیں لوگوں میں ہیں جنہوں نے اس زمانے میں دین الٰہی کی ایجاد کی تھی، فیضی کے باپ کا نام "مبارک" ہے۔ یہ نام یاد رکھئے گا، فیضی کے گھر کتے پلے ہوئے تھے، اتفاق سے کتیا نے بچے دیئے تھے، بہت سے بچے تھے سب لان میں پھر رہے تھے، ایک مرتبہ عرفی، فیضی سے ملنے آیا، عرفی شاعر تھا، اس کو مذاق سوجھی اس نے فیضی سے کہا کہ " صاحبزادگاں بچہ اسم موسوم اند" اس نے نے پوچھا کہ آپ نے اپنے ان صاحبزادوں کا کیا نام رکھا ہے؟ فیضی سمجھ گیا کہ

یہ چوٹ کر رہا ہے۔ یہ مجھے کتا بنا رہا ہے جب ہی تو ان پلوں کے بارے میں صاحبزادگان کہا، مگر اس نے بھی نہلا پر دہلا لگایا، اس نے کہا، "باسم عرفی" آپ پوچھتے ہیں کہ ان کا نام کیا رکھا ہے؟ یہ عرفی نام سے موسوم ہیں، اس کے دو مطلب ہیں، ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا نام کچھ نہیں ہے۔ عرف عام میں جس نام سے یہ پکارے جاتے ہیں وہی ان کا نام ہے اور کچھ نہیں ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں نے ان سب بیٹوں کا وہی نام رکھا ہے جو آپ کا نام ہے یعنی ان کا نام عرفی ہے، عرفی نے اندازہ لگالیا کہ یہ مجھ پر چوٹ کر رہا ہے اور مجھ کو ان کتے کے پلوں کے برابر کر دیا ہے تو اس نے اس سے بھی بڑی چوٹ کر دی، اس نے کہا، مبارک باشد مبارک باشد۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ان پلوں کا نام عرفی نہیں ہے ان کا نام مبارک ہے۔ جو تیرے باپ کا نام ہے۔ فیضی کے باپ کا نام مبارک تھا۔

آپ ﷺ نے مزاح فرمایا ہے یہ ہے مذاق؛ یہ اللہ والوں کا کام نہیں ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ نے تمام عمر مذاق نہیں کیا اس لئے کہ اس میں چوٹ ہوتی ہے لیکن ہاں؛ خوش طبعی کی بات کی ہے جس میں کسی پر حملہ نہیں ہوتا۔ جس میں کسی پر چوٹ نہیں ہوتی۔ جیسے حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کا ہاتھ پکڑ کر ازراہ مزاح فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرا گاؤں ہے اور میں اس کا شہر ہوں، اس لئے کہ جب یہ گاؤں سے آتا ہے تو میرے لئے وہ چیزیں لیکر آتا ہے جو گاؤں میں ملتی ہیں۔ یہاں نہیں ملتی ہیں اور جب یہاں سے واپس اپنے گاؤں میں جاتا ہے تو میں اسے وہ چیزیں تحفہ میں دیتا ہوں جو شہر میں ملتی ہیں گاؤں میں نہیں ملتیں۔

ہدیہ دینا اور لینا دونوں سنت ہے اس سے یہ بھی اندازہ لگائیے کہ حضور اکرم ﷺ سے زیادہ پر عظمت ہستی اس کائنات میں کوئی نہیں ہے لیکن آپ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپؐ جب کسی کا ہدیہ قبول فرماتے تھے تو ہدیہ دیتے بھی تھے۔ ہم کیا

کرتے ہیں ؟ ہمارے علماء کے پاس ایک فنڈ (FUND) ہوتا ہے ، جسکو مد کہتے ہیں ، جس زمانے میں ہم پڑھا کرتے تھے ، ہمارے خاندان میں صرف میں نے ہی علم دین حاصل کیا تھا باقی میرے سب بھائیوں نے سرکاری ملازمتوں کیلئے .B.A..M.A کی تعلیم حاصل کی ، مجھے یاد ہے کشمیر کے مولانا محمد صاحب ہوا کرتے تھے ، ابتدائی کتابیں میں نے انہیں سے پڑھی ہیں ، ایک دن فرمانے لگے کہ مولوی صاحب ، آپ کو خبر ہے ؟ مولویوں کے پاس ایک فنڈ (FUND) ہوتا ہے ، اس کا نام ہے "جزاك الله " میں نے کہا ، میں سمجھا نہیں کہ کیسا فنڈ ہوتا ہے ؟ کہنے لگے کہ جب کوئی ہدیہ اور تحفہ میں کوئی چیز لا کر دیتا ہے تو اس کو قبول کر لیتے ہیں اور رکھ کر کہتے ہیں "جزاک اللہ" ان کی یہ بات مجھے اب تک یاد ہے ، لیکن یاد رکھئے ! یہ جو آپ نے ون وے (ONE WAY) کا طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہدیہ دینا آپ کیلئے سنت ہے اور ہدیہ قبول کرنا ہمارے لئے سنت ہے یہ طریقہ صحیح نہیں ہے ۔ اس لئے کہ ہدیہ دونوں طرف سے لیا اور دیا جاتا ہے ، حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی کے بارے میں فرمایا کہ وہ مجھے گاؤں کی چیز لا کر دیتا ہے میں اسکو شہر کی چیز دیتا ہوں ، اس لئے اگر آپ علماء ، صلحاء ، اور مشائخ کو ہدیہ اور تحفہ دیں تو ان کو بھی چاہئے کہ وہ آپ کو کبھی کبھی ہدیہ اور تحفہ دے دیا کریں ، چاہے جانماز دے دیں چاہے عطر دے دیں چاہے تسبیح دے دیں ، چاہے قرآن کریم کا کوئی نسخہ دے دیں یا چاہے کوئی دینی کتاب دے دیں ، ہدیہ دونوں جانب سے ہونا چاہئے صرف ایک طرف سے نہیں ہونا چاہئے ۔

مزاح رسول ﷺ ایک صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان کی ایک آنکھ دکھ رہی تھی ، اور یہ بات مشہور ہے اور ڈاکٹر اور حکیم اس کو جانتے بھی ہیں کہ ایسی حالت میں میٹھا کھانے سے اور زیادہ دقت اور تکلیف ہوتی ہے ، وہ صحابی کھجور کھا رہے تھے ، حضور اکرم ﷺ نے ان کا نام لیکر فرمایا کہ آپ کھجور کھا رہے ہیں اور

آپ کی آنکھ دکھ رہی ہے؟ وہ کہنے لگے، یارسول اللہ ﷺ! میں ادھر سے کھا رہا ہوں جدھر کی آنکھ نہیں دکھ رہی ہے۔ یہ ہے مزاح۔ اس میں چوٹ نہیں ہے، خوش کرنے کی بات ہے!

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ظرافت ایک آدمی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس کسی شخص کو پکڑ کر لایا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین! اس شخص نے اس طریقے کا خواب دیکھا ہے کہ اس خواب میں میرے گھر والوں کی بے حرمتی ہوتی ہے، پھر اس نے خواب دیکھ کر کسی اور سے بیان کیا کہ ہم نے اس کے گھر والوں کو اس طریقہ سے خواب میں دیکھا ہے، اس لئے میں اسے آپ کے پاس لے کر آیا ہوں، آپ اسکو سزا دیجئے! حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ اس کو دھوپ میں کھڑا کرو اور اسکا جو سایہ پڑے اس سایہ پر کوڑے لگاؤ! اب اس کے سایہ کے اوپر کوڑے لگائے جا رہے ہیں، وہ کہنے لگا، امیر المومنین! یہ آپ کیسی سزا دے رہے ہیں؟ اس کے بدن پر تو نہیں لگ رہا ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ میاں! تم نے جو جرم بیان کیا ہے وہ بھی تو خواب ہی کا جرم ہے۔ جسم کو تو ہاتھ نہیں لگایا ہے! تو سزا بھی ایسی ہی ہونی چاہئے کہ جسم پر کوڑا نہ لگے اس لئے سایہ پر کوڑے لگائے جا رہے ہیں! آپ نے دیکھا! حضرت علیؓ نے کیسی ظرافت کے ساتھ اس مسئلہ کو سلجھایا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت ذہین تھے، آج کل جو نوشاہ کو اچھے اچھے کپڑے پہنا کر گھوڑے پر بٹھا کر بارات لیکر جاتے ہیں، اس کا نام رکھا ہے نوشاہ! کاہے کیلئے لے جاتے ہیں؟ شادی کیلئے لے جاتے ہیں! اس کا نام رکھا ہے شادی؟ کچھ روز کے بعد اسے پتہ چلتا ہے کہ یہ نام رکھنے والوں نے اس لفظ سے کتنا بڑا دھوکہ دیا تھا، اس لئے کہ چند دنوں کے بعد جب اسکی حقیقت معلوم ہوتی ہے تو انسان سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ یہ کیا مصیبت سر پر آگئی!

شادی کی حقیقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نظر میں

کسی بدو نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ یا امیر المومنین! یہ بتایئے کہ نکاح کیا چیز ہے؟ "ماذاالنکاح.. آپ نے فرمایا کہ میاں! یہ جو نکاح ہے "اسکی ابتدا، بڑی لذیذ ہے" جیسے ڈاکٹر دوا کی گولی پر شکر چڑھا دیتا ہے اور اندر سے وہ تلخ ہوتی ہے۔ اور جب مریض اس کو چوستا ہے تو کہتا ہے واہ صاحب واہ! اس نے تو حلوائی کی مٹھائی کو بھی مات کر دیا یہ تو بڑی لذیذ ہے۔ لیکن پانچ منٹ کے بعد جب اوپر کی شکر اترتی ہے اور تھوڑی سی تلخی شروع ہوتی ہے تو کہتا ہے۔ ارے ظالم! تو نے شکر میں لپیٹ کر مجھے کیا دے دیا؟ یہ کیا ہے؟ اسی طریقہ سے اگر کسی نوشاہ کو یہ پتہ چل جائے کہ یہ جو اچھے اچھے کپڑے پہنا کر مجھے شادی کیلئے لیکر جا رہے ہیں اس کے بعد میرے سر پر ذمہ داری کا ایک بڑا پہاڑ آپڑے گا تو خدا کی قسم! وہ بارات ہی میں سے رسے چھڑا کر بھاگ جائے گا لیکن ابھی اس بیچارے کو کچھ پتہ نہیں ہے۔

تو اس بدو نے کہا، "یا امیر المومنین ماذاالنکاح.. نکاح کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ سرور شھر ایک مہینہ مسرت وخوشی کا مہینہ ہے۔ بدو نے پوچھا یاامیرالمؤمنین ثم ماذا اس کے بعد کیا؟ فرمایا کہ اس کے بعد کی منزل ہے لزوم مھر شکر اتر گئی، اب مہر لاؤ۔ اب یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے جو فلانہ بنت فلاں کو قبول کیا تھا وہ صرف شکر ہی شکر قبول نہیں کی تھی اس کے ساتھ کچھ ذمہ داریاں بھی قبول کی تھی! اس بدو نے پوچھا کہ ثم ماذا امیر المومنین! اس کے بعد کون سی منزل آتی ہے؟ فرمایا کہ غموم دھر پھر سارے زمانہ کا غم آپڑتا ہے، کسی کی طبیعت خراب ہو گئی اس کو ہسپتال لے جا رہا ہے، کسی کیلئے کپڑے لینے بازار جا رہا ہے، کسی کیلئے کتابیں لینی ہیں۔ سارے زمانہ کا غم آجاتا ہے، پھر اس بدو نے پوچھا، یا امیر المؤمنین ثم ماذا اس کے بعد کون سی منزل آتی ہے؟ حضرت علیؓ نیچے کو جھک گئے اور فرمایا کسور ظھر فرمایا کہ آخری منزل یہ آتی ہے کہ کمر ٹوٹ کر تیر کمان بن جاتی ہے۔

تیر کمان آپ سمجھے ؟ کسی اسی نوے سال کے بوڑھے کو آپ نے دیکھا ہوگا کہ بالکل ہی وہ دہرا ہو جاتا ہے، کسی ایسے ہی بوڑھے کو محلہ کے بچوں نے کہا تھا کہ بڑے میاں! یہ تیر کمان تم نے کتنی کی خریدی ہے؟ بڑے میاں نے بڑا اچھا جواب دیا، انہوں نے کہا کہ بیٹا! جب تم میری عمر کر پہنچو گے تو تمہیں مفت میں ہی مل جائے گی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آخری نوبت کسورظهر کمر جھک جاتی ہے۔

ایک لطیفہ ایک صاحب کی شادی ہوئی، انہیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ آگے کیا ہونے والا ہے، ان کی بیوی پڑھی لکھی تھی، ایک ہی مہینہ کے بعد انہوں نے ایک لمبی چوڑی فہرست بنا کر شوہر کو دی کہ اتنا فرنیچر (FURNITURE) اتنے برتن، اتنے کپڑے اور اتنے دوسرے سامان آنے ہیں، جب وہ فہرست ان کے پاس پہنچی تو اسے دیکھتے ہی ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، بیوی سے کہنے لگے کہ خدا کی قسم میں نے صرف تجھے قبول کیا تھا، یہ فہرست قبول نہیں کی تھی، اگر تجھے یقین نہیں ہے تو چل میں قاضی صاحب سے پوچھوادوں، خدا کی قسم! انہوں نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ فلانہ بنت فلاں کو اتنے مہر کے عوض میں نے تجھ کو دیا، میں نے کہا، میں نے قبول کیا اس نے تو اس فہرست کا ذکر ہی نہیں کیا تھا۔ بیوی نے کہا، حضور والا آپ کو کیا پتہ ہے کہ آپ نے کیا قبول کیا تھا آپ نے تو زندگی بھر کیلئے میری جتنی ضرورتیں ہیں ان سب کو قبول کیا تھا اور یہ فہرست تو اسکی پہلی قسط ہے اس کے بعد اور قسطیں آتی رہیں گی۔

آمدم برسر مطلب تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ انسان کی اصل شرافت اس کے اعلی اخلاق ہیں۔ اور فرمایا کہ اگر تمہاری زبان اچھی ہے تو تم اعلی درجہ کے انسان ہو، اگر تمہارا قلب اچھا ہے تو تم اعلی درجہ کے انسان ہو۔ معلوم ہوا کہ انسانیت دراصل سیرت کا نام ہے صورت کا نام نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے جانوروں میں سے انسانوں کی ایک جماعت بنائی، کیسے بنایا؟ کیا آج ہم اور آپ اس لائن اور اس طرز پر کوشش نہیں

کرسکتے ؟ آج ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ ہر جگہ اس بات کا رونا رویا جاتا ہے کہ ہر چیز میں ملاوٹ ہو گئی ہے۔ اور اس قسم کی چیزوں کو بند کرنے کیلئے کہتے ہیں کہ آج ایک سو غنڈے پکڑے گئے، آج چار سو غنڈے پکڑے گئے، آج آٹھ سو پکڑے گئے، آج ایک ہزار پکڑے گئے۔ اور مجھے ایسا لگتا ہے کہ سارا کا سارا ملک ہی کہیں بند نہ ہو جائے۔ لیکن آپ ایمانداری سے بتایئے کہ کیا بے ایمانی، بددیانتی اور خیانت ختم ہو گئی؟

اسلام کا طریقۂ اصلاح تھوڑی دیر کیلئے سوچئے کہ حضور اکرم ﷺ نے جانوروں کو انسان کیسے بنایا تھا؟ ان کی اصلاح کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟ صرف ایک ہی طریقہ تھا دوسرا کوئی طریقہ نہیں تھا، اور وہ یہ کہ انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا کی جائے، اس لئے کہ جب انسان کے اندر اپنی ذمہ داری کا احساس پیدا ہو جاتا ہے تو انسان کی حیثیت بدل جاتی ہے۔ ہنسے گا تو موقعہ دیکھ کر ہنسے گا کہ یہ ہنسنے کی جگہ ہے یا نہیں۔ مثلاً اگر قبرستان میں ہے تو نہیں ہنسے گا اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے قبرستان میں ہنسنے سے منع فرمایا ہے۔ ارے ظالم! یہاں جو مٹی کے ڈھیر پڑے ہوئے ہیں یہ تو تجھے تیری آخرت اور تیری موت کو یاد دلا رہے ہیں اس لئے تیری آنکھوں سے تو آنسو بہنے چاہئے تھے لیکن اگر تو اتنا سخت دل ہو گیا ہے تو خدا کیلئے قہقہہ نہ لگا..... بولے گا تو موقعہ دیکھ کر اور سوچ کر بولے گا کہ یہاں بڑے ہیں، چھوٹے ہیں مجھے کیا الفاظ استعمال کرنے چاہیں۔

میرے دوستو! یہ احساس ذمہ داری جو ہے یہ انسان کو انسان بنا دیتا ہے۔ تھوڑی دیر کیلئے آپ غور کریں۔ دنیا کی تمام حکومتوں کا سارا نظام احساس ذمہ داری پر ہی چل رہا ہے۔ ایک چپراسی اور اردلی کے دل میں جب یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارا صاحب کہیں ہم سے جواب طلب نہ کرلے تو وہ صبح ہی اٹھتا ہے، میز صاف کرتا ہے، کرسی صاف کرتا ہے، دروازہ کھول کر رکھتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اگر دیر ہو گئی تو صاحب سزا دے گا، کان پکڑ کے نکال دے گا۔ میری تنخواہ بند ہو جائے گی۔ حالانکہ معاف کیجئے گا۔ جس

صاحب کو آپ اپنا صاحب سمجھ رہے ہیں وہ بیچارہ خود ایک ڈیڑھ سو روپے ماہوار کا کلرک (CLERK) ہے۔ لیکن اگر اس چپراسی سے پوچھئے تو وہ یہی کہے گا کہ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔ میرا صاحب یہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہی میرا کان پکڑتا ہے۔ اور وہ کلرک خود بھی بیچارہ برابر اپنی ڈیوٹی (DUTY) پر آتا ہے اور کام انجام دیتا ہے وہ بھی اپنے صاحب سے ڈر رہا ہے کہ کہیں میرا صاحب مجھ سے جواب طلب نہ کرلے۔

دنیاوی نظام کا تانا بانا آپ نے اندازہ لگایا کہ چپراسی، کلرک سے ڈر رہا ہے اور کلرک اپنے افسر (OFFICER) سے ڈر رہا ہے اور افسر اپنے سے بڑے افسر سے ڈر رہا ہے یہاں تک کہ سکریٹری (SECRETARY) وزیر سے ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ سے جواب طلب نہ ہوجائے۔ اور یہ بات میں نے یونہی رواروی میں کہدی ورنہ اس زمانے میں تو کوئی سکریٹری وزیر سے نہیں ڈرتا ہے بلکہ خود وزیر سکریٹری سے ڈرتا ہے، البتہ وہ دونوں کے دونوں اپنے سے اوپر کے آدمی بادشاہ اور حاکم کل سے ڈرتے ہیں۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ ایک چپراسی سے لیکر صدر مملکت تک سب کے سب اپنے سے اوپر کے آدمی سے ڈر کر کام کرتے ہیں، حکومت کا سارا کاروبار جواب طلبی کے خوف سے ہوتا ہے کہ کہیں ہم سے جواب طلب نہ ہو جائے، کہیں ہماری کان نہ پکڑی جائے۔ اسی کا نام احساس ذمہ داری ہے۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ چپراسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوجائے کہ میں دفتر جاؤں یا نہ جاؤں میرا تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اگر کلرک کے دل میں احساس ذمہ داری نہ رہے، اگر اس سے بڑا افسر کے دل میں احساس ذمہ داری نہ رہے تو حکومت کا سارا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

جب دل میں خوف خدا آجاتا ہے تو ...... تو نیچے سے لگا کر بادشاہ اور صدر مملکت تک سب احساس ذمہ داری کے ساتھ کام کر رہا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے

کہ آج انسان کو انسان کی جواب طلبی کا تو احساس ہے، خدا کی جواب طلبی کا احساس نہیں ہے۔ جب ہمارے اندر خدا کی جواب طلبی کا احساس پیدا ہوجائے کہ کہیں خدا کی طرف سے میری پکڑ نہ ہوجائے کہیں خدا کی طرف سے میری گرفت نہ ہوجائے تو سمجھ لیں کہ اسی کا نام دراصل احساس ذمہ داری ہے، اسی کا نام خوف خدا اور خشیت الٰہی ہے۔ یہ جو ہر جب کسی انسان کے اندر پیدا ہوجاتا ہے تو وہی انسان جنید بغدادیؒ بن جاتا ہے، شبلیؒ بن جاتا ہے، غزالیؒ بن جاتا ہے، حسن بصریؒ بن جاتا ہے اور وہ انسان اخلاق وعادات کے اعتبار سے ایک عظیم انسان بن جاتا ہے، صرف یہ کہ قدم قدم پر اس کے اندر یہ خیال پیدا ہوجائے کہ کہیں اللہ کے یہاں میری پکڑ نہ ہوجائے، کہیں اللہ کے یہاں مجھ سے جواب طلب نہ ہوجائے۔

دنیاوی نظام کا نقص تو میرے دوستو! ذمہ داری کا احساس اور جواب طلبی کا خوف دو طرح کا ہوتا ہے، ایک خدا کی جواب طلبی کا خوف، اور ایک انسان کی جواب طلبی کا خوف، لیکن دونوں میں فرق کیا ہے؟ دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر انسان کی جواب طلبی کا ڈر ہے تو یہ ڈر بادشاہ اور حاکم سے نیچے تک تو رہے گا مگر خود بادشاہ کسی سے نہیں ڈرے گا اس لئے کہ اس کے اوپر کوئی حاکم نہیں ہے۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کی جواب طلبی کا خوف اور ڈر نہیں رہے گا تو بادشاہ اور حاکم بے خوف ہوکر جو چاہے گا کرے گا۔ ہر طرح کے ظلم پر آمادہ رہے گا اس لئے کہ اس کو اپنے اوپر سے جواب طلبی کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے جواب طلبی کا اندیشہ ہوگا، اگر خدا کی طرف سے گرفت کا خوف اور ڈر رہے گا جسکو خوفِ خدا اور خشیت الٰہی کہتے ہیں تو ایک چپراسی سے لگا کر بادشاہ تک سب کے سب متقی اور پرہیز گار ہوں گے، نہ کوئی ملاوٹ کرے گا، نہ کوئی چوری کرے گا اور نہ معاشرہ کے اندر اس قسم کی کوئی اور بات ہوگی۔

اسلام نے دلوں میں خشیتِ الٰہی پیدا کیا خدا کی قسم: یہی وہ طریقہ تھا جس کے ذریعہ سرکار دوعالم ﷺ نے جانوروں کو انسان بنایا، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے عورتوں کے متعلق فرمایا کہ یہ عورتیں جو تمہارے نکاح میں ہیں خدا کی امانتیں ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے سپرد کی ہیں، ان امانتوں میں تم خیانت نہ کرنا۔ آج معاشرہ کے اندر ہم اور آپ اگر واقعتہً اپنی اپنی بیویوں کا ایسا ہی خیال رکھیں تو روزانہ جو فساد پیدا ہوتے ہیں یہ کبھی نہ ہوں گے۔

حضرت عمر کو حضرت خولہؓ کی نصیحت حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا مکان راستہ میں ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کے پاس حاضر ہوئے اور فرمایا کہ حضور! کچھ نصیحت فرمادیجئے، حضرت خولہؓ ایک ضعیف العمر خاتون ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ اے عمر! بچپن میں تجھے عمیر کہا جاتا تھا یقال انک عمیر بچپن میں لوگ پیار و محبت میں تجھے عمیر کہا کرتے تھے۔ عمیر کا معنی ہے اے چھوٹا سا عمر! فیقال انک عمر پھر اس کے بعد لوگ تجھے عمر کہنے لگے۔ اور پھر اس کے بعد لوگوں نے تجھے امیر المؤمنین کہنا شروع کیا لیکن اے عمر! ان الفاظ سے دھوکہ نہ کھانا اور ہمیشہ آخرت کو اپنے سامنے رکھنا، بے شک یہ بڑے بڑے الفاظ کبھی انسان کے ساتھ لگ جاتے ہیں لیکن یہ کچھ دن کا کھیل ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ سے متاثر نہ ہونا۔ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نصیحت فرما رہی ہیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گردن جھکائے ہوئے سن رہے ہیں۔ اور بھی بہت سی نصیحتیں حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے کیں اور حضرت عمر فاروقؓ سنتے رہے، ساتھیوں میں سے کسی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان بڑی بی ضعیفہ کی نصیحتیں کب تک سنیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر خولہؓ مجھے صبح سے شام تک کھڑا کر کے نصیحتیں کریں تو سوائے نماز کے اوقات کے میں یہاں سے نہیں ہلوں گا۔ اور فرمایا کہ میں کیا ہوں؟ جسکی خدا نے سنی ہے اس کی عمر نہیں سنے گا! یہ

وہ خاتون ہیں کہ جنکی بات اللہ تعالیٰ نے سنی تھی کیا عمران کی نصیحتیں نہیں سنے گا؟

مسائل کا حل کیا ہے خیر! میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دراصل ایک ہی چیز ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان کے اندر احساس ذمہ داری، اللہ کا خوف اور جواب طلبی کا ڈر پیدا ہوجائے کہ خدا کے یہاں کیا جواب دیں گے، خدا کے یہاں کیا منھ دکھائیں گے۔ اگر شوہر، بیوی کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، بیوی، شوہر کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، بیچنے والا، خریدار کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، خریدنے والا، بیچنے والے کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، پڑوس، پڑوس کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے، حاکم رعایا کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے اور رعایا حاکم کے ساتھ معاملات میں یہ سوچ لے تو خدا کی قسم! سارا کا سارا معاشرہ فرشتوں کا معاشرہ ہوجائے گا اور انسان کی ساری برائیاں دور ہوجائیں گی، صرف ایک چیز اپنے اندر پیدا کرلیں اور وہ ہے خوفِ خدا۔

اپنے ایمان کو تازہ رکھئے آپ کہیں گے کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اندر آخرت کا خوف نہیں ہے؟ کیا ہم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے؟ کیا آپ ہمیں کافر سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ آپ کے متعلق میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا، آپ سب کے سب مسلمان ہیں، واقعی آپ کو آخرت پر عقیدہ ہے لیکن یہ عقیدہ ایسا ہے جیسا کہ اگر کسی کاغذ کے اوپر کچھ لکھ دیں پھر اس کی خبر نہ لیں تو وہ تحریر دھندلی ہوجاتی ہے، اگر اس کو آئینہ لگا کر پڑھی جائے تو پڑھی جائے گی ورنہ بالکل نظر نہیں آتی، تو کاغذ پر تو تحریر لکھی ہوئی ہے لیکن اس کا نقش اتنا دھندلا ہوگیا ہے بغیر آئینہ کے نظر نہیں آتا۔ اسی طریقہ سے ہمارا عقیدہ آخرت بھی ہے۔

ایک شہزادہ کا قصہ اسی بات کو ایک اور مثال سے سمجھئے! ایک شہزادہ تھا، اس کے باپ نے اسکو پرورش کیلئے لڑکیوں کے اندر چھوڑ دیا، وہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کے

ساتھ کھیلتا تھا اسی طرح وہ جوان ہو گیا۔ لیکن چونکہ ماحول اس کو لڑکیوں اور عورتوں کا ملا تھا اس لئے اس کے اندر بالکل زنانہ انداز پیدا ہو گیا چنانچہ وہ دوستوں کو نہیں جانتا تھا، سہیلیوں کو جانتا تھا۔ سب اسکی سہیلیاں تھیں، ایک دفعہ کا واقعہ لکھا ہے کہ شاہی محل میں کہیں سے سانپ نکل آیا، عورتوں نے چلانا شروع کیا کہ ارے باہر کوئی ہے مرد، جو سانپ کو مار دے! تو شہزادے صاحب بھی چلانے لگے کہ ارے باہر ہے کوئی مرد، جو سانپ کو مار دے! تو عورتوں میں سے کسی نے کہدیا کہ حضور جہاں پناہ شہزادے صاحب! آپ بھی تو مرد ہیں؟ کہنے لگے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ میں بھی مرد ہوں، یہ تو تمہارے یاد دلانے سے یاد آیا کہ میں بھی مرد ہوں، ارے ظالم! وہ مردانگی کس کام کی مردانگی ہے جو سانپ کے نکلنے سے یاد نہ آئے بلکہ عورتوں کے یاد دلانے سے یاد آئے؟ یہ کسی کام کی مردانگی نہیں ہے۔

مسلمانوں کی حالت شہزادہ کی سی ہے

اسی طریقہ سے میرے دوستو! وہ خوف آخرت اور خشیت الٰہی معتبر ہے کہ جب انسان کسی انسان کیلئے چھرا نکالے فوراً آخرت یاد آجائے، باز آجائے۔ جب کوئی انسان چوری کرنے کا ارادہ کرے فوراً اسے یاد آجائے کہ خدا کو کیا منھ دکھاؤں گا؟ اگر کوئی پڑوسی کسی پڑوسی کی حق تلفی کرتا ہے اس وقت اسے یاد آجائے کہ مجھے آخرت میں خدا کے سامنے جواب دینا ہے۔

میرے دوستو! خوفِ آخرت دراصل اسی کو کہتے ہیں، باقی جب مولوی صاحب وعظ کہتے ہیں تو عقیدہ آخرت یاد آجاتا ہے تو معاف کیجئے! آپ لوگ بھی اسی شہزادہ کی طرح ہیں۔ آپ کو یاد ہی نہیں ہے کہ آپ بھی مرد ہیں، مولوی صاحب جب یاد دلاتے ہیں تو آپ کہتے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ میں تو بھول ہی گیا تھا، آپ کے یاد دلانے سے یہ بات یاد آئی۔

ہماری اصلاح کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنے اندر خوف خدا اور

خشیت الٰہی پیدا کریں، اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپؐ کے اصلاح کے طریقہ کو اپنائیں جس طریقہ سے آپ نے اپنی امت کی اصلاح فرمائی۔ بکریاں چرانے والوں کو صاحب تخت وتاج بنادیا۔

بس! یہ چند کلمات عرض کرنے تھے، اب دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے......

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه
وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ اللهم
صلی علی سیدنا ومولینا محمد صلوة تنجینا
بها من جميع الاهوال والافات، وتقضی لنا بها جميع
الحاجات، وتطهرنا بها من جميع السيئات، وترفعنا
بها اعلى الدرجات، وتبلغنا بها اقصى الغايات،
من جميع الخيرات في الحيوة وبعد الممات،
انک علی کل شیئ قدیر برحمتک
یا ارحم الراحمین۔

وما تشاؤن الا ان یشاء الله رب العالمین

حقیقتِ شرک

جو چیزیں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں ان میں سے ایک ظلم ہے، عام طور پر ظلم کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً میں نے آپکی کوئی چیز چھین لی تو میں نے ظلم کیا۔ آپ نے میرا مکان چھین لیا تو آپ نے ظلم کیا۔ لیکن نہیں ! ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بہت سے انواع واقسام ہیں۔ فرمایا کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا

ترجمہ:۔ اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○

اللہ کی ذات وصفات میں، اسکی قدرت واختیار میں کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔ (ارشاد حضرت خطیب الامت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حقیقت شرک

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعدُ. فَاَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطٰنِ الرَّجِيمِ ○

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ ○

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

سُورَةُ الطُّورِ

صَدَقَ اللّٰهُ مَولَانَا العَظِيمِ وَصَدَقَ رَسُولُهُ النَّبِيُّ الكَرِيمُ وَنَحنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ۔

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! اس سے پہلے کی آیتوں کے سلسلہ میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا کہ آپ سمجھانے کے جتنے طریقے تھے ان تمام طریقوں سے سمجھا چکے، کوئی کسر نہ اٹھا رکھی لیکن یہ لوگ بغض و عناد اور ہٹ دھرمی میں آکر آپ کی باتوں کو ٹھکراتے رہے، اب آپ انکو ان کی حالت پر چھوڑ دیجئے اور یہ کہہ دیں کہ اس دن کا انتظار کرو جو عنقریب آنے والا ہے اور وہ قیامت کا دن ہے، فرمایا کہ

فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾

يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٦﴾

سُورَةُ الطُّورِ

ترجمہ:۔ تو ان کو انہیں کی حالت پر رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ ہو جس میں انکے ہوش اڑجادیں گے۔ جس دن ان کی تدبیریں ان کے کچھ بھی کام نہ آویں گی اور نہ انکو کہیں سے مدد ملے گی۔ (معارف القرآن)

ظالم کو دونوں جہاں میں سزا دی جائیگی

اس کے بعد فرمایا۔

وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

ترجمہ:۔ اور ان ظالموں کیلئے قبل اس (عذاب) کے بھی عذاب ہونے والا ہے لیکن ان میں اکثر کو معلوم نہیں (معارف القرآن)

اور صرف یہی نہیں بلکہ اس دن (قیامت کے دن) سے پہلے بھی یہ لوگ اپنی حرکتوں اور اپنے ظالمانہ کاروائیوں کا ذائقہ چکھیں گے، اسکی سزا بھگتیں گے اور عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کیونکہ آیت میں دون ذلک کے لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو دو سزائیں دی جائیں گی، ایک آخرت کی سزا اور دوسری دنیا کی سزا۔ اس آیت میں جس سزا کا ذکر ہے وہ آخرت کی سزا ہے۔ لیکن اس سے پہلے پہلے یہ لوگ دنیا کے اندر اپنی روسیاہی دیکھ لیں گے۔

ظالم کون ہے؟ اب رہی یہ بات کہ ظالم کن لوگوں کو کہا گیا ہے؟ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ جادوگر کہا، جنہوں نے آپ کو کاہن کہا، جنہوں نے آپؐ کو شاعر کہا، جنہوں نے آپ کو مجنون کہا، جنہوں نے آپؐ کو ایذائیں پہنچائیں اور آپ کے قتل کی تدبیریں کیں، یہی وہ لوگ ہیں جنکو قرآن کریم کی اس آیت میں ظالم کہا گیا ہے۔

ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جسکا عذاب، جسکی پاداش انسان اپنی زندگی میں تو بھگتنا ہی ہے مزید برآں یوم جزا، اور آخرت میں بھی اسے اسکی سزا بھگتنی پڑے گی، اس وقت مجھے اسی سلسلہ میں کچھ عرض کرنا ہے۔

ظلم کا تنوع سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو چیزیں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں ان میں سے ایک ظلم ہے، عام طور پر ظلم کے بارے میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ مثلاً میں نے آپکی کوئی چیز چھین لی تو میں نے ظلم کیا، آپ نے میرا مکان چھین لیا تو آپ نے ظلم کیا، لیکن نہیں، ظلم ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے بہت سے انواع واقسام ہیں، فرمایا کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا

ترجمہ:۔ اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں ان کا ذکر کئے جانے سے بندش کرے اور ان کے ویران ہونے (کے بارے) میں کوشش کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ○
اللہ کی ذات وصفات میں، اسکی قدرت واختیار میں کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم ہے۔

ظلم کسے کہتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ ظلم کے معنی صرف وہی نہیں ہیں جو ہمارے اور آپ کے ذہنوں میں ہے، علماء لغت نے ظلم کے معنی عربی الفاظ میں یہ لکھا ہے۔

وضع الشئی فی غیر محلہ کسی چیز کو ایسی جگہ پر رکھ دینا جو اس کے رکھنے کی جگہ نہیں ہے، کسی چیز کو غیر جگہ پر رکھ دینا ظلم کہلاتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک شخص لاؤڈ اسپیکر (LOUD SPEAKER) کے اس آلہ کو جس میں بولا جاتا ہے نیچے کردے اور جس پر (STAND) وہ رکھا ہوا ہوتا ہے اسے اوپر کردے تو کہا جائے گا کہ اس نے ظلم کیا اس لئے کہ جو چیز اوپر رکھنے کی تھی، اس نے اسے نیچے کردی اور جو چیز نیچے رکھنے کی تھی اسے اوپر کردی۔

مسلم معاشرہ ماضی اور حال کے آئینہ میں جب شروع شروع میں مسلمانوں نے انگریزوں کی تہذیب اختیار کی تو اس طریقے سے اختیار کی جیسے کوئی چور چوری کرتا ہے۔ بالکل آہستہ آہستہ اپنی وضع قطع بدلی۔ سب سے پہلے جوتا بدلا، پھر شرعی پاجامہ کی کاٹ بدلی، پھر کرتے کی جگہ قمیص (SHIRT) بدلی، پھر ٹوپی بدلی اور اس کی جگہ بعضوں نے ہیٹ (HAT) اختیار کیا اور بعضوں نے ننگے سر رہنا پسند کیا اور سب سے آخر میں گلے کی وہ پٹی اختیار کی جسکو ٹائی (TIE) کہا جاتا ہے، اور اس طریقہ پر جب کبھی کوئی مسلمان اس تہذیب کو اختیار کرتا ہے تو وہ یہ سمجھ کر کرتا ہے کہ میں تھوڑی سی برائی کررہا ہوں اور اس طرح سے رفتہ رفتہ وہ اس میں مکمل طریقہ سے رچ بس جاتا، لیکن پھر بھی عمومی طور پر پہلے مغربی تہذیب میں اس قدر رچی ہوئی صورتیں نظر نہیں آتی تھیں جتنی کہ آج نظر آتی ہیں بلکہ اس دور میں ہر خاندان کے افراد خواہ وہ بڑے بڑے امراء وروٴساء ہوں یا

بادشاہ سلاطین ہوں سب اسلامی وضع قطع میں رہتے تھے، ان کو دیکھتے ہی یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ مسلمان ہیں، متشرع ہیں۔

میری خوشدامن جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقیقی بھتیجی تھیں اور مولانا" سے انہوں نے تفسیر بیان القرآن بھی پڑھی تھی اور کسی جگہ مولانا نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ اتنی ذہین تھیں کہ ان کے سوالات مجھے بہت بھاتے تھے، میری خوشدامن نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ میں نے اپنی زندگی میں پہلا انسان جس کے چہرہ پر ڈاڑھی نہیں تھی اپنی شادی کے بعد دیکھا، کیونکہ اس زمانہ میں ماحول ایسا تھا کہ شادی سے پہلے کبھی کوئی ایسا مرد نہیں دیکھا کہ جس کے چہرے پر ڈاڑھی نہ ہو، پہلی دفعہ شادی کے بعد دیکھا، وہ ایک تحصیلدار تھے جن کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی، فرماتی ہیں کہ صبح شام، اٹھتے بیٹھتے ہمہ وقت ان سے میرا یہی کہنا تھا کہ تمہاری صورت کیسی ہے، میں نے تو ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا، میرے اس جملے کا اثر ان پر یہ ہوا کہ مہینہ دو مہینہ کے اندر انہوں نے ڈاڑھی رکھ لی۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا حیرت انگیز واقعہ اور آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے کا ایک واقعہ ہے جو مجھے عرض کرنا ہے اور یہ ذہن نشین کرلیں کہ یہ کوئی افسانہ اور گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، حقیقت میں یہ واقعہ پیش آیا ہے اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو علم حدیث کے زبردست عالم تھے، بڑے اللہ والے تھے، ان کی بڑی شہرت تھی۔ ایک مرتبہ سہارنپور سے ایک انگریز کمشنر (COMMISSIONER) ان کی شہرت سن کر ان کے پاس آیا۔ اس وقت مولاناؒ حدیث کا درس دے رہے تھے، طلبہ کا حلقہ بنا ہوا تھا، مولانا کو اس کے آنے کی خبر ہو گئی لیکن انہوں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا، درس حدیث میں مصروف رہے، اس انگریز نے یہ سوچا کہ یہ تو نہایت خشک مزاج اور بد اخلاق معلوم ہوتے ہیں، ان

کے علاقے کا حاکم آیا ہے لیکن انہوں نے اسکی طرف کوئی التفات اور توجہ نہیں کی، وہ بیٹھ گیا، تھوڑی دیر کے بعد جب مولانا درس حدیث سے فارغ ہوگئے تو اس سے باتیں کیں، اس نے باتوں ہی باتوں میں اپنے دل کی چوٹ ظاہر کردی، اس نے کہا، سب سے پہلے میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مذہب میں حاکموں کی تعظیم اور ان کے احترام کی کوئی جگہ ہے یا نہیں؟ اس کا مقصد یہ تھا کہ میں حاکم ضلع ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس آیا ہوں لیکن آپ نے میرا کوئی نوٹس (NOTICE) نہیں لیا، آیا آپ کے مذہب میں ایسے اخلاق کی تعلیم ہے یا نہیں؟

مولانا نے فوراً جواب دیا کہ ہاں! ہمارے مذہب میں حاکموں کیلئے ہی کیا بلکہ اوپر سے نیچے تک سب کیلئے اخلاق برتنے کا حکم ہے اور یہ حدیث پڑھی، فرمایا کہ

انزلوا الناس منازلهم

ہر آدمی کو اس کے منزل اور مرتبہ کے اعتبار سے رکھو، ہمارے مذہب میں اخلاق کی یہ تعلیم ہے لیکن آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ چاہے ضلع کے حاکم ہوں چاہے ملک کے حاکم ہوں لیکن جب آپ یہاں آئے تو میں دونوں جہاں کے بادشاہ کا کلام پڑھا رہا تھا، حدیث پڑھا رہا تھا اور جب میں اس حاکم کے کلام کی طرف متوجہ تھا تو پھر کسی اور حاکم کی طرف متوجہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے دوران درس حدیث میں آپ کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور جب فارغ ہوگیا تو پھر توجہ دیا۔

ایک عاشق رسول کا خواب اور اس کی تعبیر

خیر! یہ واقعہ تو میں نے یونہی عرض کردیا ہے، مجھے جو واقعہ بتلانا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے زمانے میں دہلی کے پاس غازی آباد کا رہنے والا ایک شخص نے ایک خواب دیکھا اور اس کو مولانا کے پاس لکھکر بھیجا کہ اس کی تعبیر کیا ہے اور میرا یہ خیال ہے کہ آج سے پچاس سے ساٹھ سال پہلے جو تعبیر دی گئی وہ آج حرف بحرف صحیح ثابت ہورہی ہے، انہوں

نے یہ لکھا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں غازی آباد کے اسٹیشن (STATION) پر ہوں اور اسٹیشن پر بڑا ہجوم ہے اد دہلی کی طرف سے گاڑی آرہی ہے اور علی گڑھ کی طرف جانے والی ہے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا۔ بھائی! کیا بات ہے؟ کیوں لوگ یہاں جمع ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس گاڑی سے سرکار دوعالم ﷺ تشریف لارہے ہیں۔ میرے دل میں بھی حضور اکرم ﷺ کو دیکھنے کیلئے بڑا اشتیاق اور بڑی تڑپ پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں بھی اس ہجوم میں شامل ہوگیا۔ لاکھوں آدمی جمع تھے۔ تھوڑی دیر میں جب وہ گاڑی آئی اور اسٹیشن پر کھڑی ہوگئی تو لوگوں نے ادھر ادھر دوڑنا شروع کیا، ایک ڈبہ میں سے کسی نے اشارہ کیا کہ سرکار دوعالم ﷺ اس ڈبہ میں ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس ڈبہ میں سے ایک صاحب نکلے جو مغربی لباس میں ملبوس تھے۔ کوٹ۔ پتلون۔ ٹائی۔ ہیٹ وغیرہ پہنے ہوئے تھے، لوگوں نے کہا، یہ حضور اکرم ﷺ ہیں۔

خواب دیکھنے والے نے اس خواب کو نقل کرنے کے بعد لکھا کہ حضرت: جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میرا جسم کانپ رہا ہے۔ میں پریشان ہوں اور زیادہ پریشانی اس لئے ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ اگر خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا جائے یا یہ بتایا جائے کہ یہ حضور اکرم ﷺ ہیں تو وہ حضور ہی ہوتے ہیں۔ دوسرا کوئی حضور کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ اب مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے حضور کو اس حالت میں خواب میں دیکھا ہے یہ میری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے، میرے ایمان کی کمزوری ہے یا کیا ہے۔ اس نے نہایت پریشانی کے اندر اپنا یہ خواب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو لکھا۔ مولانا نے اس کے جواب میں لکھا کہ آپ نے جو حضور کو خواب میں دیکھا ہے وہ دراصل حضور اکرم ﷺ ہی ہیں لیکن جس حالت میں آپ نے حضورؐ کو دیکھا ہے دراصل وہ حالت خود سرکار دوعالم ﷺ کی نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعہ آپؐ کی امت اور آپؐ کی ملت کی حالت دکھائی گئی ہے کہ آگے چل کر امت کی یہی حالت

ہونے والی ہے اور فرمایا کہ اسی طرح اگر کوئی خواب میں حضور اکرم ﷺ کو بیمار دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ امت بیمار ہے، حضور بیمار نہیں ہیں، اور اگر آپ ﷺ کو اس حالت میں دیکھا جائے کہ آپ کراہ رہے ہیں تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ امت بے چین اور پریشان ہے۔ تو فرمایا کہ کبھی خواب میں حضور کی حالت سے ملت کی حالت کے طرف اشارہ ہوتا ہے اور کبھی خود خواب دیکھنے والے کی حالت اور اسکی کیفیت مراد ہوتی ہے۔ حضور کی حالت اور کیفیت مراد نہیں ہوتی۔

خواب جو حقیقت بن گیا تو مولانا نے فرمایا کہ اس خواب سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر پوری امت مسلمہ پر نصاریٰ کا غلبہ ہونے والا ہے۔ اور یہ تعبیر مولانا نے آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے دی جبکہ پوری قوم میں دو چار افراد ایسے نظر آتے ہوں گے جو مغربی تہذیب کو اختیار کئے ہوں، لیکن آج وہ تعبیر حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہے، آج آپ جس شخص کو دیکھئے خواہ وہ جھگی جھونپڑی میں رہتا ہو، خواہ وہ کسی عالیشان مکان میں رہتا ہو مکمل طور پر مغربی تہذیب میں رنگا ہوا ہے اور ہوش سنبھالتے ہی بچہ کو جو لباس سب سے پہلے پہنایا جاتا ہے وہ مغربی لباس ہوتا ہے، اور جب وہ ہوش سنبھالتے ہی سب سے پہلے اس لباس سے متعارف ہوتا ہے تو اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس لباس کے علاوہ بھی اپنے آباء واجداد کا کوئی لباس ہے۔ اور جیسا کہ میں نے عرض کیا اس وقت شاذ و نادر ہی کوئی ایسا آدمی نظر آتا تھا جو غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی لباس اور غیر اسلامی وضع قطع اختیار کئے ہوئے ہو۔

ملت کے سرخیلوں کا لباس اور وضع قطع دور کیوں جاتے ہیں ان دو شخصیتوں کو دیکھ لیجئے جنہوں نے انگریزی تعلیم کیلئے جدوجہد اور کوششیں کیں، میری مراد ان سے دو سرسیدؔ ہیں، ایک بڑے سرسید، دوسرے چھوٹے سرسید، بڑے سرسید تو وہ تھے جنہوں نے علیگڑھ کالج (ALIGARH COLLEGE) اور علیگڑھ یونیورسٹی

(ALIGARHUNIVERSITY) قائم کی۔ ان کی شکل وصورت اور وضع قطع بالکل اسلامی تھی، ترکی ٹوپی تھی، لمبی ڈاڑھی اور اچکن پہنے ہوئے رہتے تھے۔ اور چھوٹے سرسید سے میری مراد خان بہادر بشیرالدین ہیں جنہوں نے اٹاوہ کے اندر ایک اسکول قائم کیا تھا، بچپن میں میں نے بھی ان کے اسکول کو دیکھا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی دینی مدرسہ کی درسگاہ ہے، اور دینی مدرسوں کی طرح وہاں بھی نماز کی پابندی لازمی تھی، سر گھٹانا اور لباس اور وضع قطع اسلامی طرز کا تھا، اٹاوہ کے اندر خان بہادر بشیرالدین کا ایک پرچہ بھی "البشیر" کے نام سے نکلتا تھا۔

آپ ان دونوں سرسید کو دیکھ لیجئے! بڑے متشرع تھے، اسلامی لباس پہنتے تھے اور کالج کے لڑکوں کیلئے بھی ایسا لباس تجویز کیا جسے دیکھتے ہی یہ پتہ چلے کہ یہ مسلمان ہیں۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ ایک دور ایسا گذرا ہے کہ مسلمان اپنی ظاہری حالت کو بھی اسلامی طرز کے مطابق بنائے رکھتے تھے اور اپنی ہر نشست وبرخاست میں اسلام کی حفاظت کرتے تھے، اور جہاں تک عورتوں کی بات ہے تو ان کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ بہت زمانے تک انہوں نے اپنی قدامت اور اسلام پسندی کو باقی رکھا، کافی زمانے کے بعد انہوں نے بھی آپ کی دیکھا دیکھی مغربی تہذیب کو اختیار کرنا شروع کردیا۔ کچھ عورتیں تو مردوں کی زبردستی سے جدت پسندی میں مبتلا ہوئیں اور کچھ دیکھا دیکھی کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے عورتوں کی آزادی میں عورتوں کا قصور نہیں بتلایا، بلکہ مردوں کا قصور بتلایا فرمایا کہ ؎

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں   اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے پردہ تمہارا وہ کیا ہوا   کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

مردوں کا قصور بتایا عورتوں کا نہیں بتایا، اور جو رنگ اکبر کا تھا وہی رنگ علامہ اقبال مرحوم کا بھی تھا انہوں نے بھی عورتوں کی آزادی کو کبھی پسند نہیں کیا۔

مسلمانوں نے بے سوچ سمجھے آنکھیں بند کرکے اس نئی تہذیب کو اپنایا ہے۔

کسی انگریز نے کہا تھا کہ اگر ہندوستانی سوچ سمجھ کر ہماری تہذیب کو اختیار کرتے تو میرا خیال یہ ہے کہ سب سے پہلے انہیں ہیٹ (HAT) پہننا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ ہمارے لباس کے اندر ایک وہی لباس ایسا ہے جو ذرا دھوپ سے بچاتا ہے۔ باقی دوسرے لباس کے اندر کوئی خوبی نہیں ہے لیکن اس نے کہا کہ میں نے عجیب مطالعہ کیا ہے کہ جو شخص انگریزی طرز اختیار کرتا ہے وہ پہلے پاؤں سے شروع کرتا ہے اور آخر میں سر تک جاتا ہے۔ سر سے شروع نہیں کرتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے، کتاب تواریخ اٹھاکر آپ دیکھ لیجئے! سب سے پہلے لوگوں نے یہی کہا کہ یہ ہندوستانی سلیم شاہی جوتا بد شکل اور کمزور ہے اس لئے اس کی جگہ انگریزوں کا بوٹ (SHOE) استعمال کیا، پھر پاجامہ کی تراش بدلی، پھر کرتا چھوڑ کر قمیص اختیار کیا پھر اس کے اوپر کوٹ آیا، گلے کی ٹی (TIE) آئی پھر سب سے آخر میں ہیٹ (HAT) آیا۔ تو اس انگریز نے کہا کہ اگر یہ قوم سوچ سمجھ کر ہماری تہذیب کو اختیار کرتی تو سر سے شروع کرتی، پاؤں سے شروع کرکے سر پر ختم نہ کرتی۔

بہرحال! شروع دور میں لوگ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب کو اپناتے گئے اور آج ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم اپنے اسلامی تہذیب سے مکمل طور پر ناواقف اور نا آشنا ہوگئے ہیں۔

دیکھے کوئی گردیدہ عبرت ہو ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں مقابلہ کے انٹرویو (INTERVIEW) میں بیٹھنا چاہتا تھا تاکہ مرکزی حکومت میں کوئی ملازمت مل جائے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب گرمیوں میں حکومت ہند کا دفتر شملہ میں ہوتا تھا اور سردیوں میں میرٹھ میں، گرمی کا زمانہ تھا، مجھے ایک چھٹی کے ذریعہ انٹرویو کیلئے بلاوا آیا کہ فلاں تاریخ کو انٹرویو ہے آپ یہاں آکر اس میں شامل ہوجائیں، کہنے

لگے کہ جب میں انٹرویو میں شریک ہونے کیلئے شملہ پہنچا تو مجھے دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا، ارے بھائی! تم گورنمنٹ آف انڈیا (GOVERNMENT OF INDIA) کی ملازمت کیلئے انٹرویو دینے آئے ہو تو پھر اپنا حلیہ بھی درست کرلو! تم جس حلیہ میں آئے ہو وہ ملازمت والا حلیہ نہیں ہے! دیکھو! پہلے کوٹ، پتلون سلواکر پہن لو پھر انٹرویو میں جاؤ! ورنہ تمہیں کامیابی نہیں ملے گی۔

آج کل بھی تو آپ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ جب کوئی انگریز آپ کو انگریزی لباس میں دیکھتا ہے تو اس کا دل خوش ہوجاتا ہے کہ یہ ہمارا بھائی ہے۔ یہ ہمارا لباس اختیار کئے ہوا ہے۔ لیکن نہیں! یہ آپ کی غلط فہمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہی آپ کو حقیر سمجھنے لگتا ہے وہ آپ کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کیونکہ آپ کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ ذہنی طور پر اعتراف شکست کرچکا ہے۔ یہ ہماری نقالی کررہا ہے۔ اس لئے اگر آپ تمام عمر بھی اسکی نقالی کریں گے جب بھی وہ آپ کو اپنا برابر نہیں سمجھے گا۔ ترکوں کی کی ساری عمر انگریز کی نقالی کرتے ہوئے گذر گئی لیکن کیا انگریزوں نے ترکوں کو انگریز سمجھ لیا؟ نہیں! کبھی نہیں!

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کی کہانی تاریخ کی زبانی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے جلیل القدر خلیفہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ (جن کے اشعار آپ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو سنتے ہیں) سب سے پہلے علیگڑھ سے فارغ ہوئے، وہاں انہوں نے (B.A.) کیا، پھر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی تو ان سے بیعت ہوگئے۔ اس زمانے میں وہ لکھنو کے اندر ڈپٹی کلکٹر (DEPUTY COLLECTOR) کے عہدہ پر فائز تھے۔ لیکن انہوں یہ محسوس کیا کہ کوئی دیندار آدمی اس عہدہ پر رہ کر کام نہیں کرسکتا، اس لئے انہوں نے مولانا تھانویؒ سے مشورہ کیا۔ مولانا نے فرمایا کہ بھائی! فی الوقت تم اس ملازمت کو چھوڑو نہیں، البتہ

دوسری ملازمت تلاش کرو جب مل جائے تو پھر تم اس کو چھوڑ دینا، چنانچہ خواجہ صاحب نے کوششیں کرکرا کے ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول (DEPUTY INSPECTOR OF SCHOOL) کی جگہ قبول کرلی اور ڈپٹی کلکٹری کو چھوڑ دیا، لیکن وہ ان عہدوں سے بڑی نفرت کرتے تھے، ایک دفعہ کسی صاحب کو خان بہادر کا خطاب حکومت کی طرف سے ملا تو ان کو خواجہ صاحب نے لکھا کہ تم خان بہادر ہو، ہم ایمان بہادر ہیں، ہمیں یہ خطاب پسند نہیں ہے۔

بہرحال! حضرت خواجہ صاحب انسپکٹر آف اسکول ہوگئے، ایک مرتبہ لکھنو میں گورنر (GOVERNOR) آیا۔ وہ انگریز تھا، اس نے ایک جلسہ بلایا جس میں تمام بڑے حکام جمع ہوئے، بڑے بڑے افسران گورنر کے ساتھ ڈائس (DIAS) (اسٹیج) پر بیٹھے ہوئے تھے، خواجہ صاحب کی جگہ بھی ڈائس پر تھی، حضرت خواجہ صاحب کا لباس یہ تھا کہ لمبا کرتہ پہنتے تھے اور اچکن کے بجائے انگرکھا پہنتے تھے اور سر پر دو پلی ٹوپی لگاتے تھے جیسے صوفیوں کی ٹوپی ہوتی ہے، اور بڑا حسین چہرہ تھا ان کا، وہ خود فرماتے ہیں کہ مجھے جلسہ گاہ میں پہنچنے میں کچھ دیر ہوگئی، گورنر اور دوسرے امراء و حکام جمع ہوگئے تھے، قدرِ تاخیر کے بعد جب میں وہاں پہنچا تو مجھے دیکھتے ہی گورنر فوراً کرسی سے کھڑا ہوگیا، اور اس کا کھڑا ہونا تھا کہ جتنے لوگ ڈائس (DIAS) پر تھے وہ بھی کھڑے ہوگئے اور جتنے لوگ ہال (HALL) میں تھے وہ بھی کھڑے ہوگئے، میں آیا اور گورنر سے مصافحہ کرکے اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

اندازہ لگایئے کہ کوٹ پتلون والے اتنے بڑے بڑے حکام آئے لیکن کسی کیلئے گورنر کے دل میں احترام کا وہ جذبہ پیدا نہیں ہوا جو خواجہ صاحب کیلئے ہوا، گورنر نے چپکے سے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے انسپکٹر آف اسکول ہیں، گورنر نے کہا: یہ بڑے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں، پھر جتنے کوٹ پتلون والے تھے

کہنے لگے کہ ہم نے ساری عمر تمہاری نقالی کی تو ہم شریف نہ بنے شریف وہ بنے جنہوں نے اپنی وضع باقی رکھی۔

انگریز کمشنر کی غیرتِ انسانیت میرٹھ کے علاقہ میں ایک کمشنر (COMMISSIONER) تھا جسکا نام مارش (MARSH) تھا، وہ انگریز تھا لیکن ہندوستان میں پیدا ہوا تھا اس لئے کچھ ٹوٹی پھوٹی اردو بھی بول لیتا تھا، عام لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ بڑا رحم دل ہے اور سب سے ملتا ہے، کچھ عورتیں برقعہ پہنے ہوئے اس کے بنگلہ پر گئیں اور کہا کہ ہم کمشنر سے ملنا چاہتے ہیں۔ کمشنر باہر آیا اور اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں بیگمات سے پوچھا کہ آپ کیسے آئیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم میں سے کچھ بیوہ ہیں، کچھ خستہ حالت میں ہیں، ہمارے گذارے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ رحمدل حاکم ہیں اس لئے ہم آپ کے پاس آئے ہیں، یہ سن کر وہ اندر گیا اور نوٹ لیکر آیا، یہ رقم وہ ان عورتوں کو دینے کیلئے ہی لایا لیکن دینے سے پہلے اس نے کہا کہ دیکھئے بیگمات! ایک بات سنئے! یہ برقعہ پہننا اور منھ ڈھانکنا ہمارے یہاں تو نہیں ہے اس لئے آپ میں سے جو اپنا منھ کھولیں گی میں یہ رقم انہیں کو دوں گا، چنانچہ ان میں سے دو تین عورتوں نے اپنا منھ کھول دیا۔ اس کمشنر نے ساری رقم ان عورتوں کو دے دی جنہوں نے اپنا چہرہ نہیں کھولا تھا۔ اور اس نے کہا کہ یہ عورتوں باحیا ہیں ان کا گذارہ بہت مشکل ہو سکتا ہے اور تم نے اپنا چہرہ کھول دیا، تم ہر جگہ جاکر سوال کر سکتی ہو، تمہارا گذارہ اتنا مشکل نہیں ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم اور آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ انگریزوں کی نقالی کرنے سے ان کے دل میں جگہ پیدا ہوتی ہے یہ صحیح نہیں ہے، ان کے دل کوئی جگہ پیدا نہیں ہوتی، اور یہ موقعہ ایسا ہے کہ بات سے بات نکل آتی ہے تو ایک اور واقعہ سن لیجئے۔

خلیفہ ہارون الرشید کو استاد کی نصیحت خلیفہ ہارون الرشید جب خلافت پر متمکن

ہوئے تو سارے ملک نے انہیں مبارکباد دی لیکن ان کے استاد جن سے وہ حدیث و فقہ اور دوسری کتابیں پڑھیں تھیں انہوں نے کوئی مبارکبادی نہیں دی۔ خلیفہ ہارون رشید بڑے حیران تھے کہ سب نے مجھے مبارکبادی دی ہے لیکن میرے استاد نے مبارکبادی نہیں دی۔ اس نے اپنے استاذ کے پاس ایک پیغامبر (قاصد) بھیجا اور اس سے کہدیا کہ دیکھو! وہ ہمارے استاذ ہیں۔ بڑے ادب و احترام اور تعظیم کے ساتھ ان سے جاکر ملنا اور میرا یہ خط ان کو دے دینا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ عزت عطا فرمائی کہ مجھے تخت خلافت پر متمکن فرمایا۔ میں اس خوشی کی اطلاع آپ کو دے رہا ہوں۔

وہ قاصد اپنی سرکاری وضع قطع میں سنہری قبا۔ اور شاہی لباس زیب تن کئے ہوئے سفر کرکے جب وہاں پہنچا تو مجلس میں جاکر سلام و آداب کے بعد عرض کیا کہ میں خلیفۂ وقت ہارون الرشید کی طرف سے ایک پیغامبر اور قاصد کی حیثیت سے یہ خط لیکر آیا ہوں۔ آپ یہ خط حاصل کرلیں اور اسکا جواب دیں! انہوں نے سلام کا جواب دیا اور حاضرین مجلس سے کہا کہ یہ آدمی جس کا خط لیکر آیا ہے وہ ظالم ہے وہ خلق خدا کی امانتوں میں خیانت کرتا ہے اس لئے میں اس کے خط کو ہاتھ نہیں لگاتا تم میں سے کوئی اس خط کو لے لے اور پڑھے کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ پھر اسکا جواب لکھے۔ کسی نے خط پڑھا۔ تو فرمایا کہ جواب لکھو۔ اور جواب یہ لکھوایا کہ یہ عہدے اور بیت المال اور سلطنت کی تمام املاک، جو تمہارے پاس ہیں یہ سب اللہ کی امانت ہے اور تو تخت خلافت پر بیٹھا ہوا اس امانت میں خیانت کررہا ہے اور جو خیانت کرتا ہے اسکا نہ میں خط لینا چاہتا ہوں اور نہ مبارکباد دینا چاہتا ہوں۔

انہوں نے جب یہ جواب لکھا تو وہ قاصد جو خط لیکر آیا تھا خط کا جواب لے لیا اور اپنا ریشمی اور طلائی قبا۔ اتار کر پھینک دیا اور درویشوں کا لباس زیب تن کرلیا۔

درویشوں کا وضع قطع اختیار کرلیا اور لعنت بھیجی سرکاری وضع قطع کے اوپر، اور کہنے لگا کہ ہارون الرشید بادشاہ نہیں ہے، بادشاہ تو یہ ہیں۔ اسی وضع قطع کے اندر خط کا جواب لیکر واپس ہوگیا۔ جب ہارون الرشید کے پاس پہنچا تو وہ اسے دیکھتے ہی یہ سمجھ گیا کہ یہ تو بالکل میرے استاد اور میرے شیخ کا حلیہ اختیار کرلیا ہے، وہ رونے لگا، اسکی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور کہنے لگا کہ تو میرا پیغام لیکر گیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ سعادت عطا فرمادی اور میں اس سعادت سے محروم رہ گیا۔

محبت خود سکھا دیتی ہے آداب محبت بھی یاد رکھئے: جس فرد کو آدمی پسند کرتا ہے تو اس کی چال ڈھال، وضع قطع، ہیئت وشکل سب کچھ پسند کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ سرکار دوعالم ﷺ کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ آپؐ کیسے چلتے تھے؟ آپ کیسے بیٹھتے تھے؟ جب آپؐ لوگوں کے ساتھ چلتے تھے تو اس کا کیا طریقہ ہوتا تھا؟ آپ جھک کر چلتے تھے یا تن کر چلتے تھے؟ جب آپ کھانا کھاتے تو اس کا کیا طریقہ ہوتا تھا۔

صحابہ کرام اور اتباع سنت ایک صحابی عراق کے اندر شاہان عجم کے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے نمائندہ بن کر کسی دعوت میں شریک ہوئے، بہت سے سلاطین، بادشاہ، اور امراء دعوت میں شریک تھے اور کھانا کھارہے تھے، کھانا کھاتے ہوئے صحابی کا ایک لقمہ نیچے دستر خوان پر گر گیا، انہوں نے فوراً دستر خوان پر سے اسے اٹھایا اور کھالیا، جو آدمی ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ یہ حرکت جو آپ نے کی ہے یہ شاہان عجم کے ایڈیکٹ کے خلاف ہے، یہ ان کے مراسم وعادات کے خلاف ہے، یہ سنتے ہی صحابی کو غصہ آگیا اور فرمایا اأترک سنة حبيبي لهولاء الحمقاء فرمایا کہ میں ان سلاطین عجم کو کیا جانوں کہ یہ کیا حقیقت رکھتے ہیں، میری نظر میں یہ احمق ہیں، سرکار دوعالم ﷺ کی یہ سنت جو میں نے اپنے آنکھوں سے دیکھی ہے۔ ان احمقوں کی وجہ سے کیوں چھوڑدوں؟

میرے دوستو! آج ہم اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے ہیں ،قرآن وحدیث کو بھی سامنے رکھتے ہیں اور اولیا ، اللہ کی تعلیمات بھی ہمارے سامنے ہے لیکن تہذیب وتمدن انگریز کا اختیار کرتے ہیں ۔زندگی انگریز کی اختیار کرتے ہیں ، معاشرہ یورپ (EUROPE)والوں کا اختیار کرتے ہیں ،ان دونوں کے اندر ایسا تضاد ہے کہ قدم قدم پر ان کا ضمیر پوچھتا ہے کہ کتاب تیری کیا کہتی ہے ؟اور معاشرہ تیرا کیا کہتا ہے ؟تو کس طرف جارہا ہے اور تیری کتاب تجھے کس طرف لے جانا چاہتی ہے ؟

دیکھے کوئی گردیدہ عبرت ہو مجھے | تو خیر! یہ باتیں بیچ میں نکل آئیں ،میں اس آدمی کا واقعہ عرض کررہا تھا جو مرکزی حکومت میں ملازمت کیلئے انٹرویو دینے شملہ گیا تھا ،وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے تھے ،کہنے لگے کہ جب میں شملہ پہنچا تو لوگوں نے کہا کہ آپ جس لباس میں آئے ہیں اس لباس میں انٹرویو میں کامیابی نہیں ہوگی ،پہلے کوٹ پتلون سلواؤ پھر اسے پہن کر انٹرویو میں جاؤ! جب کامیابی ہوگی ،میں نے دوستوں سے کہا کہ بھائی! پرسوں انٹرویو ہے صرف ایک دن درمیان میں رہ گیا ہے ،اس ایک دن کے اندر میں ساری تیاری کیسے کرسکتا ہوں ؟ انہوں نے کہا ، آپ اس کی فکر نہ کریں ، آپ ہمیں اختیار دے دیں ۔یہاں ایسے درزی موجود ہیں جو ایک دن میں سی کردے سکتے ہیں ،انہوں نے کہا ، اچھا! اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی ہے تو کسی کو بھیجیں اور درزی کو بلوالیں ،چنانچہ درزی آیا اور ناپ لے گیا اور دوسرے دن رات کو سل کر دے دیا ،اب یہ بیچارے چونکہ تمام عمر نہ کبھی کوٹ پہنے تھے نہ پتلون پہنے تھے اب جو پتلون پہنا تو اس طرح پہنا کہ جو حصہ آگے کا تھا اسے پیچھے کردیا اور جو حصہ پیچھے کا تھا اسے آگے کردیا۔

یہ واقعہ میں نے اس لئے عرض کیا کہ آپ کو ظلم کی حقیقت معلوم ہوجائے ، اس واقعہ سے آپ کو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ ظلم کسے کہتے ہیں ،ظلم کے معنی یہ ہیں کہ

جس چیز کو جس جگہ رکھنا ہے اس جگہ کے خلاف جگہ رکھ دینا، انہوں نے بھی یہی کیا، آگے کا حصہ پیچھے اور پیچھے کا حصہ آگے کرلیا، اب جو انہوں نے اس طریقہ سے پتلون پہنا تو پیچھے سے کھنچ رہا تھا، کس رہا تھا اور آگے سے بالکل ڈھیلا تھا، عجیب معلوم ہو رہا تھا ، انہوں نے اپنے میزبان سے کہا، میرا خیال ہے کہ درزی نے اسکو خراب کردیا، پتہ نہیں میں اسکو پہن کر چل سکتا بھی ہوں یا نہیں، میزبان نے کہا، اگر درزی نے خراب کردیا ہے تو پھر اس کو بلوالیتے ہیں چنانچہ درزی کو بلایا گیا۔

جب لوگ مہذب تھے تو؟ اس زمانے میں لوگوں کے اندر تہذیب تھی، آداب تھا اور آجکل کی یہ حالت ہے کہ اگر آپ کو کسی درزی سے اس قسم کا واسطہ پڑے گا تو وہ چھوٹتے ہی آپ سے یہ کہے گا کہ کبھی تم نے یا تمہارے باپ دادا نے پہنا بھی تھا یا نہیں ؟ ایک صاحب تمبا کو لینے گئے، انہوں نے کہا، بھائی! اس کی کیا قیمت ہے ؟ دکان دار نے قیمت بتائی، انہوں نے جب پیسے کم کروائے تو دکاندار نے کہا، کبھی تم نے پیا بھی ہے یا نہیں ؟ آجکل ایسا ہی زمانہ ہے۔

بہرحال! جب درزی آیا تو انہیں دیکھ کر یہ سمجھ گیا کہ یہ کوئی نیا رنگروٹ ہے۔ اس بیچارے کو پتہ نہیں ہے، اس نے کہا، حضور! اس کے اندر مجھ سے جو خرابی ہوئی ہے اسے میں سمجھ گیا، آپ اسے اتار دیجئے میں ابھی ٹھیک کردیتا ہوں، انہوں نے اسے اتار دیا، اس کے بعد درزی نے اسے لیکر ایک جھٹکا دیا پھر ان سے کہا، حضور! اب پہنئے! اور جب انہیں سیدھا طریقہ سے پہنایا تو کہنے لگے کہ ہاں! اب ٹھیک ہے۔

آمدم برسر مطلب اب آپ ظلم کی حقیقت سمجھ لیجئے کہ اگر آپ اس طریقہ پر پتلون پہنیں کہ آگے کا حصہ پیچھے اور پیچھے کا حصہ آگے ہے تو یہ ظلم ہے، اگر آپ قمیص ٹانگوں میں پہنیں اور پتلون گلے میں ڈال لیں، یہ ظلم ہے، کیوں ؟ اس لئے کہ جس چیز کی جو جگہ تھی آپ نے اس جگہ سے اسے ہٹادیا۔

وضع الشئی فی غیر محله ظلم یہ ہے ظلم کی تعریف:

شرک کسے کہتے ہیں؟ اب آپ کو یہ سمجھنے میں بڑی آسانی ہوجائے گی کہ اگر آپ نے اللہ کو مخلوق کی جگہ پر بٹھادیا یعنی اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جیسا مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کہا، اللہ میاں کھاتے ہیں، اللہ میاں پیتے ہیں، اللہ میاں شادی کرتے ہیں، اللہ میاں کے اولاد ہوتی ہے اور اللہ میاں کے یہاں یہ ہوتا ہے اور وہ ہوتا ہے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی جگہ پر بٹھادیا، اس کو ظلم کہیں گے، اور شریعت کی زبان میں اسی کو شرک کہیں گے، اور اگر آپ نے مخلوق کو خالق کی جگہ پر بٹھادیا مثلاً پتھر کو سجدہ کیا، درخت کو سجدہ کیا، جانور کو سجدہ کیا، قبر کو سجدہ کیا، کسی زندہ شخص کو سجدہ کیا یا کسی سے آپ نے اولاد مانگی، کسی سے آپ نے صحت وتندرستی مانگی، کسی سے آپ نے عمر مانگی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ نے مخلوق کو خالق کی جگہ بٹھا دیا۔ یہ ظلم ہے اور شریعت کی زبان میں اسکو بھی شرک کہتے ہیں۔

جب یہ بات آپ کے سمجھ میں آگئی تو اب قرآن کریم کی اس آیت کو سمجھئے۔ فرمایا کہ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تم نے تو غلط کردیا، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ آگے کا پتلون پیچھے اور پیچھے کا آگے کردیا ہے بلکہ تم نے تو بالکل کایا پلٹ دی ہے خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق بنا دیا ہے، خالق کی جگہ مخلوق کو بٹھادیا اور مخلوق کی جگہ خالق کو بٹھا دیا ہے یہ سب سے بڑا ظلم ہے اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہوسکتا، اسی کو شریعت کی زبان میں شرک کہتے ہیں، اس لئے فرمایا کہ ہر چیز معاف ہوسکتی ہے لیکن شرک معاف نہیں ہوسکتا، فرمایا کہ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

اللہ تعالیٰ اس بات کو کبھی معاف نہیں فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اس کے علاوہ ہر گناہ کو جس کیلئے چاہیں گے معاف فرمادیں گے۔

اگر آپ نے نادانستہ طور پر اللہ کے حق میں بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے، گستاخی کے الفاظ استعمال کئے، تو وہ اللہ کے یہاں معاف ہے، اس لئے کہ آپ نے وہ بڑا ظلم نہیں کیا ہے کہ خالق کی جگہ مخلوق کو اور مخلوق کی جگہ خالق کو بٹھا دیا ہے، صرف اتنا ہے کہ آپ دیہاتی ہیں، آپ گاؤں کے رہنے والے ہیں، آپ کو مراسم و آداب نہیں معلوم؛ اس لئے آپ کے منھ سے یہ بات نکل گئی۔

ایک چرواہا کا واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک چرواہا یہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ! اگر تو مجھے کسی جگہ مل جائے تو میں تیری ٹانگیں دباؤں، میں تیرے بالوں میں کنگھی کروں اور دونوں وقت بھی ٹکڑی ہوئی روٹیاں تجھے پہنچاؤں۔ وہ محبت سے کہہ رہا تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ جانتے تھے کہ یہ اللہ کی شان کے خلاف ہے، اس لئے فرمایا کہ ؎ ایں چہ ژاژست وایں چہ کفرست وفُشار

پنبہ اندر دہان خود فَشار — مثنوی دفتر دوم/ ۱۰۱

ارے ظالم! یہ کفریہ کلمات بَک رہا ہے؟ اپنے منھ میں روئی لیکر منھ بند کر۔ یہ بیہود کلمات تھے لیکن اللہ کو یہی بات پسند تھی کہ میرا بندہ مجھے محبت سے یاد تو کر رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ڈانٹنے پر وہ چپ ہو گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ میرا ایک بندہ کیسے پیار سے مجھے یاد کر رہا تھا، تم نے اس کی یاد کو بند کر دیا۔ فرمایا کہ ؎ تو برائے وصل کردن آمدی

نے برائے فصل کردن آمدی — مثنوی رومی، دفتر دوم/ ۱۰۳

تُو تو بندہ کو خدا کے ساتھ ملانے کیلئے آیا تھا جدا کرنے کیلئے نہیں آیا تھا، ایک بندہ مجھے یاد کر رہا تھا، تو نے اسے چپ کر دیا، ہم ان الفاظ کو بے ادبی میں شمار نہیں کرتے۔ ایسے ہی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کیلئے بجائے کریم کے کریل، کریل کہہ کر پکار رہا تو چاہے اس کے کچھ بھی معنی نہ ہوں لیکن اللہ کو یہ معلوم ہے کہ یہ دیہقانی ہے، یہ اپنی زبان میں مجھے

یاد کر رہا ہے اور اس کے دل میں میری محبت ہے، اس لئے اللہ کی طرف سے لبیک کہہ کر پکارا جاتا ہے، یعنی میرا بندہ مجھے پکار رہا ہے میں حاضر ہوں۔

تو میرے دوستو! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خالق کو مخلوق بنا دینا، مخلوق کو خالق بنا دینا، گائے کو معبود بنا لینا، پیپل کو معبود بنا لینا، سورج کو معبود بنا لینا، پیر کو معبود بنا لینا اور بادشاہ کو معبود بنا لینا فرمایا کہ یہ سب شرک کی قسمیں ہیں، یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

نادانستہ الفاظ کی معافی مگر کس حد تک؟ ہاں! اگر نادانستہ طور پر بے ادبی کے الفاظ زبان سے نکل گئے تو وہ معاف ہے جیسے مجذوبوں کی بے ادبی ہے، بعض اوقات مجذوبوں کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں کہ اگر ہم اور آپ قانون کی کتاب لیکر بیٹھیں تو یہ کہدیں گے کہ نعوذ باللہ! اس نے کیا کہدیا، یہ تو کافر ہو گیا، مگر خدا سے پوچھئے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرا مقبول بندہ ہے یہ مجھ سے محبت کر رہا ہے اور محبت میں آکر یہ کہہ رہا ہے، یہ کافر نہیں ہوا ہے، تو نادانستہ طور پر بے ادبی کے الفاظ اگر زبان سے نکل جائیں تو معاف ہے لیکن ہوش والوں کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

اسکی مثال یوں دیا کرتا ہوں کہ جیسے آپ کی گود میں ایک چھوٹا سا بچہ ہے، آپ اس سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اس چھوٹے سے بچے نے کسی بات کے اوپر آپ کی داڑھی پکڑی اور آپ کے منھ پر چانٹا ماردیا، آپ نے اس بچہ کا ہاتھ لیا اور اسے چوم لیا، بچے کو پیار کیا نہ آپ کو داڑھی پکڑنے پر غصہ آیا نہ چانٹا مارنے پر غصہ آیا، اسے دیکھ کر بچے کے جوان بھائی نے کہا کہ اوہو! میرے ابا کو یہ حرکت بڑی اچھی لگتی ہے چلو میں بھی داڑھی پکڑ کر ایک چانٹا ماردوں، لیکن یاد رکھئے؟ اگر جوان لڑکا یہ حرکت کرے گا تو قابل گردن زدنی ہو گا، باپ اسے عاق کردے گا، کیوں؟ اس لئے کہ اس بچہ کو ہوش نہیں ہے اور یہ صاحب ہوش ہے، اور جس کو ہوش ہے اس کے آداب الگ ہیں اور جس کو ہوش نہیں ہے اس کے آداب الگ ہیں۔

حضرت سرمدؒ اور اورنگ زیب عالم گیرؒ اورنگ زیب عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ کا زمانہ ہے، حضرت سرمدؒ ننگے پھرتے ہیں، بالکل ننگ دھڑنگ اور ننگے رہتے تھے، کسی نے عالم گیرؒ کے پاس جاکر چغلی کھائی کہ اسلامی حکومت کے اندر ایک آدمی ننگا پھرتا ہے۔ اور آجکل تو ننگے ناچ بھی ناچے جاتے ہیں پھر بھی ہم اسلامی حکومت رکھتے ہیں۔ تو کسی نے عالم گیر کے پاس جاکر چغلی کھائی کہ ایک فقیر قسم کا آدمی مادرزاد ننگا پھرتا ہے، یہ حضرت سرمد علیہ الرحمہ ہیں، عالم گیرؒ نے ایک وزیر کو بلایا اور کہا کہ دیکھو! میں نے سنا ہے کہ ایک درویش اور اللہ کے مقبول بندے ننگے پھرتے ہیں میں نہیں چاہتا کہ ایسے لوگوں پر ظلم وزیادتی ہو اس لئے تم جاؤ اور دیکھ کر آؤ اور رپورٹ دو!

لیکن اللہ والوں کو پہچاننے کیلئے اللہ والا ہی چاہئے، ہوسکتا ہے کہ اس وزیر کے چہرہ پر وہ آنکھ نہ ہو جس سے اللہ والوں کو پہچانا جاتا ہے کیونکہ بسا اوقات لوگوں کی آنکھوں میں وہ نور نہیں ہوتا ہے کہ جس سے وہ اللہ والوں کو پہچان سکیں۔ اسی لئے میں یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ ولی را ولی می شناسد

بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ۔ ولی را نبی می شناسد

یعنی ولی کو وہ پہچانتا ہے جو ولایت سے اونچا درجہ رکھتا ہو۔ اور وہ نبوت کا درجہ ہے، یعنی ولی کو نبی پہچانتا ہے اور اگر پہچاننے والا نبی نہ ہو تو کم از کم ولی کو ولی تو پہچانے۔ یہ بیچارہ وزیر کیا جانتا ہے، خیر! جب وہ وزیر گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی ہے جو نہایت گستاخی اور بدتمیزی کے ساتھ پھر رہا ہے، اس نے جاکر عالم گیرؒ کو رپورٹ پیش کی، وہ رپورٹ منظوم ہے، عالم گیر بھی شاعر تھے، انہوں نے یہ رپورٹ دی۔ فرمایا کہ ؎

برسرمد برہنہ کرامات تہمت است

کشفے کہ ظاہر است ازو کشف عورت است

ننگ دھڑنگ سرمدؒ کے اوپر کشف کا الزام غلط ہے، بس ایک ہی کشف ہے اور

یہ کہ وہ مادر زاد ننگا پھرتا ہے اور کوئی کشف وغیرہ نہیں ہے، وہ (نعوذ آوارہ قسم کا آدمی ہے، اس کیلئے کوئی سزا مقرر ہونی چاہیے۔

بادشاہ کا تحفہ لینے سے سرمدؒ کا انکار وزیر نے جاکر جب یہ رپورٹ دی تو پھر بھی عالم گیر رحمۃ اللہ علیہ نے انکا احترام کیا اور وزیر سے کہا کہ جاؤ! یہ تحائف جس کے اندر خلعت فاخرہ، لباس اور کپڑے وغیرہ ہیں انہیں لے جاکر حضرت سرمد کو دے دینا اور ان سے کہنا کہ بادشاہ وقت نے یہ تحفہ بھیجا ہے جس میں لباس وغیرہ ہے اسے آپ پہن لیں! وزیر اس لباس کو لیکر جب ان کے پاس پہنچا تو وہ تو اللہ والے تھے انہوں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور فرمایا کہ انہیں واپس لے جاؤ اور بادشاہ کو میرا جواب دے دو۔ فرمایا کہ ؎

آنکس کہ ترا تاج جہاں بانی داد
مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

جس اللہ نے تیرے سر پر تاج رکھا ہے اسی اللہ نے مجھے ننگا رکھا ہے، یہ اسکی شان ہے جو کبھی تاج کی شکل میں نظر آتی ہے اور کبھی فقیری کی شکل میں نظر آتی ہے۔ فرمایا کہ

آنکس کہ ترا تاج جہاں بانی داد — مارا ہمہ اسباب پریشانی داد
پوشاند لباس ہر کہ راعیبے دید — بے عیباں را لباس عریانی داد

لباس ان کو پہنایا جن کے بدن پر داغ، دھبہ دیکھا اور جن کے بدن پر کوئی داغ، دھبہ نہیں ہے ان کا لباس کھال کو بنایا، لے جاؤ اس لباس کو بادشاہ کو واپس کردو۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ جس فقیر کے اندر اتنی شانِ بے نیازی ہو جس کا اظہار حضرت سرمدؒ نے کیا ہے اس کے اوپر کسی قسم کا شک وشبہ کیا جاسکتا ہے؟ معاف کیجئے! ہم اور آپ جب قربانی کیلئے تیار ہوتے ہیں تو پہلے جیب میں ہاتھ ڈال کر یہ دیکھ لیتے ہیں کہ مہینہ دو مہینہ کیلئے کھانے کو ہے یا نہیں، اگر ہے تو قربانی دیتے

ہیں ورنہ کہنے لگتے ہیں کہ قربانی کا ہے کو دیں؟ کچھ ہو تب ہی تو دیں! لیکن حضرت سرمدؒ کو دیکھئے! انکی بے نیازی اور ان کا استغناء یہ ظاہر کر رہا ہے ان کے سینے میں کوئی روحانی دولت اور سرمایہ ہے۔ اگر ان کے سینہ میں کوئی روحانی دولت اور روحانی سرمایہ نہ ہوتا تو کبھی وہ بادشاہ کو اس طریقہ سے جواب نہ دیتے۔ یہ دولت دنیا کی دولتوں سے بہت بڑی دولت ہے۔

حضرت سرمدؒ کی شہادت اور ان کا مزار میرے دوستو! بزرگوں کے ذکر میں ہی کافی وقت گذر گیا۔ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ بزرگ تھے، ان کو شہید کر دیا گیا، وہ جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر شہید ہوئے اور جامع مسجد دہلی کے قریب ہی انکا مزار ہے، ہرے بھرے صاحب کا جو مزار کہلاتا ہے وہ حضرت سرمد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی مزار ہے، بعضوں نے لکھا ہے کہ وہ افغانستان کے جاسوس تھے، لیکن حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ان کے کلام میں اتنی نورانیت اور اتنی معرفت ہے کہ میرا دل یہ قبول نہیں کرتا کہ وہ جاسوس ہوں گے۔ فرمایا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اللہ کے بڑے مقبول بندہ تھے اور بڑے مجذوب تھے

تو خیر! بات یہاں سے چلی تھی کہ آدمی کو جس چیز سے محبت ہوتی ہے وہ اسی کو اختیار کرتا ہے، اس کے ہر ادا کو پسند کرتا ہے، وقت ختم ہو گیا ہے، دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، حافظ نذیر احمد صاحب جو ہمارے قابل احترام رفیق اور ساتھی ہیں ان کا آپریشن ہوا ہے ان کیلئے خاص طور پر دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو شفا اور تندرستی اور صحت تامہ عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہماری اس دعا کو قبول فرمائے۔ **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین برحمتک یا ارحم الراحمین**

تخلیق کائنات

اور

شرعی امتیازات

عورتوں کیلئے یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بال کٹوا کر مردوں کا بھیس بنائیں، اسی طرح مردوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی طرح بال رکھ کر اپنی شکل بگاڑیں۔ اسی طریقہ سے مردوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں یا ایسا لباس پہنیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، مثلاً آپ کو دوپٹہ اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو غرارہ پہننے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو ساڑی باندھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن لباسوں سے امتیاز ہوتا ہے کہ یہ جنس مرد ہے اور یہ جنس عورت ہے اور جو لباس کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص ہو ان کا استعمال کسی دوسرے جنس کیلئے جائز نہیں ہے۔ اسی طریقہ سے عورتوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جو علامتیں اور نشانیاں اللہ نے عورت کے طور پر رکھ دی ہیں ان علامتوں اور نشانیوں کو مٹا کر مردوں کا بھیس اور مردوں کا طریقہ اختیار کریں۔ یہ منشاء خداوندی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی لئے مردوں کو ڈاڑھی منڈانے کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی ایک ایسی علامت اور نشانی ہے اور کہ جس کے ذریعہ اللہ نے مرد اور عورت میں امتیاز رکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تخلیقِ کائنات
اور
شرعی امتیازات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا
مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ
وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ
لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحٰبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

اَمَّا بَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿٦﴾ الَّذِي
خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿٩﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا
كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿١٣﴾ وَإِنَّ
الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿١٤﴾ يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٥﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ
﴿١٦﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿١٧﴾ ثُمَّ مَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ
﴿١٨﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ﴿١٩﴾

سُورَةُ الانفطار

صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک لمبی سورت تلاوت کردی ہے۔ برکت کیلئے میں نے پوری سورت تلاوت کی ہے لیکن مجھے صرف ایک جملہ کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

میدان حشر کا ایک سوال

اس سورہ کا مضمون یہ ہے کہ حق تعالیٰ اس سورہ میں قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر بیان فرمارہے ہیں۔ فرمایا کہ۔

إِذَا السَّمَآءُ انفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ
فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ
وَأَخَّرَتْ ﴿٥﴾

یعنی جب آسمان، زمین، چاند اور سورج سب معطل ہو جائیں گے، دریاؤں کا نظام گڈمڈ ہو جائے گا اور یہ عالمِ شہود جس میں ہم اور آپ موجود ہیں فنا ہو جائے گا اور ایک عالمِ نَو وجود میں آئے گا، اُس عالمِ نَو میں اللہ تعالیٰ ہر انسان سے ایک سوال فرمائیں گے، انسان خواہ امیر ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت، ولی اور غوث ہو یا فاسق وفاجر، سب سے اللہ تعالیٰ ایک سوال فرمائیں گے۔ وہ سوال کیا ہو گا؟ فرمایا کہ

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَـٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ۝

آج تم سے ہمارا یہ سوال ہے کہ ہم نے دنیا کے اندر جب تمہیں بھیجا تھا تو ہم نے قدم قدم پر تمہارے لئے ایسی نشانیاں اور علامتیں قائم کردی تھیں کہ تم ہمیں بھلا نہ سکو۔ چلتے پھرتے، آگے پیچھے، دائیں بائیں، اوپر نیچے جہاں کہیں دیکھو، خود اپنے وجود کو دیکھو، ہر ہر منزل پر ہم نے ایسی نشانیاں اور علامتیں لگا دی تھیں کہ جن علامتوں کو دیکھ کر تم خدا کو بھول نہ سکو، لیکن یہ تو بتاؤ کہ پھر بھی ان نشانیوں کے باوجود تم نے خدا کو بھلا دیا، تو وہ کون سی چیز تھی جس نے تمہیں خدا سے غافل کردیا۔ فرمایا کہ

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلۡإِنسَـٰنُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ ٱلۡكَرِيمِ ۝
ٱلَّذِى خَلَقَكَ فَسَوَّىٰكَ فَعَدَلَكَ ۝

تخلیقِ انسانی اور قرآنی تعبیر تم نے اس رب اور اس پروردگار کو بھلا دیا اور فراموش کردیا کہ جو تمہارا خالق ہے، جس نے تمہیں نہایت حسین قسم کا قالب دیا، جس نے تمہارے اندر حسین قسم کے پُرزے رکھے، بہترین قسم کی مشینیں (MACHINES) رکھیں، اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں، تم کو مظہر صفات خداوندی بنایا۔ اس کیلئے اللہ نے تین لفظ استعمال کئے ہیں۔ فرمایا کہ ٱلَّذِى خَلَقَكَ جس نے تمہیں وجود دیا فَسَوَّىٰكَ۔ اور صرف یہی نہیں کہ وجود دیا بلکہ ایک سڈول جسم اور ایک اچھا اور حسین قالب دیا۔ فَعَدَلَكَ اور تمہارے اندر اللہ

تعالیٰ نے وہ وہ صلاحیتیں ودیعت فرمائیں کہ اس کائنات کی کسی مخلوق کو نہیں عطا فرمائیں۔

انسانی شکلوں کے اختلاف کا مقصد ان انعامات اور ان نعمتوں کے ساتھ ایک اور نعمت ہے فرمایا کہ۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۔ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ○

بہترین وجود دیا، اچھا قالب دیا، اچھی صلاحیتیں تمہارے اندر رکھیں، اس کے علاوہ ایک اور بات ہم نے تمہارے اندر پیدا کی، وہ یہ کہ تم سب انسان ہو مگر ہم نے تمہاری شکلوں میں اور تمہاری صورتوں میں تھوڑا تھوڑا فرق اس طریقہ سے باقی رکھا کہ جس کی وجہ سے تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ فرمایا کہ

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ○

شکل وصورت سب کی انسان اور آدم جیسی ہی بنائی یہاں تک کہ کالے ملکوں میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک آدمی کو دیکھتے ہیں پھر دوسرے وقت کسی دوسرے کو دیکھتے ہیں تو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ یہ وہی آدمی ہے جو صبح آیا تھا۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ آدمی نہیں ہے بلکہ یہ دوسرا ہے۔

قدرت کا کرشمہ تو فرمایا کہ تم ذرا اللہ کے اس انعام پر بھی غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام بنی نوع انسان کو صرف ایک شکل اور ایک صورت پر پیدا نہیں کیا۔ لاکھوں نہیں، کروڑوں نہیں، اربوں کھربوں سانچے اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر آج تک اللہ نے کسی مخلوق کو ایک شکل پر دوبارہ پیدا نہیں کیا، یہاں تک کہ ہاتھ کے نشانات اور لکیریں کسی انسان کی اللہ تعالیٰ نے مکرر اور دوبارہ نہیں بنائے، ہر انسان کے ہاتھ کے نشانات، دوسرے سے مختلف، دوسرے کے تیسرے سے مختلف، تیسرے کے چوتھے سے مختلف۔

غرضیکہ دنیا کے تمام انسان ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بعض اوقات ایک ماں باپ سے بارہ بارہ، پندرہ پندرہ، بیس بیس بچے پیدا ہوتے ہیں، سب کے سب آپس میں بالکل ہمشکل ہوتے ہیں لیکن اللہ کا یہ حسن انتظام ہے کہ باوجود اس کے کہ سب آپس میں ہمشکل ہیں لیکن ان کے درمیان تھوڑا تھوڑا فرق اور امتیاز ایسا رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے وہ بیسوں ایک نہیں سمجھے جاتے، الگ الگ سمجھے جاتے ہیں۔

شکلوں کے امتیاز کا فائدہ فرض کر لیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ معمولی امتیاز بھی باقی نہ رکھتا تو اولاد کے جوان ہونے کے بعد یہ پہچاننا بہت مشکل ہو جاتا کہ یہ میرا شوہر ہے یا میرا بیٹا، یہ میرا بھائی ہے یا میرا باپ، یہ میری بیوی ہے یا میری بہن۔ یہ میری بیوی ہے یا میری سالی، یہ پہچاننا بالکل مشکل ہو جاتا۔ اللہ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ جس طرح اس نے انسانوں کی شکل وصورت کو اور اس کے ڈھانچے کو جانوروں سے الگ اور مختلف بنایا ہے اسی طرح خود انسانوں کی شکلوں میں بھی باہمی فرق رکھا ہے، تاکہ انتظام عالم برقرار رہے، اس میں کسی قسم کی گڑبڑی پیدا نہ ہو۔

جنسی اختلاف اور اس میں خلل اندازی اور صرف یہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی بناوٹ میں بھی ایسا امتیاز رکھا ہے کہ مرد الگ پہچانا جاتا ہے، عورت الگ پہچانی جاتی ہے، یہ اور بات ہے کہ بعض وہ لوگ جو اللہ کے انتظام کے خلاف بغاوت کرنے والے ہیں انہوں نے اس انتظام میں خلل ڈالنے کی کوشش کی، لڑکوں نے لڑکیوں کی صورت اختیار کیا، لڑکیوں نے لڑکوں کی شکل اختیار کیا، یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اندر یہ جائز نہیں ہے کہ مرد، عورتوں کی نقالی کرے یا عورت، مردوں کی نقالی کرے۔ اس لئے کہ جس حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرق رکھا ہے تم اس فرق کو مٹا کر اللہ کے نظام کو درہم برہم کرنا چاہتے ہو، لہذا یہ جائز نہیں ہے۔

بال کی تحقیق اور اسکا حکم مثلاً عورتوں کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ بال رکھیں اور مردوں کیلئے یہ حکم ہے کہ وہ یا تو حلق کرادیں یعنی منڈا دیں یا اگر بال رکھیں تو صرف اتنی مقدار میں رکھیں کہ جتنی مقدار میں سرکار دوعالم ﷺ نے رکھے ہیں اور وہ مقدار کان کی لَو تک ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تین قسم کے بال رکھتے تھے، وفرہ، لمہ، جمہ، وَفرہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو کان کی لو تک ہو۔ لِمّہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو گردن تک ہو اور جمہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو مونڈھے تک ہو، جسکا مطلب یہ ہے کہ در حقیقت حضور اکرم ﷺ بال کان کی لو تک رکھتے تھے، لیکن جب اصلاح کرانے اور حجامت میں کچھ دیر ہو جاتی تھی تو بال بڑھ کر کان کی لو سے ذرا نیچے ہو جاتے تھے اور جب اصلاح ہو جاتی تھی تو کان کی لو سے ذرا اونچے ہو جاتے تھے۔ البتہ عموماً آپ ﷺ کے بال کان کی لَو تک ہوتے تھے۔

تشبّہ کی ممانعت بہرحال! عورتوں کیلئے یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بال کٹوا کر مردوں کا بھیس بنائیں، اسی طرح مردوں کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی طرح بال رکھ کر اپنی شکل بگاڑیں۔ اسی طریقہ سے مردوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں یا ایسا لباس پہنیں جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، مثلاً آپ کو دوپٹہ اوڑھنے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو غرارہ پہننے کی اجازت نہیں ہے، آپ کو ساڑی باندھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جن لباسوں سے امتیاز ہوتا ہے کہ یہ جنس مرد ہے اور یہ جنس عورت ہے اور جو لباس کسی ایک جنس کے ساتھ مخصوص ہو ان کا استعمال کسی دوسرے جنس کیلئے جائز نہیں ہے۔

ڈاڑھی مردانگی کی علامت ہے اسی طریقہ سے عورتوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جو علامتیں اور نشانیاں اللہ نے عورت کے طور پر رکھ دی ہیں ان علامتوں اور نشانیوں

کو مٹا کر مردوں کا بھیس اور مردوں کا طریقہ اختیار کریں۔ یہ منشاء خداوندی کے بالکل خلاف ہے۔ اسی لئے مردوں کو ڈاڑھی منڈانے کی بھی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ بھی ایک ایسی علامت اور نشانی ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ نے مرد اور عورت میں امتیاز رکھا ہے۔

ڈاڑھی کے بغیر۔۔۔۔۔ حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ بڑے مزاح کی باتیں بیان فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ جب سے نوجوانوں نے داڑھیاں منڈانا شروع کی ہیں، خیر! یہ ہم کو تو شرعاً ناپسند ہی ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی بڑی مشکل پیدا ہو گئی ہے، رات کو اگر وہ ماں اور باپ کے درمیان سو جائیں اور آدھی رات کو ان کی آنکھ کھلے اور ہاتھ پھیر کر یہ دیکھنا چاہیں کہ وہ باپ کے پاس لیٹا ہے یا ماں کے پاس لیٹا ہے تو کچھ پتہ نہیں چلے گا۔ کیونکہ شکلیں دونوں کی ایک سی ہو گئی ہیں، قدرت نے جو امتیاز رکھا تھا وہ امتیاز باقی نہیں رہا۔

یاد رکھئے! مردوں کو عورتوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے اور عورتوں کو مردوں کا شعار اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جو نشانیاں اور علامتیں رکھی ہیں اسی پر انتظام عالم کا دار و مدار ہے، اگر تم نے وہ نشانیاں مٹا دیں تو منشاء خداوندی پامال ہو جائے گا۔

انسان اور حیوان کا فرق جس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسانوں کو الگ کر دیا اور اس طرح پر الگ کیا کہ عقل حیران ہے! آپ غور کریں کہ اللہ نے مجھے بھی ہاتھ دیئے ہیں، پاؤں دیئے ہیں، آنکھیں دی ہیں، کان دیا ہے، منہ دیا ہے، جبڑا دیا ہے، زبان دی ہے، اس میں چکھنے کی قوت دی ہے، حلق دیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ نے کوا بھی رکھا ہے، غرضیکہ تمام جسم کے اندر اللہ نے ہر قسم کے اعضاء عطا فرمائے ہیں۔ آپ گن گن کر دیکھ لیجئے خدا کی قسم جانوروں میں بھی یہ سب چیزیں موجود ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ ایک گھوڑا لاؤڈ اسپیکر (LOUD SPEAKER) کے سامنے کھڑے ہو کر

تقریر نہیں کر سکتا؟ کیا اس کے جبڑے بدلے ہوئے ہیں؟ کیا اس کی زبان بدلی ہوئی ہے؟ کیا اس کا کوا بدلا ہوا ہے؟ کیا اس کو دو ہونٹ نہیں ہیں؟ سب کچھ ہے!

لیکن یہ عجیب قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعضاء کا وہی نظام جانوروں کو بھی دیا ہے اور وہی نظام انسانوں کو بھی دیا ہے۔ لیکن انسان بولنے پر قادر ہے، جانور بولنے پر قادر نہیں ہے۔ آپ تقریر کر سکتے ہیں وہ تقریر نہیں کر سکتا ہے، آپ ناطق ہیں وہ ناطق نہیں ہے۔ اسی لئے آپ کو حیوانِ ناطق کہتے ہیں، یعنی بولنے والا انسان، گفتگو کرنے والا انسان۔

آپ نے اندازہ لگایا؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر ایک ایسی نشانی رکھی ہے کہ جس کی وجہ سے آپ جانور سے ممتاز ہوگئے۔

شرعی احکام میں بھی جنسی امتیاز کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور جس طرح اللہ نے حیوانات کے مقابلہ میں آپ کی نشانی برقرار رکھی ہے اسی طرح مردوں اور عورتوں کی نشانی کو بھی برقرار رکھا ہے۔ تمہارا لباس تمہارے بناوٹ کے مطابق، عورتوں کا لباس انکی بناوٹ کے مطابق، تمہارا طریقہ عبادت مردوں کی شان کے مناسب، عورتوں کا طریقہ عبادت ان کی شان کے مناسب ہے۔

تکبیرات تشریق میں فرق مثلاً قربانی کے دنوں میں جب تکبیر تشریق کا زمانہ آتا ہے تو آپ کو حکم ہے کہ آپ تکبیر زور سے کہیں اور عورتوں کو حکم ہے کہ وہ تکبیر آہستہ کہیں، اور یہ حنفی مسلک کی بناء پر میں عرض کر رہا ہوں، میری عادت یہ نہیں کہ میں کسی مسلک کی تردید کروں لیکن مجھے یہ حق ضرور ہے کہ میں حنفی مسلک کی وضاحت کروں۔

حالت سجدہ میں فرق حنفی مسلک کے مطابق مردوں کے سجدہ کا طریقہ اور ہے، عورتوں کے سجدہ کا طریقہ اور ہے، اس لئے کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی ہے کہ جس کی وجہ سے انہیں مردوں کی طرح سجدہ کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ ان کے جسم کا کچھ حصہ

ایسا ہے جو ظاہر ہو گا اور لٹکے گا اس لئے منع کر دیا گیا۔ فرمایا کہ عورتیں اس طرح سجدہ کریں جسکو آپ بیٹھک سجدہ کہتے ہیں، کھڑا سجدہ نہیں، یعنی وہ اپنی کہنیوں کو سمیٹ کر سجدہ کریں، اپنے آپ کو لپٹا لپٹا یا کر کے سجدہ کریں۔ مردوں کو اس طرح سجدہ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

تجہیز و تکفین میں فرق اسی طرح مردوں اور عورتوں کے کفن میں بھی فرق ہے اور مردوں اور عورتوں کے جنازہ میں بھی فرق ہے۔ مرد کا جنازہ تو آپ اس طرح لے جائیں کہ جیسے آپ نے کفن دے دیا، اوپر سے چادر ڈال دی اور بس! لیکن فرمایا کہ عورت کا جنازہ اس وقت تک نہ اٹھایا جائے جب تک کہ چارپائی پر یا جس چیز پر آپ ان کا جنازہ لے جا رہے ہیں کوئی ایسی کھپچ نہ لگا دی جائے کہ جسکی وجہ سے اوپر کی چادر اوپر کو اٹھی رہے۔

اللہ کی غیرت اندازہ لگایئے! آج ہماری مائیں اور بہنیں اپنی زندگی میں اور جوانی میں اپنے جسم کے ان حصوں کو نہیں چھپاتی ہیں جن حصوں کے بارے میں مرنے بعد اللہ کی غیرت یہ کہتی ہے کہ ان کو چھپایا جائے، حالانکہ مرنے کے بعد ان حصوں کو دیکھ کر کسی کی نیت خراب نہیں ہوتی، اگر آپ کسی عورت کی میت کو دیکھیں تو آپ کے دل میں برا خیال نہیں آتا بلکہ موت یاد آتی ہے مگر فرمایا کہ اسلام وہ غیرت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی جنازہ لے جاتے وقت عورت کے جسم کا حصہ ظاہر نہ ہو۔

پردہ کے سلسلہ میں ایک غلط فہمی آپ اندازہ لگایئے! بعض عورتیں جو یہ کہا کرتی ہیں کہ ارے! پیر سے کیا پردہ کرنا؟ نوکر سے کیا پردہ کرنا؟ محلے والوں سے کیا پردہ کرنا؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھے آپ یہ بتایئے کہ مرنے کے بعد تو ظاہر ہے کہ سب کے دلوں میں خوف خدا ہوتا ہے، موت ہی موت یاد آتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ شریعت اب بھی یہ حکم دے رہی ہے کہ اس خاتون کا جسم چھپانا چاہیئے؟ اور اس طریقہ

سے جنازہ لے جانا چاہیے کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو؟

عورت کے جنازہ کو قبر میں کیسے اتاریں؟ یاد رکھیے! کسی عورت کا جنازہ جب آپ قبر میں اتاریں تو پہلے جتنے نامحرم وہاں ہیں ان سب کو ایک طرف کر دیا جائے، چادر لگائی جائے، پھر چادر کے اندر اس عورت کے جنازے کو قبر میں اتارا جائے، اس زمانے میں میں نے دیکھا ہے کہ مردوں اور عورتوں کی میت قبر میں اتارنے میں کوئی فرق نہ رہا۔ لوگ کھڑے رہتے ہیں اور انہیں کے سامنے عورت کی میت قبر میں اتار دی جاتی ہے، یہ اسلام کے خلاف ہے۔ اور آجکل تو موت کے، غسل میت کے اور جنازہ کے مسائل تو میرے خیال میں کسی کو یاد بھی نہیں رہے، لوگوں کو معلوم ہی نہیں رہے۔

ایک افسوسناک واقعہ نئی دہلی کا یہ واقعہ ہے کہ کسی صاحب کا انتقال ہو گیا پڑوس میں ایک خان بہادر صاحب رہتے تھے، ان سے کہا گیا کہ صاحب! وہ آپ کے جو پڑوسی تھے، ان کا انتقال ہو گیا ہے، ظہر کے بعد مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی، انہوں نے شاید تمام عمر نہ جنازے کی نماز پڑھی تھی، نہ دیکھا تھا، مگر چونکہ پڑوسی تھے اس لئے چلے آئے، جب وہ آئے تو دیکھا کہ مسجد سے باہر نیم کے درخت کے نیچے جنازہ رکھا ہوا ہے، نہ وہاں چٹائی بچھی ہوئی ہے نہ صف لگائی گئی ہے، وہ خان بہادر صاحب کسی سے فرمانے لگے کہ بھائی، دیکھو! اسی لئے تو میں جنازہ کی نماز پڑھنے آتا نہیں! یہاں پر چٹائی بھی نہیں بچھائی گئی ہے۔ بھلا بتاؤ کہ یہاں پر سجدہ کریں گے تو کپڑے خراب نہیں ہوں گے؟ انہوں نے کہا، خان بہادر صاحب! آپ کو پتہ نہیں ہے؟ یہ نماز جنازہ ہے اور نماز جنازہ میں رکوع، سجدہ نہیں ہے، تو انہوں نے جو جواب دیا وہ اگرچہ مجھے نقل کرنے کو جی نہیں چاہتا، لیکن بہرحال نقل کئے دیتا ہوں، انہوں نے وہی مشہور جواب دیا۔ (I AM SORRY) آئی۔ ایم۔ سوری۔ معاف کرنا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ نماز جنازہ میں سجدہ نہیں ہے۔

مٹی دینے کا طریقہ اسی طرح بعض لوگ قبر پر اس طرح مٹی ڈالتے ہیں کہ مٹھی میں مٹی لی اور ڈال دی، یہ مٹی دینے کا طریقہ نہیں ہے، مٹی دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ قرآن کریم کی اس آیت کی تصویر بن جائیں اور پہلی مرتبہ ہاتھوں میں مٹی لیکر یوں کہیں
مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مٹی ہے جس سے ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا، پھر دوسری مٹھی مٹی لیکر یہ پڑھیں وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور آج ہم اسی مٹی میں تمہیں واپس کررہے ہیں، پھر تیسری مٹھی مٹی لیکر یہ پڑھیں
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى اور قیامت میں اسی مٹی سے ہم تمہیں اٹھائیں گے، تین مٹھیوں کے اوپر یہ آیت پڑھی جائے، مٹی دینے کا یہی طریقہ ہے، یہ طریقہ مٹی دینے کا نہیں ہے کہ آپ نے مٹی لی اور قبر پر پھینک دیا۔

ملی امتیاز کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے خیر! آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طریقے سے موت میں، کفن میں، جنازہ میں اور دوسری عبادتوں میں مرد اور عورت کے امتیاز کو باقی رکھا ہے اور جس طرح مرد اور عورت کے درمیان اللہ نے فرق رکھا ہے اسی طرح ملتوں اور شریعتوں کے درمیان بھی اللہ تعالیٰ نے فرق رکھا ہے، یعنی ایک علامت اور نشانی وہ ہے کہ جس سے انسان پہچانا جائے اور ایک نشانی وہ ہے کہ جس سے شریعت اور ملت پہچانی جائے، مثلاً اگر پانچ عیسائی ہوں، پانچ یہودی ہوں، پانچ مشرک ہوں اور پانچ مسلمان ہوں، یہ بیس آدمی ایک جگہ موجود ہیں، آپ مجھے بتایئے کہ ہم کیسے پہچانیں کہ یہ مسلمان ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ عیسائی ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ یہودی ہیں؟ کیسے پہچانیں کہ یہ مشرک ہیں؟

ملت اسلامیہ کے پہچاننے کی ایک ظاہری علامت تو ملتوں کے پہچاننے کی، شریعتوں کے پہچاننے کی علامت بھی اللہ نے برقرار رکھی ہے، کس طریقہ پر؟ ایک آدمی آپ کو راستہ میں ملتا ہے اور مل کر کہتا ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ جواب میں کہتے ہیں " وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته. یہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ سرکار دوعالم ﷺ کی امت میں سے ہے، یہ ملت اسلامیہ اور شریعت محمدیہ کے ماننے والوں میں سے ہے، اس لئے کہ یہ سرکار دوعالم صلی اللہ کے امتی ہونے کی نشانی ہے، یہ مسلمان ہونے کی نشانی ہے، اب اگر فرض کرلیجئے کہ آپ نے نصرانیوں کا سلام کیا، آپ نے یہودیوں کا سلام کیا یا اپ نے اسلام کی سنت اور اسلام کے طریقہ سے ہٹ کر کہا، آداب عرض ہے، تسلیمات۔

اور آجکل ایک نیا طریقہ یہ نکلا ہے کہ جب ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں "خدا حافظ" کوئی نہیں کہتا "السلام علیکم" "وعلیکم السلام" تو اگر آپ نے صرف "خدا حافظ" کہدیا، یا آپ نے آداب عرض ہے کہدیا، یا آپ نے "تسلیمات" کہدیا، یا آپ نے صرف ہاتھ اٹھا دیا تو ہم کیسے سمجھیں کہ آپ کس امت سے تعلق رکھتے ہیں؟ اس لئے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ کے امتی ہونے کی جو علامت تھی، آپ ﷺ کے ملت میں سے ہونے کی جو نشانی تھی وہ تو آپ نے باقی نہیں رکھی، وہ تو مٹادیا۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته" یہ وہ نشانی ہے کہ جس سے ملت محمدیہ پہچانی جاتی ہے، اور یہ ملت دوسری ملتوں سے ممتاز ہوجاتی ہے، یہاں تک کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کا خاص اہتمام کیا ہے کہ ملت اسلامیہ ملت موسویہ کے ساتھ گڈمڈ نہ ہوجائے۔ کیسے؟

ملت اسلامیہ اور ملت موسوی کے درمیان مابہ الامتیاز

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لے گئے تو مہینہ ربیع الاول کا تھا، اس کے بعد جب پہلی مرتبہ محرم کا مہینہ آیا تو دسویں محرم کو آپ نے دیکھا کہ مدینہ میں جو یہود آباد ہیں ان سبھوں نے روزہ رکھا ہے آپ نے فرمایا کہ یہود سے پوچھو کہ انہوں نے

کیسا روزہ رکھا ہے؟ یہود نے کہا کہ آج ہمارا یوم نجات ہے، اس لئے کہ آج کے دن حضرت موسیٰ علیہ السلام یہود قوم کو فرعون کے پنجے سے نکال کر آزاد کرائے تھے اس لئے آج دسویں محرم کو ہم روزہ رکھتے ہیں، تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ آج کے دن اس لئے روزہ رکھتے ہیں کہ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یوم نجات ہے تو ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم بھی روزہ رکھیں، لیکن ایسا نہ ہو کہ ملت محمدیہ اور ملت موسویہ آپس میں گڈمڈ ہو جائے اس لئے دسویں تاریخ کا روزہ نویں کے ساتھ ملا کر رکھ لو یا دسویں تاریخ کا روزہ گیارہویں کے ساتھ ملا کر رکھ لو۔ تاکہ ملت موسویہ الگ نظر آئے اور ملت محمدیہ الگ نظر آئے۔ اندازہ لگایا آپ نے کہ حضور اکرم ﷺ نے ملتوں اور شریعتوں کے امتیاز کو کس طرح باقی رکھا ہے؟

سجدہ سے متعلق ایک اہم نکتہ ایک اور بات یاد آگئی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پیاری عبادت نماز ہے اور نماز کے اندر بھی سب سے زیادہ پیارا عمل اور سب سے زیادہ پیارا رکن سر کو زمین پر ڈالنا ہے جسکو سجدہ کہتے ہیں، اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جو فضیلت ہے وہ اسی سجدہ کی وجہ سے ہے، اس لئے کہ اگر تم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہے تو تم نے اپنا سر پہلے اتنا اونچا لے گئے جتنا اونچا لے جانا چاہئے تھا، پھر تم نے سجدہ کر کے انتہائی پستی میں اسکو ڈالا۔ اس کے برخلاف اگر تم نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تم نے سر تو پستی میں ڈالا لیکن اتنی اونچائی سے نہیں ڈالا جتنی اونچائی سے ڈالنا چاہیئے تھا۔ تم نے آدھے راستے سے ڈالا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ارکان نماز میں سب سے زیادہ فضیلت سجدہ کو ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب ایک بندہ سجدہ کرتا ہے تو اسکا سر اللہ کے قدموں میں رکھا ہوا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ سکون نماز میں ملتا ہے، اس لئے کہ سجدہ میں صرف اللہ سے ملاقات ہی نہیں ہوتی بلکہ سجدہ میں تم نے اللہ کے قدموں کو چھولیا ہے۔

جگر مرحوم کا شعر ہے۔ فرمایا کہ ؎

جان بھی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

عاشق کو سب سے زیادہ چین اور سکون جب ملتا ہے جب محبوب کا قدم مل جائے۔

تین وقتوں میں سجدہ حرام ہے تو سجدہ کی عبادت اتنی اہم ہے لیکن باوجود اس اہمیت کے اسلام نے کہدیا کہ تین وقت ایسے ہیں کہ اس میں سجدہ حرام ہے۔ جب سورج نکل رہا ہو، جب سورج ڈوب رہا ہو اور جب سورج نصف النہار پر ہو، فرمایا کہ ان تین وقتوں میں سجدہ کرنا گناہ ہے، جرم ہے۔

اوقات ممنوعہ کی علت اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اے اللہ! یہ عبادت تو تیرے نزدیک سب سے زیادہ پیاری عبادت ہے لیکن اس کو بھی تو نے حرام قرار دے دیا، کیا وجہ ہے؟ یاد رکھئے کہ یہ عبادت ان تین وقتوں کے اندر اس لئے حرام ہے کہ دنیا میں ایک قوم (مشرک) ایسی بھی ہے جو سورج کی پرستش کرتی ہے، سورج کے نکلنے کے وقت اس کی بندگی کرتی ہے، سورج کے غروب ہونے کے وقت اس کی پرستش کرتی ہے اور سورج کے نصف النہار پر رہنے کے وقت اس کی عبادت و بندگی کرتی ہے، یہ قوم "سورج بنسی" کہلاتی ہے، یہ مشرک قوم کا طریقہ ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ہم بے شک سجدہ کرتے ہیں لیکن ان وقتوں میں سجدہ ممنوع قرار دے دیا گیا ہے تاکہ کسی مشرک قوم سے مسلمانوں کی مشابہت پیدا نہ ہو جائے۔ سجدہ ہمارے لئے سب سے زیادہ پیاری عبادت ہے لیکن اس سے زیادہ پیاری چیز ہمارے نزدیک یہ ہے کہ امت مسلمہ کا امتیاز باقی رہے، امت مسلمہ کی نشانی باقی رہے۔

بس! اب آپ اس سے اندازہ لگا لیجئے کہ جس طرح مردوں اور عورتوں کے پہچاننے کیلئے نشانیاں ہیں اور ان نشانیوں کو آپ جنسی نشانیاں کہیں گے کیونکہ

ان سے جنس پہچانی جاتی ہے، اسی طرح ملتوں اور شریعتوں کے پہچاننے کی بھی نشانیاں ہیں جنکو "شعائر" کہتے ہیں، جیسے شعائرِ دین شعائرِ اسلام، شعائر اللہ۔

نماز میں امام کہاں کھڑا ہو؟ مثال کے طور پر نماز میں امام کے کھڑے ہونے کا مسئلہ ہے، اسلام یہ کہتا ہے کہ ہمارا امام جب نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہو تو اس کے کھڑے ہونے کیلئے کوئی الگ کمرہ نہ بنایا جائے کیونکہ یہ طریقہ یہودیوں کا ہے، وہ بھی نماز پڑھتے ہیں لیکن ان کا طریقہ یہ ہے کہ امام کیلئے کمرہ کے طور پر ایک الگ جگہ بنی ہوئی ہوتی ہے، اس میں انکا امام کھڑا ہوتا ہے، مگر حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو منع فرما دیا، فرمایا کہ اگر محراب میں بھی کھڑے ہو تو اتنے باہر کو نکل کر کھڑے ہو کہ پیچھے صف والے تمہیں دیکھ سکیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ کمرہ میں کھڑا ہونا شریعتِ موسویہ کا طریقہ ہے، شریعت محمدیہ کا طریقہ نہیں ہے، میں کہاں تک آپ کو بتاؤں، قدم قدم پر علامتیں اور نشانیاں ہیں۔

شعائر دین کسے کہتے ہیں؟ بہر حال! میں یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ شریعتوں اور ملتوں کے پہچاننے کیلئے نشانیاں اور علامتیں ہیں جنکو شعائر دین اور شعائر اسلام کہا جاتا ہے، فرمایا کہ

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۝

صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں، اور شعائر اللہ کا احترام، اور شعائر اللہ کی تعظیم، دل کا تقویٰ ہے۔

لفظ شعائر کی تحقیق شعائر، جمع ہے شعیرۃ کی یا شعارۃ کی، ش، ع، ر، شعر کا معنی ہے محسوس کرنا، شعر کو شعر اس لئے کہتے ہیں کہ آپ مضمون پڑھتے چلے جایئے۔ جہاں شعر

آئے گا وہاں آپ کو محسوس ہو گا کہ یہ کلام منظوم ہے۔ شاعر کہتے ہیں اُس آدمی کو جسکے سینے میں حسّاس دل ہو۔ وہ ایسی باتیں محسوس کرلے جسے ہم اور آپ محسوس نہیں کرسکتے فرمایا کہ ؎ گلستاں میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا

تیری ہی سی رنگت تیری ہی سی بو ہے

شاعر کہتا ہے مجھے تو ہر پھول کو دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ یہی میرا محبوب ہے۔ پھر جب دوسرا شاعر جاتا ہے تو وہ بھی محسوس کرتا ہے مگر وہ دوسری بات محسوس کرتا ہے۔ کہتا ہے کہ ؎ گلستاں میں جاکر ہر ایک گل کو دیکھا

نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

یہ کہتا ہے کہ میں نے تو یہ دیکھا کہ پھول کا مرتبہ کم ہے۔ میرے محبوب کا مرتبہ بڑا ہے۔ تو شاعر کہتے ہیں محسوس کرنے والے کو۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے فرزند کی ذہانت حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، چھوٹی عمر کا ہے۔ اکیلا بیٹھا تھا کہ کوئی جانور اسے کاٹ کر بھاگ گیا۔ اس نے رونا شروع کیا۔ اور روتے روتے بتا رہا تھا کہ یہاں پر کوئی جانور کاٹ لیا (ڈس لیا) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ وہ کیسا جانور تھا؟ وہ کیا کہتا ہے۔ کہتا ہے، کانہ ملفف ببردی جرۃ وہ جانور جو مجھے کاٹ کر بھاگا ہے وہ ایسا تھا جیسے نقش ونگار والی دو چادروں کو اوڑھ رکھا تھا۔ حضرت حسان بن ثابتؓ بڑے خوش ہوئے۔ فرمایا کہ اس کو "تتیا" کاٹ لیا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگا اس لئے کہ اس نے اس جانور کا کیسا اعلیٰ نقشہ کھینچا ہے کانہ ملفف ببردی جرۃ نقش ونگار والی دو چادریں اس نے اوڑھ رکھی تھی اور وہ کاٹ کر چلا گیا۔ فرمایا کہ واللہ صار ابنی شاعر خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہوگا۔

شعائرِ اسلام کا مطلب اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ شعار کس کو کہتے ہیں۔ شعار

اس علامت اور نشانی کو کہتے ہیں جس سے کوئی چیز پہچانی جائے۔ جیسے سرکاری درختوں پر نشان ہوتا ہے اور اس پر نمبر لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح سرکاری گھوڑوں کے پشت پر نشان لگا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے سرکاری اور غیر سرکاری کا پتہ چلتا ہے۔ اسی کو شعار کہتے ہیں۔ شعائر اللہ اور شعائر اسلام ان علامتوں کو اور ان نشانیوں کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ کا دین پہچانا جاتا ہے۔ جس سے اسلام پہچانا جاتا ہے۔

تو میرے دوستو! میں نے یہ باتیں اس لئے عرض کیں کہ آگے جو رمضان المبارک کا مہینہ آرہا ہے وہ شعائر اللہ میں سے ایک شعار ہے اسی طرح جمعہ اور عیدین شعائر اسلام میں سے ہیں۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمادیں۔

اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا

اتباعه وارنا الباطل وارزقنا اجتنابه

سبحان ربك رب العزة عما يصفون

وسلام على المرسلين

والحمد لله رب العلمين



صراطِ مستقیم

انسان کی زندگی ایک گاڑی کے مانند ہے اور اس گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک پہیہ مرد اور دوسرا پہیہ عورت ہے اور زندگی کی گاڑی ان دونوں پہیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ میرے خیال میں یہ کوئی غلط نہیں کہتے لیکن آج کا جیسا ماحول ہے اور ہم اور آپ جس طریقہ پر چل رہے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج مردوں سے عورتیں متاثر نہیں ہورہی ہیں۔ مردوں سے عورتیں رنگ نہیں پکڑتی ہیں بلکہ عورتوں سے مرد متاثر ہورہے ہیں عورتوں کے بتائے ہوئے طریقے اور ان کے مشورے پر مرد چلتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ عورتیں ہماری زندگی کی گاڑی کا ڈیڑھ پہیہ ہیں اور مرد آدھا پہیہ ہیں، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں دینی انقلاب آئے، مذہبی فضاء پیدا ہو تو معاف کیجئے یہ زندگی کی گاڑی کے آدھے پہیہ سے نہیں ہوسکتا، جب تک آپ عورتوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں معاشرہ کے اندر دینی ماحول پیدا نہیں ہوسکتا۔ (ارشاد حضرت خطیب الامتؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صراطِ مستقیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ
عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا
وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ
وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ
لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا
عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَاَصْحٰبِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۔

اَمَّابَعْدُ. فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ﴿٢﴾
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ﴿٣﴾ سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ
صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمِ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

تمہید میرے قابلِ احترام بزرگ مولانا انصاری صاحب، بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز اور میری اسلامی بہنو! سب سے پہلے میں اپنی خوشی کا اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سفر میں جبکہ ساؤتھ آفریقہ (SOUTH AFRICA) کا کوئی پروگرام (PROGRAMME) نہیں تھا پھر بھی ماریشش (MAURITIUS) کے سفر کے دوران آپ حضرات کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے موقعہ ملا تاکہ آمنے سامنے بیٹھ کر آپ حضرات کے ساتھ کچھ دین کی باتیں کر سکوں۔ دین کی خدمت کرنا علماء کرام کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا انصاری صاحب نے میرے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی بزرگانہ شفقت ہے۔

دین کی خدمت کرنا علماء کی ذمہ درای ہے ورنہ کسی عالم کی وہ خدمت جو دین کے سلسلہ میں ہو قابلِ شکر گذاری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ عالم کی ذمہ داری اور اسکا فرض ہے، اگر ہم اللہ کے دین کو لوگوں تک نہ پہنچائیں اور تبلیغِ دین نہ کریں تو ہم نے اس علم کا حق ادا نہیں کیا جو اللہ نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ بلکہ ہم آپ حضرات کے شکر گذار ہیں کہ آپ نے ہمیں ایسے مواقع فراہم کئے کہ آسانی اور سہولت کے ساتھ بلکہ اچھی اچھی دعوتوں کے ساتھ دین

پہنچانے میں مدد ملی۔

اسلامی ممالک سے محبت بھی ضروری ہے دوسری بات مولانا نے میرے بارے میں یہ ارشاد فرمائی ہے کہ "یہ پکے پاکستانی ہیں" میں اس پر یقین نہیں کرتا کہ میں پکا پاکستانی ہوں اور شاید دوسرے کچے پاکستانی ہیں۔ اس لئے کہ ہر مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں آباد ہو اگر اس کے دل اسلام کی محبت ہے تو وہ ہر اسلامی ملک سے محبت کرے گا اور پاکستان سے بھی محبت کرے گا۔ تو ہر مسلمان دل سے پکا اسلامی اور پاکستانی ہے خواہ اسکی نیشنلیٹی (NATIONALITY) کہیں کی بھی ہو۔

نگاہ نصب العین پر ہونی چاہئے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی عرض کردوں کہ کبھی کبھی کسی اسلامی ملک کا سربراہ (HEAD OF THE STATE) ایسا آجاتا ہے کہ لوگوں کو بڑی مایوسی ہوتی رہتی ہے لیکن میں ایسے دوستوں سے یہ کہا کرتا ہوں کہ اگر آپ کی کار (CAR) اور آپکی گاڑی بہت اعلی اور قیمتی ہے اور اس پر کوئی خراب ڈرائیور (DRIVER) آجائے تو اس ڈرائیور کے آنے سے گاڑی کی پوزیشن (POSITION) خراب نہیں ہوتی، وہ آج ہے کل نکل جائے گا لیکن گاڑی تو قیمتی ہے لہذا اسکی حفاظت کرنا نہایت ضروری ہے۔ بہرحال مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی کہ مولانا نے پاکستان کیلئے بھی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ اس کو صحیح معنی میں اسلامی سلطنت بنائے اور ہمیشہ ہمیشہ اسکو باقی رکھے۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ یہ معلوم کرکے مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آج خواتین کیلئے بھی انتظام کیا گیا ہے اور شاید کل بھی انتظام تھا لیکن مجھے معلوم نہیں تھا۔

انسانی زندگی میں عورتوں کا کردار بہرحال؛ عورتوں کیلئے جو یہ انتظام کیا گیا ہے اسے سن کر بڑی خوشی ہوئی کیونکہ آجکل ہر خاص وعام کی زبان سے یہ سننے کو ملتا ہے کہ انسان کی زندگی ایک گاڑی کے مانند ہے اور اس گاڑی کے دو پہیے ہیں ایک پہیہ مرد اور

دوسرا پہیہ عورت ہے اور زندگی کی گاڑی ان دونوں پہیوں کے بغیر نہیں چل سکتی۔ میرے خیال میں یہ کوئی غلط نہیں کہتے لیکن آج کا جیسا ماحول ہے اور ہم اور آپ جس طریقہ پر چل رہے ہیں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج مردوں سے عورتیں متاثر نہیں ہورہی ہیں، مردوں سے عورتیں رنگ نہیں پکڑتی ہیں بلکہ عورتوں سے مرد متاثر ہورہے ہیں عورتوں کے بتائے ہوئے طریقے اور ان کے مشورے پر مرد چلتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ عورتیں ہماری زندگی کی گاڑی کا ڈیڑھ پہیہ ہیں اور مرد آدھا پہیہ ہیں، لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہمارے معاشرہ میں دینی انقلاب آئے، مذہبی فضا، پیدا ہو تو معاف کیجئے یہ زندگی کی گاڑی کے آدھے پہیہ سے نہیں ہوسکتا، جب تک آپ عورتوں کو ساتھ لے کر نہ چلیں معاشرہ کے اندر دینی ماحول پیدا نہیں ہوسکتا۔

مرد کو مؤثر ہونا چاہئے میرے دوستو! جیسا کہ ابھی میں نے عرض کیا کہ آج مرد عورتوں سے متاثر ہورہے ہیں۔ لیکن یاد رکھئے یہ منشاءِ اسلام کے خلاف ہے، آپ جانتے ہوں گے کہ اسلام نے اہلِ کتاب (وہ لوگ جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں چاہے اس کتاب میں تحریف ہوگئی ہو) کی لڑکیوں اور ان کی عورتوں سے ایک مسلمان کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن یہ ذہن نشین کرلیجئے کہ یہ میں صرف مسئلہ کی بات بتارہا ہوں، مشورہ نہیں دے رہا ہوں اس لئے کہ بعض جائز امور بھی ایسے ہیں کہ جب آپ ان پر عمل کرتے ہیں اس کا نتیجہ آپ کے حق میں اچھا نہیں نکلتا۔ انہیں امور میں سے اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنا بھی ہے، اس لئے میں مشورہ نہیں دے رہا ہوں، البتہ قانون کی بات بتارہا ہوں، قانون یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے شادی کرلے تو اسکا نکاح جائز ہے لیکن اگر اس کے بالعکس کوئی مسلمان عورت اہل کتاب مرد سے شادی کرلے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اہل کتاب کے ساتھ نکاح جائز قرار دینا تھا تو خواہ مرد ہو خواہ

عورت ہو دونوں صورتوں میں جائز قرار دینا چاہئے تھا مگر ایسا اسلام نے نہیں کیا، مرد مسلمان ہو اور عورت کتابیہ ہو تو نکاح جائز اور اگر اس کے بالعکس صورت ہو تو نکاح ناجائز قرار دیا۔ کیوں؟

اسلام کی حکمت علماء نے لکھا ہے کہ اسکی حکمت یہ ہے کہ قدرتی طور پر عورتیں مردوں سے متاثر ہوتی ہیں، ان کا رنگ قبول کرتی ہیں، ان کے اثرات قبول کرتی ہیں لیکن مرد عورتوں سے متاثر نہیں ہوتے لہذا اگر مرد مسلمان ہے اور عورت کتابیہ ہے تو اس نکاح کی اجازت دی گئی کیونکہ ایسی صورت میں لازمی طور پر کتابیہ عورت اپنے مسلمان شوہر سے متاثر ہوگی اور آج نہیں تو کل وہ بھی اسلام قبول کرلے گی اور اپنے شوہر کے طریقہ پر چلے گی۔ لیکن اگر مرد اہلِ کتاب ہے اور عورت مسلمان ہے تو یہاں بھی وہی فلسفہ ہے کہ چونکہ مرد سے متاثر ہوتی ہے اس لئے یہ نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ مسلمان عورت اپنے شوہر سے متاثر ہو کر دینِ اسلام کو چھوڑ دے اور اہل کتاب کا مذہب قبول کرلے۔

معلوم ہوا کہ منشاء اسلام یہ ہے کہ مردوں سے عورتوں کو متاثر ہونا چاہئے۔ عورتوں سے مردوں کو متاثر نہیں ہونا چاہئے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس زمانے میں بڑے سے بڑے روشن خیال، بڑے سے بڑے اپ ٹو ڈیٹ (UP TO DATE) بڑے سے بڑے تعلیم یافتہ سب ملّا جیون بنے ہوئے ہیں۔

ملّا جیون ؒ کی سادگی آپ نے ملّا جیون ؒ کا قصہ سنا ہوگا کہ وہ اپنی بیوی سے بہت ڈرتے تھے اور مولانا (انصاری صاحب) کہیں ناراض نہ ہوجائیں۔ لوگوں نے تو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ سارے ہی مولوی بیویوں سے ڈرتے ہیں۔ لیکن ملّا جیون رحمۃ اللہ علیہ بیوی سے بہت ڈرتے تھے۔ ان کا واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کھانا کھا رہے تھے، آگے دال روٹی رکھی ہوئی تھی۔ جیسے ہی روٹی کا ٹکڑا توڑ کر دال میں لگا کر کھایا تو پتہ چلا کہ دال

پھیکی ہے۔اس میں نمک نہیں ہے۔مگر اتنی ہمت کہاں سے جتائیں کہ بیوی سے کہیں کہ دال میں نمک نہیں ہے۔بڑے پریشان ہوئے۔سوچنے لگے کہ کیا کروں۔اچانک ایک ترکیب ذہن میں آئی۔روٹی رکھی اور چارپائی سے اترے۔بیوی نے کہا۔کہاں جارہے ہو؟ کہنے لگے ابھی آتا ہوں۔یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔بادشاہ وقت اورنگ زیب عالم گیر رحمہ اللہ علیہ ملا جیونؒ کے شاگرد تھے۔یہ فوراً دوڑے ہوئے عالم گیرؒ کے پاس گئے۔بادشاہ نے پوچھا کہ مولانا! اس وقت کیسے تشریف لائے؟ فرمایا کہ ایک بڑی مشکل پیش آگئی ہے اس لئے میں آپ سے فوج کا ایک دستہ لینے کیلئے آیا ہوں! بادشاہ نے کہا۔مولانا! آپ فوج لیکر کیا کریں گے؟ کہنے لگے۔بتانے کی بات نہیں ہے لیکن ایک ضرورت ایسی پیش آگئی ہے اس لئے فوج کا ایک دستہ میرے ساتھ بھیج دو! عالم گیرؒ نے اپنے فوجیوں سے کہا۔بھائی! یہ ہمارے استاذ ہیں۔ہم ان کا بڑا ادب واحترام کرتے ہیں۔ذرا تم ان کے ساتھ جاؤ اور دیکھو انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فوج کو لیکر جارہے ہیں۔آگے آگے ملا جیونؒ ہیں اور پیچھے پیچھے فوج کا دستہ آرہا ہے۔اپنے مکان پر پہنچے اور فوج سے کہا۔کچھ لوگ اوپر چھت پر چڑھ جاؤ اور کچھ لوگ نیچے رہو اور اس طرح سے فوج کو ترتیب دی جیسا کہ باقاعدہ مورچہ لگاتے ہیں۔جب مورچہ لگ گیا تو ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ گئے اور بیوی کو آواز دی۔بیوی آواز سنتے ہی صحن میں آگئی۔ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیوی! تیری دال میں نمک پھیکا ہے۔بیوی نے کہا۔ہو گا پھیکا! کبھی کبھی ایسا اتفاق ہو جاتا ہے۔میں ابھی دال میں نمک ڈال دیتی ہوں! ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ نے فوج سے کہا۔بس! اب آپ لوگ واپس جائیے۔ خیریت کے ساتھ گذر گئی۔

آج ہر شخص ملا جیونؒ بنا ہوا ہے

تو میں عرض کر رہا تھا کہ آج تہذیب وتمدن دور میں ہر روشن خیال ملا جیونؒ بنا ہوا ہے۔آج عورتیں ہم سے متاثر نہیں ہوتیں بلکہ ہم

عورتوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ہونا بھی چاہئے اس لئے آج شوہر صاحب کو تو کمانے سے فرصت نہیں ہے گھر کی ساری ذمہ داری عورتیں ہی انجام دیتی ہیں، بچوں کی صفائی ستھرائی سے لیکر ان کی تعلیم و تربیت، ان کو سدھارنا اور تہذیب سکھانا سب عورتوں ہی کا کام ہے۔

آپ نے علماء سے یہ حدیث سنی ہوگی الجنتہ تحت اقدام امھاتکم جنت تمہارے ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے، لیکن کبھی کسی مولانا سے آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ جنت تمہارے باپ کے قدموں کے نیچے ہے، میری بچی نے جب یہ حدیث سنی تو کہنے لگی کہ میری اماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور ابا کے قدموں کے نیچے چپل ہے، بات تو اس نے صحیح کہی تھی۔ اب آپ اندازہ لگایئے کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو اتنا بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے؟

حضرت تھانوی ؒ کی موقع شناسی حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اپنے وعظ میں یہ مسئلہ بیان کر دیا کہ ماں اگر اپنے بچے کو دودھ پلاتی ہے تو بہت اچھی بات ہے لیکن دودھ پلانا اس کی ذمہ داری نہیں ہے اس لئے اگر وہ چاہے تو انکار کر سکتی ہے۔ یہ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلوانے کا انتظام کرے۔ لوگوں نے کہا، حضور! آپ نے کیا مسئلہ بیان کر دیا۔ اب ہم اپنے گھر کو جائیں گے تو ہماری بیویاں کہیں گی کہ لو اپنے بچے کو دودھ پلواؤ! ہم انہیں دودھ نہیں پلاتے۔ مولانا نے فرمایا کہ اچھا تم اس کی فکر نہ کرو اگلے دن جو وعظ ہوگا اس میں اسکی تلافی کردوں گا، دوسرے دن مولانا نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر بیوی بیمار ہو جائے تو اس کا علاج کرانا مرد کی ذمہ داری نہیں ہے، پھر مولانا نے مردوں سے فرمایا کہ اب اگر کسی کی بیوی یہ کہے کہ لو اپنے دودھ پلواؤ تو تم کہہ دینا کہ اگر تو بیمار پڑے گی تو میں دوا لاکر نہیں دوں گا۔ فرمایا کہ اب وزن برابر ہوگیا۔

لیکن یاد رکھئے یہ قانون کی بات ہے اور ازدواجی رشتہ قانونی اصول پر نہیں

چلتا محبت کیا اصول پر چلتا ہے۔ اور محبت و قانون کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے، محبت کے تقاضے اور ہیں، قانون کے تقاضے اور ہیں۔

ایک چٹکلہ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بعض حالات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا درجہ بڑھا دیا ہے، کسی اسکول کے اندر انسپکٹر آف اسکول (INSPECTOR OF SCHOOL) گیا اور وہاں جاکر اس نے ایک بچہ سے یہ سوال کیا کہ میاں! یہ بتاؤ کہ جو زبان تم بولتے ہو یہ ماں اور باپ دونوں کی زبان ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اسے مادری زبان کہتے ہیں؟ پدری زبان کیوں نہیں کہتے؟ بچے نے بڑا اچھا جواب دیا، اس نے کہا، بات اصل میں یہ کہ ہماری امیٔ جان اتنا بولتی ہیں کہ ابا کو بولنے ہی نہیں دیتیں اس لئے یہ مادری زبان کہلاتی ہے، بات اس نے بڑے پتے کی کہی۔

بچہ پر ماں کے اثرات تو بات یہ چل رہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو جو مرتبہ عطا فرمایا ہے یہ کس وجہ سے عطا فرمایا ہے؟ اس وجہ سے عطا فرمایا ہے کہ آنے والی اولاد اور نسل کی استاذ معلم اور مربی عورت ہی ہے، مرد نہیں ہے۔ اور صرف معلم اور استاذ ہی نہیں بلکہ اس کو حیوان سے انسان بناتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے کسی صحابی نے کہا، یارسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت خطابت اور قوت گویائی بدرجۂ کمال عطا فرمائی ہے۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے سارے کمالات وہبی ہیں، اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہیں مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس خاتون کا دودھ پیا ہے؟ میں نے خاندان بنو سعد کی ایک نیک خاتون کا دودھ پیا ہے جس کا نام حلیمہ سعدیہ ہے، فرمایا کہ یہ اس کے دودھ کی تاثیر ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ بچہ کے اندر ماں کے سینے سے جو دودھ کے قطرے جاتے ہیں تو اگر ماں دیندار ہے تو اس کے دودھ کے ساتھ کے ساتھ بچہ کے اندر نور معرفت بھی

جاتا ہے اور اگر وہ بے دین ہے تو اس کے دودھ کے ساتھ ساتھ بے دینی بھی بچہ کے اندر جاتی ہے۔

عورت بحیثیت معمار قوم پھر جب بچہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے تو ماں اسے سلاتے وقت کلمہ یاد کراتی ہے، ماشاء اللہ، انشاء اللہ اور سبحان اللہ وغیرہ الفاظ یاد کراتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے واقعات اور دوسرے نبیوں اور پیغمبروں کے حالات سناتی ہے اور اسے حیوان سے انسان ہی نہیں بلکہ مسلمان بناتی ہے معلوم ہوا کہ ماں معلمہ ہے۔ اور اسلام میں استاد کے ادب واحترام کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ غالباً حضرت علی کرم اللہ وجھہ کا ارشاد ہے، فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی چار حرف سکھادے تو اس آدمی کو یہ حق ہے کہ تمہارا ہاتھ پکڑ کر بازار میں بیچ دے۔ یعنی وہ تمہارا مالک ہو گیا اور تم اس کے غلام ہو گئے۔

علم و فیض کا اثر حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ (جو ہندستان کے امام فخر الدین رازی ہیں) نے اپنی تفسیر میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک آدمی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں بادشاہ کے پرسنل اسٹاف (PERSONAL STAFF) میں داخل ہو کر اس کی خدمت کروں، چنانچہ وہ بادشاہ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ حضور! میں آپ کا ذاتی خدمت گار بننا چاہتا ہوں، بادشاہ نے کہا، میرا ذاتی خدمتگار بننے کیلئے یہ ضروری ہے کہ علم حاصل کرو۔ امام غزالی رحمہ اللہ علیہ کا زمانہ تھا، بادشاہ نے کہا جاؤ بغداد کے اندر مدرسۂ نظامیہ ہے، امام غزالیؒ وہاں پڑھاتے ہیں ان سے جاکر علم حاصل کرو۔ اور جب علم حاصل ہو جائے تو پھر آؤ، یہ شخص اس تمنا اور خواہش میں وہاں گیا کہ اگر مجھے علم حاصل ہو جائے گا تو میں بادشاہ کے پرسنل اسٹاف (PERSONAL STAFF) میں داخل ہو جاؤنگا بادشاہ کی ذاتی خدمت کرنے کا مجھے موقعہ ملے گا۔ جب وہ وہاں گیا اور اسے بزرگوں کی صحبت ملی اور علم حاصل کیا تو صرف ڈیڑھ دوسال کے عرصہ میں جانور سے انسان بن گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے اسکو بلایا اور باتیں کیں تو اسے

پتہ چلا کہ اسکی کایا پلٹ گئی ہے۔ انسان کامل بن گیا ہے۔ اب بادشاہ نے اس سے کہا کہ اب اگر تم چاہو تو میرے پرسنل اسٹاف میں داخل ہوسکتے ہو۔ اس نے بادشاہ کو جو جواب دیا اس کے الفاظ کتنے پیارے ہیں؛ میں فارسی کے وہی الفاظ نقل کئے دیتا ہوں جو حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ فرمایا کہ

وقتے کہ من قابل خدمت شما بدم
خدمت مرا قبول نہ کردید

جب میرے دل میں یہ خوہش تھی کہ میں آپ کا ذاتی نوکر بن کر آپ کی خدمت کروں اس وقت آپ نے میری خدمت کو قبول نہیں کیا۔ جب میں جانور تھا اس وقت آپ مجھے نہیں رکھا۔

حالاکہ من قابل خدمت خدا شدم
خدمت شما قبول نہ کردیم

اور اب جبکہ میں نے علم حاصل کرلیا ہے اور خدمت کے قابل ہوگیا ہوں تو اب میں تیری خدمت کو قبول نہیں کرتا۔

اب آپ ایمانداری سے بتایئے کہ اس جانور کو انسان کس نے بنایا؟ اتنی بلندی تک کس نے پہنچایا؟ علم نے پہنچایا! اساتذہ اور اللہ والوں نے پہنچایا! اب آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے خواتین اور عورتوں کو جو مرتبہ دیا ہے اور جو فضیلتیں دی ہیں وہ اس لئے دی ہیں کہ عورتیں آنے والی نسل کی استاذ اور مربیہ ہیں۔ آنے والی نسل کی تعلیم دینے والی ہیں۔ لہذا اگر ایک عورت دیندار ہوجائے تو اس کی گود میں پلنے والے سارے بچے دیندار ہوجائیں گے۔ اسی طرح اگر ایک عورت بددین ہوجائے یا دائرہ اسلام سے خارج ہوجائے تو اسکی ساری اولاد اسی کے نقش قدم پر چلے گی۔

مدراس کی کہانی مقرر کی زبانی تقسیم (PARTITION) کے بعد مدراس کے

مسلمانوں نے مجھے بلایا تھا۔ میں وہاں گیا تو وعظ کیلئے ایک بستی میں جانا ہوا۔ وہ ایسی بستی تھی جہاں سودگرانِ چرم رہتے ہیں جو لبے یالبا بین کہلاتے ہیں اور شاید ان کی اصل یہ ہے کہ وہ عرب سے آئے ہیں اور وہاں آکر انہوں نے ڈرا وڈین (DRAVIDIAN) عورتوں سے شادیاں کی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے لڑکے اور لڑکیوں کی دینی حفاظت کا بہترین انتظام کیا ہے۔ جب میں وہاں گیا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے یہاں لڑکیوں کا ایک اسکول ہے آپ وہاں چل کر معاینہ کریں۔ میں نے پوچھا کہ کس عمر کی لڑکیاں وہاں پڑھتی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اچھی بڑی عمر کی لڑکیاں ہیں۔ تقریبا نو دس سال سے لیکر پندرہ سولہ تک کی لڑکیاں وہاں پڑھتی ہیں۔ میں نے کہا۔ بھائی! ہم ایسے اسکول میں کیسے جائیں؟ (پردہ کا مسئلہ تھا) انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو باہر بٹھائیں گے اور اندر لڑکیاں رہیں گی، بیچ میں پردہ ہوگا اور آپ ان بچیوں سے امتحان لیں گے۔ میں نے کہا۔ بہت اچھا! جب وہاں گیا تو ایک استاذ نے میرے ہاتھ میں قرآن شریف دیا اور کہا۔ کسی جگہ سے پڑھوائیے؟ میں نے قرآن کریم کھولا تو یہ آیت سامنے تھی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً

میں نے ایک لڑکی سے کہا۔ بیٹی! یہاں سے پڑھو۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ آپ اس سے اس آیت کا ترجمہ اور تفسیر پوچھئے۔ میں نے ترجمہ پوچھا تو اس نے ترجمہ بھی کردیا۔ میں نے کہا۔ اس کی تفسیر بیان کرو؟ تو اس لڑکی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش کا سارا واقعہ بیان کرکے اس کی تفسیر بھی کردی۔ اس کے بعد وہاں کے ذمہ داروں نے مجھ سے کہا کہ آپ اس لڑکی سے قرآن کریم کی اس عبارت کے اندر گرامر (GRAMMAR) یعنی نحو وصرف کے اعتبار سے بھی سوال کیجئے! میں نے کہا کہ اس سوال کے کرنے سے پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ یہاں کا کورس (COURSE) کیا ہے؟ آپ ان لڑکیوں کو کیا پڑھاتے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہم یہاں لڑکیوں کو وہی نصاب تعلیم اور وہی کورس پڑھاتے ہیں جو دیوبند میں عالموں کو پڑھایا جاتا ہے، ہم فقہ پڑھاتے ہیں، تفسیر پڑھاتے ہیں اور وہ تمام علوم پڑھاتے ہیں جنکو پڑھا کر آپ ایک عالم پیدا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ہم ان کو کھانا پکانا، سینا پرونا وغیرہ بھی سکھاتے ہیں۔

بن کر علامہ وبال جہل ونادانی نہ بن | میں نے کہا، یہی وجہ ہے کہ یہاں کی مسجدوں میں دیکھتا ہوں کہ نوجوان لڑکے جو .B.A., M.A پڑھتے ہیں اذان کے بعد فوراً مسجد میں آجاتے ہیں اور جماعت کا انتظار کرتے ہیں، پہلی صفوں میں وہی لوگ رہتے ہیں۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ایسی ماؤں کی گود میں جو اولاد پرورش پائے گی وہ اولاد واقعی اپنے دور کے جنید بغدادی اور شبلی نعمانی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو بلند درجہ عطا فرمایا ہے۔ میں کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ عورتوں کو تعلیم نہ دیں، بلکہ آپ ان کو ضرور علم سکھائیں لیکن کس طرح؟ راز چاند پوری کے دو شعر یاد آگئے۔ بس میں یہی چاہتا ہوں، فرمایا کہ ؎

مشرقی و مغربی تعلیم حاصل کر مگر
بن کر علامہ وبال جہل ونادانی نہ بن
اپنے گھر کے آئینہ خانہ میں دیکھ اپنا جمال
محفلِ اغیار میں تو سرو بُستانی نہ بن

اسلام تعلیم سے یہی چاہتا ہے۔ ان کا یہ انتظام دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور معاینہ کے رجسٹر (REGISTER) پر یہ الفاظ میں لکھنے والا تھا کہ "عرب و عجم میں میں نے ایسا مدرسہ نہیں دیکھا" لیکن جب میں اس رجسٹر میں پیچھے کا ایک ورق الٹ کر دیکھا تو اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر تھی، اور مولانا کے قلم سے یہی الفاظ لکھے ہوئے تھے کہ "میں نے عرب و عجم کے اندر لڑکیوں کا ایسا مدرسہ نہیں دیکھا۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارہ کر | میرے دوستو! میرے عرض کرنے کا منشاء یہ کہ

آپ عورتوں کو گاڑی کا ایک بے کار پارٹ (PART) نہ سمجھیں، کیونکہ معاف کیجئے آپ کی تو ساری گاڑی انہیں کے سہارے چلتی ہے لہذا اگر ہم انہیں دیندار بنائیں گے تو انکی وجہ سے ہم بھی دیندار بنیں گے اور ہماری آنے والی نسل بھی دیندار بنے گی۔ میں نے بہت سے دوستوں کو دیکھا ہے، ان کی بڑی بڑی ڈاڑھیاں تھیں، اچانک غائب ہو گئیں، میں نے پوچھا، بھائی! ڈاڑھی کہاں گئی؟ کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ پسند نہیں کرتی، آپ اندازہ لگائیے! بچوں کا مسئلہ تو بعد کا ہے یہاں تو خود ہمارا اور آپ کا سوال ہے، اور بھائی! ہمیں تو یہ خطرہ ہے کہ اگر عورتوں میں دینی ذوق باقی نہیں رہا تو یہ مسجدوں کی حاضری بھی باقی نہیں رہے گی۔

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں، بات تو ہنسی کی ہے لیکن حقیقت بھی ہے کہ اگر مردوں کو ڈاڑھی رکھوانی ہو تو اس کی فضیلت مردوں میں بیان کرنا بے کار ہے اس کی فضیلت عورتوں میں بیان کرنی چاہئے اور اگر عورتوں کو پردہ کرانا مقصود ہو تو اسکی فضیلت عورتوں میں بیان کرنا فضول ہے اسکی فضیلت مردوں کو بتانی چاہئے۔ اس لئے کہ عورتوں کو بے پردہ بنانے میں مردوں کا ہاتھ ہے جیسا کہ مردوں کی ڈاڑھی صاف کرانے میں عورتوں کا دخل ہے۔

مخاطب کی رعایت ضروری ہے بہر حال! مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ہماری مائیں اور بہنیں بھی یہاں موجود ہیں اور ہماری باتیں سن رہی ہیں، اور مجھے اس کا مکمل احساس ہے کہ بڑے بڑے الفاظ سمجھنے میں آپ لوگوں کو شاید دقت اور دشواری ہوتی ہوگی لیکن میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ جب میں ساؤتھ آفریقہ آتا ہوں تو چھانٹ چھانٹ کر انتہائی آسان اور سہل الفاظ بولنے کی کوشش کرتا ہوں، اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ اگر میں نے آپ کے سامنے موٹے موٹے الفاظ استعمال کئے تو آپ جیسے آئے تھے ویسے ہی اٹھ کر جائیں گے۔

لکھنو کی فصاحت کسی زمانہ میں لکھنو میں بڑی اعلی قسم کی اردو بولی جاتی تھی جسے ٹکسالی اردو کہا جاتا تھا کسی گاؤں کے دو دیہاتی کسان اپنے زمیندار آقا سے پاس آئے تو آقا کو ان کسانوں سے صرف یہ پوچھنا تھا کہ جہاں ہماری زمین ہے وہاں بارش ہوئی ہے یا نہیں مگر اس نے لکھنو کی زبان میں پوچھا کہ

"امسال کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں ؟"

امسال کے معنی ہیں "اس سال"، کِشت زار کے معنی ہیں "کھیتی"، گندم کے معنی ہیں "گیہوں"، تقاطر کے معنی ہیں "ٹپکنا" اور امطار کے معنی ہیں بارش، اس عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ اس سال گیہوں کی کھیتی پر بارش ہوئی یا نہیں ؟ یہ سنتے ہی وہ دونوں کسان آپس میں یہ بات کرنے لگے کہ چلو بھائی چلو! بعد میں آئیں گے، ابھی شاید میاں صاحب قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔ اسی طرح اگر میں بھی آپ حضرات کے سامنے موٹے موٹے الفاظ بولوں تو آپ بھی یہی کہیں گے کہ چلو بھائی چلو! شاید مولوی صاحب قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہیں۔ لہذا میں ایسے الفاظ آپ کے سامنے بولوں گا کہ انشاء اللہ مطلب آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔

آمدم بر سر مطلب اس وقت میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآنِ کریم کی ایک چھوٹی سی سورہ تلاوت کی ہے، پہلے میں اسکا مختصر سا ترجمہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہوں پھر وہ بات بتاؤں گا جس کیلئے میں نے اس سورہ کی تلاوت کی ہے۔

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے (معارف القرآن)

اولاد نرینہ سے محبت ایک فطری امر ہے واقعہ یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنی اولاد نرینہ حضرت ابراہیم سے بڑی محبت تھی اور ویسے بھی قدرتی طور پر ماں باپ کو اولاد میں بیٹوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے، خواہ وہ بڑے سے بڑا تاجر ہو، بڑے سے بڑا

دولت مند ہو یا بڑے سے بڑا بادشاہ ہو سب کو اپنی اولاد میں سے بیٹوں زیادہ محبت ہوتی ہے اسی طرح نبیوں اور پیغمبروں کو بھی بیٹوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ لیکن دھوکہ نہ کھایئے گا! کیونکہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ہماری زندگی میں بھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھی تھیں، اور بظاہر یہ دونوں یکساں معلوم ہوتی ہیں مگر ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

کام کی نوعیت مختلف ہوا کرتی ہے مثلاً "سجدہ سہو" نماز میں ہم بھی کرتے ہیں اور سرکار دوعالم ﷺ نے بھی کیا ہے مگر دونوں کی بنیادیں الگ الگ ہیں، دونوں کا پس منظر الگ الگ ہے اور دونوں کے اسباب الگ الگ ہیں، ہم اور آپ سجدہ سہو اس لئے کرتے ہیں کہ جیسے ہی مسجد میں آکر ہم نے نماز کیلئے نیت باندھی اور اللہ اکبر کہا فوراً مارکیٹ (MARKET) میں پہنچ گئے، گاہک آرہے ہیں اس سے لین دین کی باتیں کررہے ہیں اس لئے پڑھنا بھول گئے۔ تو ہمارا یہ حال یہ ہے کہ جب ہم نماز شروع کرتے ہیں تو خیال رہتا ہے کہ ہم مسجد میں ہیں اور جب نماز ختم کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم مسجد میں ہیں باقی بیچ کا زمانہ کہاں گذرا؟ کوئی پتہ نہیں! چنانچہ پڑھنا بھول گئے۔ تو ہمارے سجدہ سہو کی بنیاد ہے "غفلت" یعنی خدا سے غفلت، دین و عبادت سے غفلت، اور تلاوت کلام پاک سے غفلت۔ لیکن سرکار دوعالم ﷺ کے سجدہ سہو کی بنیاد غفلت نہیں تھی۔ آپ ﷺ کے سجدہ سہو کی بنیاد یہ تھی کہ جب آپ ﷺ تلاوت فرماتے تھے تو ذات و صفات الٰہی کے اندر اس قدر مستغرق ہوجاتے تھے کہ کوئی رکن ادا کرنے سے رہ جاتا تھا۔

تو آپ نے اندازہ لگایا کہ حضور اکرم ﷺ سجدہ سہو کی بنیاد یاد الٰہی تھی اور ہمارے اور آپ کے سجدہ سہو کی بنیاد خدا سے غافل ہونا ہے ۔۔۔۔

انسان کا سطحی ذوق اسی طرح ایک دولت مند تاجر یا بادشاہ کے دل میں اولاد نرینہ

کی محبت اس لئے ہوتی کہ اس سے خاندان کا نام چلے گا، یہ میرا وارث بنے گا، یہ میرا ولی عہد بنے گا، حالانکہ جب تخت پر بیٹھنے کا زمانہ آتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جس حکومت کا یہ وارث بننے والا تھا وہ حکومت ہی ختم ہو گئی۔ جس دولت کا وہ وارث بننے والا تھا اس دولت کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

میرے دوستو! یہ سارے خیالات ذہنی اور دماغی بیماریوں کے وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اولاد نرینہ سے خاندان کا نام چلے گا، لیکن آپ ایمانداری سے بتایئے کہ اس زمانہ میں کتنے نوجوان ایسے ہیں جنکو اپنے دادا، پر دادا کا نام معلوم ہو گا؟ بلکہ بعضے لوگ تو ایسے بھی ہیں کہ اگر ان سے باپ کا نام پوچھو تو بھی استخارہ کرتے ہیں۔

ایک عبرتناک واقعہ ہمارے یہاں کراچی میں ایک شخص روتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مولانا صاحب! میری کچھ مدد کیجئے! میں نے کہا، بھائی کیا ہوا ہے؟ کہنے لگا کہ وہ جو ہمارا پراپرٹی (PROPERTY) کا کلیم (CLAIM) تھا کہ ہم نے انڈیا میں اتنا چھوڑا ہے اس کلیم (CLAIM) کو کلیم کمشنر (CLAIM COMMISSIONER) نے پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ میں نے کہا بھائی! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہنے لگا کہ اس نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ میں سوچنے لگا، اس نے پھاڑ کر پھینک دیا۔ میں نے کہا، باپ کے نام میں سوچنے کی کیا بات ہے؟

دور حاضر کا انسان آج بعینہ ہماری یہی حالت ہے کہ بہت زیادہ تو باپ اور دادا تک کے نام تو بتا دیتے ہیں لیکن اگر پر دادا کا نام پوچھا جائے تو کہتے ہیں، جی! مجھے نہیں معلوم! اماں جی سے پوچھ کر بتا دوں گا، اور اسی کیلئے ہم اور آپ کہتے ہیں کہ ہمارا نام چلے گا؟ ارے بھائی! ایک دو پشت سے آگے تو کوئی جاننے والا بھی نہیں ہے! لیکن آپ یمانداری سے بتایئے کہ نسلیں کی نسلیں گذر گئی ہیں مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ خواجہ معین الدین اجمیری

رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام کسی نے بھلایا؟ قیامت تک ان کا نام کوئی نہیں بھلا سکتا؛ جسکا مطلب یہ ہے کہ ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اولاد نرینہ کی وجہ سے ہمارا نام چلے گا یہ دماغی بیماری کی پیداوار ہے۔ اس طرح ہمارے دلوں میں جو یہ خیال ہے کہ اولاد نرینہ ہماری جائداد کا وارث بنے گی تو اس کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ ع

کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

جب وارث بننے کا وقت آئے گا تو پتہ نہیں کیا انقلاب آئے گا۔ اس کو وراثت میں کچھ ملے گا بھی یا نہیں؟ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا؛ تو ہمارے دلوں میں اولاد نرینہ سے محبت کی بنیاد یہ ہیں لیکن نبیوں اور پیغمبروں کو جو اپنے نرینہ اولاد سے محبت ہوتی ہے اس کی بنیاد یہ باتیں نہیں ہوتیں۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنے نرینہ اولاد اور بیٹے سے محبت اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا بیٹا اس کام کو جاری رکھے گا جس کام کو اللہ تعالیٰ نے میرے حوالہ کیا ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہ میری جائداد کا وارث بنے گا یا اس کے ذریعہ میرا نام چلے گا؛ نام چلنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے غلاموں کو وہ زندگی عطا فرمائی ہے جو قیامت تک ختم نہیں ہو سکتی۔ قیامت تک ان کے نام کو کوئی نہیں مٹا سکتا تو سرکار دوعالم ﷺ کا نام کیسے ختم ہو سکتا ہے؟

آب حیات بلکہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا ذکر ہے کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کرلے تو جس دن تلاوت کرتا ہے اس دن کو موت نہیں آئے گی۔ وہ آیت یہ ہے۔ فرمایا کہ

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

اب آپ کے دلوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہوگا کہ مولانا نے تو یہ بڑا اچھا نسخہ بتادیا روزانہ اسکو پڑھ لیا کریں گے پھر دنیا میں مرنے کا تو سوال ہی نہیں ہے، حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ایسے ہی ذہین قسم کے لوگ سوالات کرنے آتے تھے اور انہیں جوابات بھی ایسے ملتے تھے کہ روئے زمین پر شاید کہیں انہیں وہ جوابات نہیں مل سکتے تھے۔

حضرت تھانوی ؒ کا الزامی جواب ایک صاحب مولانا کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ حضرت جی! ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں، وہ یہ کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے مگر بات یہ ہے کہ میں طلاق "ط" سے نہیں دی ہے "ت" سے دی ہے، طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اب آپ اس کی چالاکی کا اندازہ لگایئے! مولانا سمجھ گئے، فرمایا کہ تمہاری طلاق تو "ت" سے بھی واقع ہو گئی اس لئے کہ تمہارا نکاح بھی چھوٹی "ہ" ہوا تھا بڑی "ح" سے نہیں ہوا تھا، سبحان اللہ! کیا جواب دیا!

اسی طرح کسی نے سوال کیا کہ حضرت جی! بس یہ آیت روزانہ پڑھ لیا کریں گے پھر تو موت نہیں آئے گی؟ فرمایا کہ تمہارا خیال غلط ہے! اس آیت کی خاصیت تو یہی ہے کہ جس دن اس کو پڑھ لوگے اس دن موت نہیں آئے گی لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ جس دن موت آنی ہوگی اس دن تم اس آیت کی تلاوت بھول جاؤ گے۔ تو آیت کی خاصیت بھی اپنی جگہ برقرار ہے اور موت بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔

سرور کونین ﷺ کی اولاد بہرحال؛ حضور اکرم ﷺ کو اپنی اولاد سے محبت اس لئے نہیں تھی کہ یہ میری جائداد کے وارث ہوں گے، اس لئے نہیں تھی کہ تخت و تاج کے وارث ہوں گے، اس لئے نہیں تھی کہ ان کے ذریعہ نام چلے گا بلکہ اس لئے تھی

کہ میرے بعد دین کی خدمت اللہ تعالیٰ ان سے لے گا ابھی حضور اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا نہیں فرمائی تھی کہ آپ کے دو بیٹے کا انتقال ہو گیا جس کیوجہ سے آپ ﷺ کو بے حد غم ہوا، اس لئے کہ اب آپ کا کوئی بیٹا باقی نہیں رہا، صرف چار لڑکیاں تھیں، سب سے بڑی لڑکی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں، دوسری لڑکی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں، تیسری لڑکی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں اور چوتھی لڑکی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان چار لڑکیوں کے علاوہ دو لڑکے تھے جو آپؐ کی نبوت سے پہلے ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فرزند رسولؐ حضرت ابراہیمؑ کی سوانح حیات پھر نبوت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک بیٹا عطا فرمایا، آپ نے ان کا نام ابراہیمؑ رکھا، آپ ﷺ کے یہ تیسرے صاحبزادے حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ہیں، پرورش کیلئے آپ ﷺ نے ان کو ایک دایہ کے پاس بھیج دیا، وہاں حضرت ابراہیمؑ کی پرورش ہو رہی تھی کہ اچانک بیمار پڑگئے اور رفتہ رفتہ ان کی حالت بگڑتی چلی گئی، ایک شخص دوڑتا ہوا آپ ﷺ کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ حضورؐ! حضرت ابراہیمؑ کی حالت نازک ہے! حضورؐ یہ خبر سنتے ہی گھبرا کر حضرت ابراہیمؑ کے پاس تشریف لے گئے، حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیمؑ کو لیکر اپنے زانو پر لٹا لیا، اسی حالت میں ان کی وفات ہو گئی، آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپؐ نے فرمایا

انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون

اے ابراہیمؑ! آج تو مجھ سے جدا ہو رہا ہے، مجھے تیری جدائی کا بڑا صدمہ اور غم ہے، اور آپؐ یہ بھی فرمایا کہ میرا دل غمگین ہے اور میری آنکھیں رو رہی ہیں لیکن میں اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہوں گا جو اللہ کی مرضی اور اسکی مشیت کے

خلاف ہو۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سوال

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ! آپ تو نبی اور پیغمبر ہیں، آپ بھی روتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ بڑا اچھا سوال کیا۔ اس لئے کہ بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں نبوت کا مفہوم ہی الگ ہے، جیسا کہ آج لوگوں کے ذہنوں میں بزرگی کا مطلب

اور اس کا مفہوم بدل گیا ہے، آج اگر کوئی آدمی سیدھا سادھا اور بھولا بھالا ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑے بزرگ ہیں... ہمارے مولانا فرمایا کرتے تھے کہ اگر سیدھا سادھا اور بھولا بھالا ہونا کوئی بزرگی ہوتی تو انبیاء کرام سب سے زیادہ بھولے ہوا کرتے لیکن کوئی نبی بھولے نہیں تھے۔ تو اگر کوئی سیدھا سادھا ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دھوکہ میں آجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑے بزرگ ہیں اور اگر کوئی دھوکہ میں نہیں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ بڑے چالاک ہیں، بزرگ نہیں ہیں۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کی فراست ایمانی

ایک واقعہ یاد آگیا، ہندوستان میں ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہیں "حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ" یہ بڑے زبردست عالم تھے، ان کا ایک خانقاہ ہے "خانقاہِ رحمانی" حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے موسوم ہے، اور مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ ان کے صاحبزادے حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (رحمۃ اللہ علیہ) دیوبند میں ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ جب ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف تحریک شروع ہوئی تو گاندھی جی نے حکیم اجمل خان صاحبؒ، ڈاکٹر انصاری صاحبؒ، مولانا علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ کو جمع کرکے یہ کہا کہ اس تحریک کے اندر اس وقت تک جوش پیدا نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں کوئی بڑے مذہبی پیشوا شامل

نہیں ہوں گے۔ لہذا کسی طریقے سے مذہبی پیشواؤں کو اس میں شامل کیجئے! طے یہ ہوا کہ ایک دن گاندھی جی کے ساتھ ایک ڈپوٹیشن (DEPUTATION) مولانا محمد علی مونگیریؒ کے پاس جائے؛ چنانچہ سب کے سب ملکر گاندھی جی کے ساتھ مولانا محمد علی مونگیری ﷫ کے پاس گئے اور گاندھی جی نے مولانا سے کہا کہ مولانا! میں نے پیغمبرِ اسلام کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے ان کی زندگی سے بہتر کسی کی زندگی کو میں نے نہیں پایا۔ ان کی زندگی سب سے اعلیٰ اور سب سے اونچی زندگی تھی اور میں نے قرآن کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے اس کتاب کو سب سے اعلیٰ اور مقدس ترین کتاب پایا چنانچہ میں نے اس کا کچھ حصہ اپنی دعا میں بھی شامل کرلیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی تعریفیں کیں۔

مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گاندھی جی! آپ نے پیغمبر اسلام کی جتنی تعریفیں کی ہیں وہ ٹھیک ہیں، ہمارے پیغمبر اس سے بھی اونچے تھے اور آپ نے قرآن کریم کی جتنی تعریفیں کی ہیں وہ بھی ٹھیک ہیں۔ ہمارا قرآن اس سے بھی اونچا ہے لیکن گاندھی جی! مہربانی کرکے رسولِ خدا کا اور قرآن کریم کا وہ عیب بھی تو بتا دیجئے جسکی وجہ سے آپ نے اب تک ایمان قبول نہیں کیا ہے! جب قرآن کریم آپ کو ساری دنیا کی کتابوں میں سب سے بہتر کتاب معلوم ہوتا ہے، پیغمبرِ اسلام اور ان کی زندگی آپ کو سب سے بہتر زندگی معلوم ہوتی ہے پھر آپ کو وہ کونسا عیب ان کے اندر نظر آیا جس کی وجہ سے اب تک آپ ایمان نہیں لائے ہیں؟ اب گاندھی جی بغلیں جھانکنے لگے۔ ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ مولانا نے فرمایا کہ جب کوئی شکاری شکار کرنے کیلئے نکلتا ہے تو شکار گاہ میں جاکر جانوروں کی بولی بولتا ہے تاکہ جانور جال میں پھنس جائیں۔ اسی طرح آپ کے دل میں نہ نہ پیغمبرِ اسلام کی کوئی عظمت ہے اور نہ قرآن کریم کی کوئی عظمت ہے! آپ صرف مجھے پھانسنے کیلئے آئے ہیں اس لئے میری

بولی بول رہے ہیں فرمایا کہ ؎

زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر
تا کہ گیرد مرغ راآں مرغ گیر

اور حدیث میں آتا ہے **اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله** مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہنا وہ صرف چہرہ کی آنکھ سے نہیں دیکھتا، دل کی آنکھ سے بھی دیکھتا ہے۔

دین کے معاملہ میں آجکل کی بے احتیاطی ہمارے یہاں میرٹھ میں جہاں میں نے فارسی پڑھی تھی ایک صاحب تھے جن کے کپڑوں میں ہمیشہ جوئیں پھرتی رہتی تھیں، اور جب ان سے کہا جاتا کہ بھائی! ان جوؤں کو ماریئے! یہ نجس اور غلیظ چیز ہے تو کہتے کہ میں کیوں ماروں؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی غذا میرے جسم میں اتاری ہے۔ وہاں کے لوگ ان کے پیچھے پیچھے پھرتے تھے، کہتے تھے کہ جی! یہ بڑے درویش ہیں، ان کے کپڑوں میں جوئیں بہت زیادہ ہیں۔

تو میرے دوستو! ہم لوگوں کا یہی حال ہے۔ معاف کیجئے اگر ہمیں اور آپ کو کوئی بیماری ہو جائے تو کسی ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے ہم ڈرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے اسکی ڈگری بتاؤ کہ کیا ہے؟ یہ کہاں سے پڑھ کر آیا ہے؟ لیکن جب ایمان کا مسئلہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ جی! ہم تو عاشق مزاج ٹھہرے، جو حسین ہمارے آگے سے گذرتا ہے ہم اسے اپنا ایمان دے دیتے ہیں، جسم کی پرواہ ہے لیکن ایمان کی کوئی پرواہ نہیں، فارسی کے کسی شاعر نے بڑا اچھا شعر کہا ہے، فرمایا کہ ؎

لخت بر داز دل گذرد ہر کہ زپیشم
من قاش فروش دلے صد پارہ خویشم

آپ نے ہندوستان میں دیکھا ہوگا کہ تربوز بیچنے والے تربوز کی قاشیں (ٹکڑے)

بنا کر رکھ لیتے ہیں اور ایک ایک آنہ میں ایک ایک قاش (ٹکڑا) بیچتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے بھی ایمان کی قاشیں بنا کر رکھ لی ہیں اور جو جو آرہا اسے کہہ رہے ہیں کہ ایک قاش تم بھی لے جاؤ، ایک قاش تم بھی لے جاؤ۔

تو جان کے معاملہ میں ہم اور آپ فیاض نہیں ہیں لیکن ایمان کے معاملہ میں بڑے فیاض ہیں، اگر کسی کے بدن میں جوئیں مل گئیں اسکو بھی ایمان دے دیا، کسی کا بولنا پسند آگیا اسے بھی ایمان دے دیا، کسی کا چپ رہنا پسند آگیا اسے بھی ایمان دے دیا، کسی کا رونا یا ہنسنا پسند آگیا اس کے حوالہ بھی ایمان کر دیا۔ حالانکہ اسلام کے اندر ایمان کسی کے حوالہ کرنے کی ایک ہی شرط ہے وہ یہ ہے کہ یہ دیکھو کہ وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیروکار اور آپؐ کی سنت اور آپؐ کے نقش قدم پر مکمل طریقہ سے چلتا ہے یا نہیں؟ اگر چلتا ہے تو ضرور اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے سکتے ہو۔

حضور اکرم ﷺ کا جواب خیر! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ نبی اور پیغمبر ہیں اور آپ بھی روتے ہیں؟ جواب سنئے! آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹے کی جدائی پر اتنا غم ہونا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ہے جو مجھے ادا کرنا ہے۔

جسکا مطلب یہ ہے کہ میرا یہ بیٹا جو جدا ہو رہا ہے یہ میرا خون ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے اسکی جدائیگی پر اتنا رنج و غم ہونا کہ آنکھوں سے آنسو نکل آئیں یہ اس بچے کا حق ہے، یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ لیکن یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر دو حقوق جمع کر دیئے ہیں، ایک حق اس بچہ کا ہے جو جدا ہو رہا ہے، اور یہ حق آنسو بہا کر میں نے ادا کر دیا اور دوسرا حق خدا کا ہے، وہ یہ کہ میں اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نہ نکالوں جو خدا کی مشیت کے خلاف ہو۔

میرے دوستو! میں جو بات کہنا چاہ رہا ہوں وہ یہی ہے کہ ایک طرف آپ کے

سامنے رسول اللہ ﷺ کا عمل ہے کہ بیٹے کی جدائی پر رو رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دوسری طرف ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بیٹا جدا ہو رہا ہے لیکن آنکھوں سے آنسو نکلنے کے بجائے ہنس رہے ہیں۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

مثلاً حضرت فضیل بن عیاضؒ سلسلۂ چشتیہ کے بہت بڑے بزرگ ہیں، ان کی ابتدائی زندگی بڑی خراب گذری ہے، یہ چوری کرتے اور ڈاکہ ڈالتے تھے، ایک دن ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا تو اعلان کر دیا کہ آج رات اس لڑکی کے گھر پر ڈاکہ ڈال کر اس کو غائب کیا جائے گا۔ چنانچہ رات کو اپنے اعلان کے مطابق اس لڑکی کے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کیلئے گھروں کے چھتوں کے اوپر سے جا رہے ہیں کہ ایک مکان سے بات کرنے کی آواز آئی، حضرت فضیل بن عیاضؒ اپنا کان اس آواز کی طرف لگا دیئے، ایک شخص قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا اور اس آیت کی آواز ان کے کانوں میں آئی۔ فرمایا کہ ۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ

ترجمہ یہ ہے کہ کیا ایمان والوں کیلئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں۔ (معارف قرآن)

حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توبہ

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ابھی یہ آیت میرے لئے ہی نازل فرمائی ہے اور ساختہ منھ سے یہ نکلا " **بلیٰ یا ربی قد ان** " ہاں ! میرے پروردگار ! وہ وقت آگیا، میرا دل اب توبہ کی طرف جھک گیا اور لکھا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ چھت سے اتر کر اتنا روئے کہ فرش زمین آنسوؤں سے تر ہو گیا ۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ رو رہے تھے کہ پاس سے آواز آئی، کوئی آدمی کسی سے یہ کہہ رہا تھا کہ چلو چلو

فضیلؒ بن عیاض آگیا ہے، اگر ہمیں دیکھ لیا تو جان سے مار ڈالے گا! حضرت فضیل بن عیاضؒ ان کے پاس پہنچے اور ان کے قدموں میں سر رکھ کر کہنے لگے کہ خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے اللہ سے توبہ کرلی ہے، اب تمہاری جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاضؒ تقریباً تیس سال تک زندہ رہے، اور انہیں اپنی گذشتہ زندگی کا اتنا غم تھا کہ ان تیس سالوں میں کبھی کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، کبھی کسی نے ان کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا۔ قصور تو سب سے ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ کیفیت بہت پسند ہے کہ اس کے دربار میں ایک گنہگار انسان گڑگڑاتا ہوا نظر آئے۔

کسی کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو! تقسیم سے پہلے، پارٹیشن (PARTITION) سے پہلے میں نئی دہلی میں تھا وہاں موڈی خاندان کا ایک شخص تھا جو آنریبل ممبر (HONOURABLE MEMBER) ہوا کرتا تھا اور ایک زمانے میں وہ وزیر بھی تھا، شیخ عنایت اللہ صاحب ان کے پرائیوٹ سکریٹری (PRIVATE SECRETARY) ہوا کرتے تھے، وہ کبھی کبھی میرے پاس بھی آتے تھے، بعض لوگوں نے کہا کہ ارے صاحب! یہ بڑا ریاکار آدمی ہے، اس نے کتے پال رکھے ہیں اور اس کی میم صاحبہ انگریز ہے، میں نے کہا، بھائی! یہ سب باتیں ٹھیک ہیں لیکن جو آدمی میرے پاس آتا ہے میں اسے دھکے دیکر کیسے نکال دوں! اتفاق کی بات ہے کہ جب پاکستان بنا اور اس کے دو سال بعد میں حج کو گیا اور حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس پر حاضری دی تو میں نے وہاں پر دیکھا کہ ایک آدمی زمین پر رو رہا ہے، تڑپ رہا ہے اور اسکا بہت بُرا حال ہے، جب قریب جاکر دیکھا تو وہی شیخ عنایت اللہ صاحب تھے۔

یاد رکھئے! کبھی کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھئے، کبھی کبھی انسان ایک ہی جست (JUMP) میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے، تبدیلی کیلئے زیادہ وقت درکار نہیں

ہوتی۔ جب میں نے ان کو تڑپتے ہوئے دیکھا تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ اے اللہ ! جو تڑپ ان کے اندر ہے وہ مجھے بھی عطا فرما۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا انتقال تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ تیس سال تک نہیں مسکرائے۔ ان کا ایک نو جوان اکلوتا لڑکا تھا۔ اس کے متعلق کسی نے آکر حضرت فضیل بن عیاضؒ کو خبر دی کہ آپ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے خبر سنکر فرمایا کہ " الحمد اللہ " اب آپ اندازہ لگایئے کہ رسول اللہ ﷺ کا عمل اس سلسلہ میں یہ تھا کہ بچہ کو گود میں لیکر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور فرما رہے ہیں۔

انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون

اور حضرت فضیل بن عیاضؒ جو ولی درویش ہیں، مرد با خدا ہیں مسکراتے ہوئے کہتے ہیں " الحمد اللہ " اس کے بعد حضرت فضیل بن عیاضؒ نے اس خبر دینے کو کہا کہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے میں اس قابل نہیں ہوں کہ وہاں جاسکوں لہذا جب تجہیز و تکفین سے فارغ ہو جاؤ تو یہاں لاکر مجھے اسکی شکل دکھا کر قبرستان لے جانا ! چنانچہ اس جوان بچے کی میت کو غسل دیا گیا، کفن پہنایا گیا پھر لوگ اس کو حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے لیکر آئے، حضرت فضیل اپنے جوان لڑکے کی میت کی پیشانی کو چوم رہے ہیں، بوسہ دے رہے ہیں اور ہنستے ہوئے کہہ رہے ہیں ! اللہ کی امانت اللہ کے حوالے، اللہ کی امانت اللہ کے حوالے۔۔ اور ہنسی خوشی رخصت کر دیا۔

نبی اور ولی میں فرق اب مجھے آپ سے یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کے سامنے عمل کے یہ دو نمونے ہیں، ایک نمونہ نبی کے عمل کا ہے اور دوسرا نمونہ ولی کے عمل کا ہے، ممکن ہے کہ کسی کو بظاہر یہ احساس ہو کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا عمل

بہت اونچا اور اعلیٰ درجہ کا عمل ہے کیونکہ انہوں نے نوجوان اور اکلوتے لڑکے کی وفات کی خبر سن کر " الحمداللہ " کہا اور اسے رخصت کرتے وقت رنج وغم کے اظہار کے بجائے تبسم اور مسکراہٹ کا اظہار کیا۔

بس! میں اسی مسئلہ کو حل کرنا چاہتا ہوں اور میرے عرض کرنے کا منشاء یہی ہے کہ چاہے سائنس (SCIENCE) کی یہ دنیا کتنی ہی ترقی کرلے، اعلیٰ سے اعلیٰ ایڈوکیٹ (ADVOCATE) اور سائنٹسٹ (SCIENTIST) پیدا ہوجائیں، اعلیٰ سے اعلیٰ ولی اللہ اور درویش پیدا ہوجائیں لیکن یاد رکھئے! جو کمال اللہ تعالیٰ نے سرکار دوعالم ﷺ کے عمل کو عطا فرمایا ہے وہ کسی کے عمل کو نصیب نہیں ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ آج کے اس تہذیب وتمدن کے زمانہ میں ہم سرکار دوعالم ﷺ کی زندگی سے بہتر زندگی پیش کرسکتے ہیں، ان سے اچھا ماڈل (MODEL) اور نمونۂ عمل پیش کرسکتے ہیں تو میرے دوستو! آج تو کیا قیامت تک نہیں پیش کرسکتے۔

ایک جلد ساز کی کہانی ایک واقعہ یاد آگیا، ایک جلد ساز تھا، وہ جلد سازی تو بڑی اچھی کرتا تھا لیکن اس کے اندر بیماری یہ تھی کہ جو کتاب بھی اس کے پاس جلد سازی کیلئے آتی تھی اس کو پڑھ کر اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ اس میں حذف واضافہ کردیتا تھا، ایک صاحب نے اسکو قرآن کریم دیا اور کہا، میاں دیکھو! اس کی جلد باندھ دو! مگر خدا کیلئے اس میں وہ حرکت نہ کرنا جو دوسری عربی وفارسی کتابوں میں تم کرتے ہو، اس لئے کہ ان کتابوں میں تو تمہاری تبدیلی اور اصلاح چل جاتی ہے مگر یہ قرآن کریم ہے اس میں تمہاری اصلاح نہیں چلے گی۔ اس نے کہا، نہیں صاحب! توبہ کیجئے! میں تو کبھی یہ حرکت نہیں کرتا، خواہ مخواہ لوگوں نے مجھے بدنام کردیا ہے! آپ بے فکر جائیے اور ایک ہفتہ کے بعد آکر قرآن کریم لے جایئے۔

جلد ساز کا عقلی اجتہاد ایک ہفتہ کے بعد جب وہ قرآن کریم لینے کیلئے آیا تو قرآن

کریم کو دیکھ کر کہا کہ بھائی! جلد تو بڑی اچھی باندھی ہے تم نے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کہیں کوئی تبدیلی بھی کی ہے ؟اس نے کہا، نہیں حضور! بھلا بتایئے! خدا کے کلام میں میں کیا تبدیلی کرسکتا ہوں ؟لیکن دو تین جگہیں ایسی تھیں کہ کسی لکھنے والے دشمن نے غلط لکھ دیا تھا، میں نے اسے ٹھیک کردیا ہے، وہ جو عادت تھی اصلاح کرنے کی۔

اسی طرح آج کا روشن خیال طبقہ سائنس اور ٹکنالوجی (SCIENCE AND TECHNOLOGY) کے نام سے اسلام کی شکل بدلنے کی کوشش کررہا ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ یہ ماڈل پرانا ہوگیا ہے ہم اس کے جگہ پر نیا ماڈل لارہے ہیں۔

تو اس جلد ساز نے کہا کہ لکھنے والے نے بعض جگہ غلط لکھ دیا تھا، میں نے اس کی تصحیح کردی ہے۔ انہوں نے کہا، ارے ظالم! تو نے میرے قرآن کو ناس کردیا، دکھا! کہاں کیا تبدیلی کی ہے؟اس نے بڑے فخر کے ساتھ قرآن کریم کو کھولا اور کہا، دیکھئے! اس جگہ لکھنے والے نے "وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی" لکھ دیا تھا، میں نے لفظ آدم کو کاٹ کر موسیٰ بنادیا ہے، اس لئے کہ عصا حضرت آدم علیہ السلام کے پاس نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی، اس علم کے دشمن کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عصیٰ دو طرح سے لکھا جاتا ہے اور دونوں الگ الگ معنی میں استعمال ہوتا ہے، ایک طریقہ ہے "عین" "صاد" اور "ی" اور ی کے اوپر چھوٹا سا الف (کھڑا زبر) جسکے معنی ہیں نافرمانی اور لغزش کے، اور دوسرا طریقہ لکھنے کا ہے عین، صاد اور الف، اس کے معنی لاٹھ کے ہیں، اس ظالم کو یہ معلوم تھا کہ وہ عصا جو لاٹھی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ الف کے ساتھ آتا ہے اور یہاں ی کے ساتھ آیا ہے، مگر ماشاء اللہ لیاقت اور قابلیت کسی باہر ملک سے امپورٹ (IMPORT) کرکے لائے ہوں گے اس لئے تصحیح کردی۔

وہ صاحب نے کہا، کہیں دوسری جگہ بھی جگہ تبدیل کی ہے؟اس نے کہا، ہاں! قرآن کریم میں ایک جگہ کاتب نے غلطی سے وَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا لکھ دیا تھا، میں نے

لفظ موسیٰ کاٹ کر عیسیٰ بنا دیا۔ اس لئے کہ خر کے معنی گدھے کے آتے ہیں اور گدھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے۔ فرمایا کہ

خر عیسیٰ گر بمکہ رود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

اس کی قابلیت اور لیاقت کا اندازہ لگایئے! خر کے معنی جو گدھے کے آتے ہیں وہ فارسی میں آتے ہیں عربی میں نہیں آتے۔ اور یہ لفظ خر بھی نہیں ہے بلکہ خَرّ ہے جو خَرٌ ورٌ سے مشتق ہے جس کے معنی گر پڑنے کے آتے ہیں۔ انہوں نے کہا، تو نے میرا قرآن ستیاناس کر دیا! اور بھی کہیں کوئی تبدیلی کی ہے؟ اس نے کہا، ایک اور جگہ ہے۔ وہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے لیکن میں نے دیکھا کہ اس میں کہیں قارون کا نام ہے، کہیں فرعون کا نام ہے، کہیں ہامان کا نام ہے اور کہیں ابلیس و شیطان کا نام ہے۔ بھلا خدا کے بابرکت کلام میں ان بدمعاشوں کا ذکر کیسے ہوسکتا ہے؟ میں سمجھ گیا کہ ہمارے قرآن کو خراب کرنے کیلئے کسی دشمنِ خدا نے ایسا کیا ہے۔ انہوں نے کہا، پھر تم نے کیا کیا؟ اس نے کہا حضور! میں نے جہاں جہاں ان بدمعاشوں کا نام تھا اس کو کاٹ کر آپ کا متبرک نام لکھ دیا ہے۔ انہوں نے کہا، ارے ظالم! ایک تو تو نے میرا قرآن خراب کر دیا اور دوسری میری عزت خاک میں ملادی کہ ابلیس و شیطان، فرعون وہامان کی جگہ مجھے بٹھا دیا۔

سنت نبوی ﷺ قابل اصلاح نہیں ہے

میرے دوستو! ایمانداری سے بتایئے کہ اگر قیامت کے دن کوئی اس قسم کا قرآن پیش کرے گا تو کیا اس کی بے وقوفی اور حماقت پر اسی قسم کا قہقہہ نہیں لگے گا جیسا قہقہہ آپ لوگ لگا رہے ہیں؟ یاد رکھئے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق میں، آپ کے اعمال زندگی میں تبدیلی کر کے اس کو

رواج دینا چاہتے ہیں اور اصلاح کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی اصلاح ایسی ہی ہے جیسی جلد سازے قرآن کریم کے اندر اصلاح کی۔

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ عمل کے دو نمونے آپ کے سامنے ہیں ایک نبی کے عمل کا، دوسرا ولی کے عمل کا۔ یہاں میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ آیا نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی کا درجہ بڑا ہے؟ ہمارے بزرگوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی ہے۔سب کچھ پکا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے،سوال صرف کھانے کا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی ؒ کا علمی مقام

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ جو کتابی علم کے بڑے زبردست عالم ہیں، علمِ کتابی کے عالم ہونے کا مطلب یہ ہے ہر وقت شو(SHOW)نمائش اور دکھاوا کا دھن سوار رہے۔ہمیشہ اس فکر میں رہے کہ میرا علم کس طرح ظاہر ہو۔اس میں شک نہیں کہ اس وقت روئے زمین پر ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا،لیکن علم کی خاصیت یہ ہے کہ جب تک کوئی علم حاصل کر کے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی نہ کرے اس کے علم میں نور پیدا نہیں ہوتا ہے۔وہ اسی فکر میں رہتا کہ کس طرح میں اپنے علم کو لوگوں کے سامنے ظاہر کروں۔ اور جب وہ بزرگوں کی صحبت اختیار کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم میں نور پیدا کردیتا ہے پھر وہ اپنے علم کو چھپاتا ہے کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتا۔

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ علمِ کتابی کے بڑے زبردست عالم تھے، گھوڑے پر سوار ہو کر انکا جلوس نکلتا تھا، آگے آگے یہ خود ہوتے اور پیچھے پیچھے بڑے بڑے علماء (جو ان کے شاگرد تھے) ہوتے، کتابوں کا کتب خانہ بھی ساتھ ہوتا، جہاں کوئی سوال کرتا فوراً اسکا جواب دیتے۔ایک مرتبہ اسی قسم کا جلوس نکلا، حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ایک دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے،یہ علم کتابی کے عالم نہیں تھے،ایک درویش اور فقیر تھے،دودھ والے کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ شور کی آواز آئی،دودھ

والے سے پوچھا کہ یہ شور کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟ اس نے کہا کہ شیخ جلال الدینؒ کا جلوس آرہا ہے۔ انہوں نے کہا، آج ہم بھی جلوس دیکھیں گے۔ دوکان سے نیچے اترے اور راستہ پر کھڑے ہوگئے دیکھا کہ آگے آگے لباسِ فاخرہ میں ملبوس مولانا جلال الدین رومیؒ ہیں اور پیچھے پیچھے ان کے شاگردوں کا ایک لشکر ہے۔

شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کا سوال اور مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

حضرت شمس تبریزؒ آگے بڑھے اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور فرمایا کہ فقیر کا ایک سوال ہے اس کو جواب دیتے جاؤ۔ مولانا جلال الدین رومیؒ جو ہر وقت اس کیلئے تیار رہتے تھے نے فرمایا کہ ہاں ہاں! سوال کرو میں جواب دونگا! انہوں نے یہ سوال کیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہے یا ولی درجہ بڑا ہے؟ انہوں نے کہا، ارے! میرا وقت ضائع کردیا، کوئی اعلیٰ سوال کیا ہوتا! اس سوال کا جواب تو بچے بچے کو معلوم ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہوتا ہے او ولی درجہ چھوٹا ہوتا ہے اور فرمایا کہ نبی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت بڑا عالیشان محل ہے اور ولی کی مثال ایسی ہے جیسے اس محل کا ایک کمرہ اور روم ہے، ظاہر ہے کہ نبی کا درجہ بڑا ہے اور ولی کا درجہ چھوٹا ہے۔

حضرت شمس تبریزؒ فرمانے لگے کہ تمہارے جواب پر ایک اعتراض ہے اور وہ یہ کہ ابھی تم نے کہا کہ "نبی کا درجہ بڑا ہے اور ولی کا درجہ چھوٹا ہے" سرکار دوعالم ﷺ نبی اور رسول ہیں اور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ ولی ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ۔

ماعرفناک حق معرفتک

اے اللہ! بے شک مجھے تیری معرفت کی بڑی مقدار ملی ہے لیکن ابھی تک حق معرفت ادا نہیں ہوا ہے۔ یہ تو نبی کا ارشاد ہے، دوسری طرف حضرت سیدنا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ۔

اولیائی تحت قبائی لایعرفہ سوائی

اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی معرفت دی ہے کہ میرے سوا کسی کو نہیں دی ۔۔۔۔ اب میرا اعتراض یہ ہے کہ ایک طرف نبی فرماتے ہیں کہ حق معرفت ادا نہیں ہوا اور دوسری طرف ولی فرماتے ہیں کہ مجھے اتنی معرفت ملی کہ کسی کو اتنی معرفت نہیں ملی۔ اب بتایئے کہ کس کا درجہ بڑا ہے؟ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اب میرا جسم کانپنے لگا اور قریب تھا کہ میں گر جاتا۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جواب دیا۔ سبحان اللہ! کیسا اعلیٰ جواب دیا! فرمایا کہ جس طرح نبی کا درجہ اسکی معرفت کا برتن ہوتا ہے وہ برتن بھی بڑا ہوتا ہے اور جس طرح ولی کا درجہ چھوٹا ہوتا ہے اسی طرح اسکی معرفت کا برتن بھی چھوٹا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک گلاس ہے، جب آپ اس کو لبالب بھر دیں گے تو وہ یہی کہے گا کہ میں تھک گیا، اب جگہ باقی نہیں رہی، اسی طرح جب ولی کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور اس کا ظرف اور برتن بھر جاتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ چھلکنے لگا۔ لیکن نبی کا برتن چونکہ اتنا بڑا ہے کہ اگر وہ سمندر کے سمندر بھی چڑھا جائیں تو وہ یہی کہیں گے کہ حق معرفت ادا نہیں ہوا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب کو سن کر حضرت شمس تبریز رحمہ اللہ علیہ چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ انہیں اٹھا کر مدرسہ پہنچا دو۔ انہیں مدرسہ پہنچا دیا گیا۔

مولانا شمس تبریز ؒ کی کرامت

شام کے وقت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ علیہ حوض پر بیٹھے کتاب دیکھ رہے تھے کہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کر آئے اور پوچھا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے! حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے لیکر حوض میں ڈال دیا۔ پھر پوچھا یہ کونسی کتاب ہے؟ مولانا نے بتایا کہ یہ فلاں فن کی کتاب ہے، اسے بھی لیکر حوض میں ڈال دیا۔

اسی طرح اور دو تین کتابوں کو لیکر حوض میں ڈال دیا۔ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ناراض ہوئے۔ فرمایا کہ تم نے میری زندگی کے علمی ذخیرہ کو برباد کردیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ ناراض نہ ہوں میں ابھی نکالے دیتا ہوں۔ پھر انہوں نے جب کتابیں نکالیں تو اس پر پانی کا کہیں نام ونشان بھی نہیں تھا۔ یہ حضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ مولانا تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوگئے مولانا جلال الدین رحمہ اللہ علیہ سمجھ گئے کہ یہ اللہ والے درویش ہیں، ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور مرید ہوگئے۔ فرمایا کہ :-

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شمس تبریزی کے مرید ہوگئے اور مناظرے اور علم کی ساری نمائش چھوڑدی، کتب خانہ چھوڑ دیا۔ فرمایا کہ :-

جملہ اوراق کتب در نار کن　　　سینہ را از نور حق گلزار کن

ارے ظالم! کب تک کتابیں دیکھے گا؟ کتابیں چھوڑ اور کتاب والے کو دیکھ!

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابیں دیکھنی چھوڑ دی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو مثنوی جیسی کتاب لکھنے کی توفیق عطا فرمائی جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ :-

ہست قرآں در زبان پہلوی
("یہ فارسی زبان کا قرآن ہے")

حاصل کلام یہ بات میں نے اس لئے عرض کی کہ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب سے یہ معلوم ہوگیا کہ نبی کا درجہ بڑا ہوتا ہے اور ولی درجہ چھوٹا ہوتا ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کا عمل کامل درجہ کا عمل ہے اور حضرت فضیل بن عیاض کا

عمل اگرچہ ہمارے اور آپ کے مقابلے میں بہت اعلیٰ وارفع ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مقابلے میں کم درجہ کا اور ناقص ہے۔ اس لئے کامل درجہ کا عمل وہ ہے کہ جس میں خدا اور مخلوق دونوں کے تقاضے ایک ساتھ پورے ہوتے ہوں۔۔۔ ہمارے اور نبی کے عمل میں یہی فرق ہے۔ معاف کیجئے! ہماری اور آپ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک آنکھ سے دیکھتا ہے، کیونکہ جب ہم بیوی بچوں کا حق ادا کرنے کیلئے کمانے لگتے ہیں تو پھر اسی کے ہوجاتے ہیں، نماز غائب، تلاوت غائب، روزہ غائب، رمضان غائب۔ اور جب ہم دین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو پھر بیوی بچوں کے حقوق سے نظر پھیر لیتے ہیں۔ اسی لئے بعض عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں کہ ان کے شوہر بڑے دیندار ہیں لیکن بغیر اطلاع کئے ہوئے ساری رات گھر سے غائب رہتے ہیں اور گھر والے انتظار میں دروازہ کھولے ہوئے پریشان بیٹھے رہتے ہیں۔

اسوہ رسول اکرم ﷺ یاد رکھئے! یہ دینداری نہیں ہے، دینداری اسکا نام کہ ایک مرتبہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کے مہمان تھے آپؐ نے ان سے یہ فرمادیا تھا کہ بھائی! میرے گھر میں کھانے پینے کا تو کوئی سامان نہیں ہے البتہ بکری ہے تم اس کا دودھ دوہ کر پی لیا کرو اور میرے لئے بھی رکھ دیا کرو، ایک رات حضور اکرم ﷺ کو گھر آنے میں کچھ دیر ہوگئی، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ یہ سوچ کر کہ شاید آج حضور اکرم ﷺ کو کہیں دعوت ہے سارا دودھ پی گئے، تھوڑی دیر میں حضورؐ تشریف لائے ڈر کے مارے حضرت قتادہؓ چپ چاپ لیٹ گئے جیسے سو رہے ہیں، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ حضورؐ تشریف لائے۔

فتح الباب رویدا واغلق الباب رویدا

سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب! آپ ﷺ نے نہایت آہستہ سے دروازہ کھولا نہایت آہستہ سے دروازہ بند کیا کہ مہمان کی آنکھ نہ کھل جائے اور نہایت آہستہ

سے سلام کیا کہ اگر جاگ رہے ہوں تو سن لیں اور اگر سو رہے ہوں تو سلام کی آواز سے آنکھ نہ کھلے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے چپکے سے سلام کا جواب دیا لیکن ڈر کے مارے یہ ظاہر نہیں کیا کہ میں جاگ رہا ہوں۔ حضور اکرم ﷺ کو بھوک لگی تھی، سیدھے برتن کیطرف تشریف لے گئے، دیکھا تو دودھ نہیں تھا۔ سبحان اللہ! کیا کریمانہ اخلاق تھے! حضورؐ ناراض نہیں ہوئے بلکہ آپ کی زبان سے یہ دعا نکلی، فرمایا کہ

اللھم اطعم من اطعمنی

اے اللہ! اس وقت مجھے بھوک لگی ہے، جو میرے پیٹ بھرنے کا ذریعہ بن جائے اسے تو خوشحالی عطا فرما۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دعا مانگنا تھا کہ مجھے یقین ہوگیا نبی کی دعا خالی نہیں جاسکتی، میں اٹھا اور جاکر بکریوں کے تھنوں کو دیکھا جن میں سے ابھی ابھی میں دودھ دوہ چکا تھا، دیکھا کہ تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے دودھ نکالا اور حضور اکرم ﷺ کو پیش کردیا۔

دینداری کا معیار یاد رکھئے! دینداری اسی کو کہتے ہیں، ایک طرف مخلوقِ خدا کا حق ادا کرو اور دوسری طرف اپنے خالق اور خدا کا حق ادا کرو، جب تک یہ توازن اور یہ بیلنس (BALANCE) ہماری اور آپکی زندگی میں پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری زندگی کامل اور اعلیٰ درجہ کی زندگی نہیں ہوسکتی۔ حضور اکرم ﷺ کے عمل میں اعلیٰ درجہ کا کمال یہی تھا کہ ایک طرف آپؐ نے جدا ہونے والے بیٹے کا حق بھی ادا کیا اور دوسری طرف اپنے خالق حقیقی کا حق بھی ادا کیا لیکن ہمارے ولی حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ علیہ نے خدا کا حق ادا کیا اور اللہ کی مرضی میں اس قدر مستغرق ہوگئے کہ جدا ہونے والے بیٹے کا حق ادا نہیں کیا۔

معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کے عمل سے، آپؐ کی عبادت سے اور آپؐ

کے اخلاق سے بہتر عمل اور بہتر طرزِ زندگی قیامت تک کوئی نہیں پیش کرسکتا ہے۔ اس زمانہ میں لوگوں نے لباس پہننے کا نام تہذیب رکھ لیا ہے یا کسی پر زیادہ سے زیادہ چوٹ کردیا جائے اسے تہذیب کہتے ہیں۔ یہ تہذیب نہیں ہے، تہذیب سیکھئے اللہ والوں سے۔

پردہ پوشی کی تابندہ مثال حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے پاس ایک بڑھیا برقعہ پہنے ہوئے آئی، عمر کچھ زیادہ تھی اور جب عمر زیادہ ہوجاتی ہے تو انسان کو اپنا بدن قابو میں نہیں رہتا، جب وہ بیچاری بیٹھنے لگی تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اور اسکی آواز بھی آئی، اب وہ بیچاری بڑی شرمندہ ہوئی کہ ہائے! میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئی لیکن بے اختیار مجھ سے ایسا ہوگیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ سمجھ گئے اور اسکی شرمندگی کو بھانپ لئے۔ فرمایا، کیسے آئیں بڑی بی؟ اس نے کہا، تعویذ لینے آئی ہوں شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ذرا زور سے کہو، اس نے زور سے کہا، شاہ صاحبؒ آگے کو سرک آئے اور فرمایا اور زور سے کہو، اس نے اور زور سے کہا، دراصل شاہ صاحب اس کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ میں اونچا سنتا ہوں اور اس وقت جو حرکت تم سے ہوگئی ہے اسکی آواز میرے کانوں میں نہیں پہنچی ہے لہٰذا شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

آخری گذارش سبحان اللہ! یہ ہے تہذیب! اگر تہذیب سیکھنی ہو تو سرکار دوعالم ﷺ اور آپؐ کے غلاموں سے سیکھو، اور نمونہ عمل سرکار دوعالم ﷺ کے اسوہ کو بناؤ! آپؐ کی سنت اور آپؐ کے طریقہ کو بناؤ، اور یاد رکھو کہ اس سے بہتر نمونہ نہ کوئی بڑے سے بڑا ولی پیش کرسکتا ہے اور نہ کوئی بڑے سے بڑا سائنٹسٹ (SCIENTIST) پیش کرسکتا ہے۔

میں نے یہ باتیں اس لئے عرض کیں تاکہ ہم اپنے ذہنوں سے احساس کمتری کو دور

کریں اور زندگی کے تمام مراحل میں حضور اکرم ﷺ کے زندگی کو نمونہ بنائیں۔

دعا کیجئے اللہ ہمیں اور آپ کو سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

اے اللہ! تمام مردوں اور عورتوں کو بچوں اور بوڑھوں کو سب کو حضور اکرم ﷺ کے اسوہ پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم سب کے دلوں کو حضور اکرم ﷺ کی محبت سے لبریز فرما۔ اے اللہ! ہمیں اپنے نبی کا عاشق اور دیوانہ بنا۔ اے اللہ! ہمیں سرکار دوعالم ﷺ کی سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہمیں تیرے دین کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اے اللہ! ہم کمزور ہیں، ہماری خطاؤں کو بخش دے اور معاف فرمادے۔ اے اللہ! ہماری مشکلات اور پریشانیوں کو دور فرما۔ اے اللہ! جتنے حاضرین ہیں ان سب کی جائز مرادوں کو پوری فرما۔ اے اللہ! جتنے بیمار ہیں ان تمام کو تندرستی اور شفاء کاملہ عطا فرما۔

آمین یا رب العالمین